سلسلۂ آصفیہ

موازنہ انیس و دبیر

یعنی

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو، اور میر انیس و دبیر کا موازنہ

مؤلفہ

شبلی نعمانی

مطبع مفید عام آگرہ مین منشی محمد قادر علیخان صوفی کی اہتمام سے چھپا

سنہ ۱۹۰۷ء

(جلال اکبرآبادی نوشت)

فہرست مضامین



شمع ہا بردہ ام از صدق بہ خاک شُہدا	تا دل و دیدۂ خون نابہ فشانم دادند

فلسفہ اور شاعری برابر درجہ کی چیزین ہین، لیکن قوم کی بدمذاقی سے جس قسم کی شاعری نے ملک مین قبول عام حاصل کرلیا ہے، اس نے لوگون کو یقین دلادیا ہے کہ اُردو شاعری مین زلف وخال وخط، یا جھوٹی خوشامد اور مدّاحی کے سوا اور کچھ نہین ہے، **میر تقی** کی غزلیت، **درد** کا تصوف، **غالب** کا فلسفۂ شاعری کی جان ہین، لیکن اِن بیش بہا خزانون مین سے بھی، عام لوگون کی نگاہ صرف خزف ریزون پر پڑتی ہے **میر انیس** کا کلام، شاعری کے تمام اصناف کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے، لیکن اُن کی قدردانی کا طُغرا ے امتیاز صرف اسقدر ہے کہ "کلام فصیح ہوتا ہے، اور بَین اچھا لکھتے ہین" بدمذاقی کی نوبت یہانتک پُہنچی کہ وہ، اور مرزا دبیر حریف مقابل قرار دئے گئے، اور مدت ہا ے دراز کی غور و فکر، کدوکاوش، بحث و تکرار کے بعد بھی فیصلہ نہ ہوسکا کہ ترجیح کا مسند نشین کسکو کیا جائے،

اِس بنا پر مدت سے میرا ارادہ تھا کہ کسی ممتاز شاعر کے کلام پر تقریظ و تنقید لکھی جائے، جس سے اندازہ

ہوسکے کہ اُردو شاعری، باوجود کم مایگی زبان، کیا پایہ رکھتی ہے، اِس غرض کے لئے **میرانیس** سے زیادہ کوئی شخص انتخاب کے لئے موزون نہین ہوسکتا تھا، کیونکہ اُن کے کلام مین شاعری کے جس قدر اصناف پائے جاتے ہین، اورکسی کے کلام مین نہین پائے جاتے، شکر ہے کہ آج، اُس ارادہ کے پورے ہونے کی نوبت آئی، اور یہ کتاب، ناظرین کی خدمت مین پیشکش ہے، اس کتاب مین میرانیس کا موازنہ بھی مرزا دبیر سے کیا گیا ہے اور اس مناسبت سے اسکا نام **موازنہ** ہے -

شاعری کیا چیز ہے؟ یہ ایک نہایت مفصل اور دقیق بحث ہے - ارسطو نے اس پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جسکا ترجمہ عربی زبان مین ابن رشد نے کیا اور اسکا بڑا حصہ چھپ کر شایع بھی ہو چکا ہے - ابن رشیق قیروانی اور ابن خلدون نے بھی اسپر بحث کی ہے - انگریزی زبان مین نہایت اعلیٰ درجہ کی کتابین، اس مسئلہ پر لکھی گئی ہین جن مین سے بعض میری نظر سے بھی گزری ہین، گو مین اُن سے اچھی طرح مستفید نہین ہوسکا، **شعر العجم** مین، مین اِس مضمون کو انشاء اللہ نہایت تفصیل سے لکھون گا، یہان صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ شاعری کے دو جزء ہین **مادّہ وصورت** - یعنی کیا کہنا چاہیئے اور کیونکر کہنا چاہیئے، انسان کے دل مین کسی چیز کے دیکھنے، سننے - یا کسی حالت، یا واقعہ کے پیش آنے سے، جوش و مسرت - عشق و محبت، درد و رنج، فخر و ناز - حیرت و استعجاب - طیش و غضب، وغیرہ وغیرہ کی جو حالت پیدا ہوتی ہے اسکو **جذبات** سے تعبیر کرتے ہین، اِن جذبات کا ادا کرنا شاعری کا **اصلی ہیولی** ہے، اِنکے سوا عالم قدرت کے مناظر مثلاً گرمی، سردی، صبح و شام، بہار و خزان، باغ و بہار - دشت و صحرا، کوہ و بیابان، کی تصویر کھینچنا، یا عام واقعات اور حالات کا بیان کرنا بھی اسی مین داخل ہے،

لیکن یہ شرط ہے کہ جو کچھ کہا جائے اس انداز سے کہا جائے کہ جو اثر شاعر کے دل مین ہے وہی سننے والون پر بھی چھا جائے، یہ شاعری کا دوسرا جزء یعنی اسکی **صورت** ہے، اور انہی دونون جزون کے مجموعہ کا نام شاعری ہے - باقی، خیال بندی، مضمون آفرینی، دقت پسندی، مبالغہ، صنایع و بدایع، شاعری کی حقیقت مین

داخل ہین، اگرچہ بعض جگہ یہ چیزین نقش و نگار اور زیب و زینت کا کام دیتی ہین۔

میر انیس کی شاعری کو اسی معیار سے جانچنا چاہیئے جسکا مختصراً بیان ہوا، جس شخص کو یہ معیار تسلیم نہ ہو اسکے سامنے میر انیس کی نسبت، کمال شاعری کا دعویٰ نہین کیا جاسکتا،

میر انیس اور تمام مرثیہ گویون کے کلام مین جن لوگون کا ذکر اکثر آتا ہے، اور جو مرثیہ کے ہیرو ہین، اُن کا نام، اور اُن کی خصوصیات ذیل مین اس غرض سے لکھی جاتی ہین کہ واقعہ، اور روایت کے سمجھنے مین مدد ملے اور محاسن شعری، اور اسالیب بلاغت کے نکات سمجھ مین آئین،

حضرت عباس — حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھائی ہین، اور گو حقیقی بھائی نہین لیکن حقیقی بھائیون سے زیادہ مخلص اور جان نثار ہین، اس خصوصیت کو ہر جگہ دکھایا ہے۔ اس کے ساتھ ان کی شجاعت و بہادری اور جوانانہ جوش کو ہر موقع پر نمایان کیا ہے۔

حضرت زینبؑ، — حضرت امام حسین علیہ السلام کی بہن، جو سب سے زیادہ امام علیہ السلام سے محبت کرتی تھین، انکے دو صاحبزادے تھے، عون و محمد، دونون کو انہون نے امام پر نثار کردیا،

عونؑ و محمد — حضرت زینب کے صاحبزادے۔

حضرت صغریٰ، — امام حسین علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی، جن کو امام علیہ السلام، مدینہ مین چھوڑ آئے، ان کی جدائی اور رخصت کو، تمام مرثیہ گویون نے بڑے درد اور اثر کے ساتھ لکھا ہے

حضرت سکینہ — امام علیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی جو قیدخانہ کی تکلیفون سے انتقال کرگئین (حسب خیال مرثیہ گویان اُردو)

حضرت علی اکبر — امام علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے، ان کو حضرت زینبؑ نے پالا تھا،

اور اپنے بیٹون سے زیادہ انکو عزیز رکھتی تہین، اس بنا بر وہ حضرت زینبؑ ہی کو اپنا مالک و مختار سمجھتے تھے، اور ان سے زیادہ انکا ادب کرتے تھے،

علی اصغر	امام علیہ السلام کے شش ماہہ صاحبزادے جنکو دشمنون نے امام علیہ السلام کی گود مین شہید کیا۔
حضرت سجّاد	امام زین العابدین، جو بیماری کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہو سکے تھے اور دشمن ان کو بیڑیان پہنا کر شام تک پیادہ پا لے گئے تھے،
حضرت شہر بانو	امام علیہ السلام کی حرم محترم جو نوشیروان کی پوتی تھین،
حُر	یزید کے رسالہ کا سپہ سالار تہا، لیکن خدا نے ہدایت کی، اور امام علیہ السلام کی فوج مین آکر شامل ہو گیا،



مرثیہ گوئی کی اجمالی تاریخ

عرب مین جو فارسی اور اُردو شاعری کا سرچشمہ ہے، شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی، اور یہی ہونا چاہیے تھا، عرب مین شاعری کی ابتدا بالکل فطرت کے اصول پر ہوئی، یعنی جو جذبات دلون مین پیدا ہوتے تھے، وہی اشعار مین ادا کر دیے جاتے تھے، جذبات مین، درد و غم کا جذبہ، اور جذبات سے قوی تر ہے، اور جس جوش سے یہ ظاہر ہوتا ہے اور جذبات ظاہر نہین ہو سکتے، فرض کرو، ایک شخص کے گھر مین بہت تمناؤن کے بعد بیٹا پیدا ہوا، تو اُس کو بہت کچھ خوشی ہوگی لیکن وہ اس خوشی کو کسی مجمع عام مین، اشعار یا خطبہ کے ذریعہ سے ظاہر نہین کریگا، اور کرے بھی تو کلام مین کوئی غیر معمولی تاثیر نہوگی، لیکن اگر یہی لڑکا مرجائے تو اسکی کیا حالت ہوگی؟ وہ سرتاپا جوش بن جائیگا، اُسکی آہ و زاری لوگون کو تڑپا دیگی، اور اگر وہ شاعر ہے، تو اُسکے مرثیے دلون پر نشتر کا کام دین گے۔

بہرحال عرب مین چونکہ شاعری کی ابتدا اظہار جذبات سے ہوئی تھی، اس لیے سب سے پہلے شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی، جو سب سے قوی تر جذبہ کا اثر ہے۔

قصائد پر مرثیہ کا اثر

مرثیے عین اُس حالت مین کہے جاتے تھے، جبکہ شاعر کا دل درد و غم سے لبریز ہوتا تھا، اس کا شاعری پر ایک خاص اثر یہ ہوا کہ قصائد کی ابتدا جو عام طور تشبیب اور غزل سے کی جاتی تھی، مرثیہ کے قصائد مین یہ طرز متروک ہوگیا، کیونکہ رنج و غم کی حالت مین عشق و محبت کے خیالات کا کیا موقع تھا، عرب مین اسکی مخالف صرف ایک مثال موجود ہے، یعنی درید بن الصمہ ایک شاعر نے اپنے بھائی کا مرثیہ جو لکھا اس کی ابتدا غزل سے کی تھی، جس کا مطلع یہ تھا۔

لعاقبۃٍ او اخلفت کلّ موعد	اَرَاثَ جدیدُ الحبل مِن ام معبد

لیکن اسکی وجہ ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین یہ لکھی ہے کہ یہ مرثیہ، واقعے کے پورے ایک برس کے بعد لکھا گیا تھا۔

اگرچہ جاہلیت ہی کے زمانہ مین مرثیہ گوئی کو بہت ترقی ہو چکی تھی، اور بہت سے شعرا نے بڑے بڑے پُر اثر مرثیے لکھے تھے لیکن دو شخص اس زمانہ مین بہت نامور ہوئے، خنسا اور متمم بن نویرہ۔ خنسا ایک عورت تھی جس کو اپنے بھائی صخر سے بے انتہا محبت تھی۔ صخر ایک لڑائی مین مارا گیا، خنسا پر اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ اسکے حواس جاتے رہے، اس نے صخر کی پھٹی پُرانی جوتیون کا ہار بنا کر گلے مین ڈالا اور دیوانہ وار پھرنے لگی، اسی حالت مین صخر کے مرثیے کہنے شروع کئے، ان مرثیون کو پڑھتی تھی، اور نوحہ کرتی تھی، ایک دفعہ اسی حالت مین حج کو گئی، یہ حضرت عمر فاروق کا زمانہ تھا، وہ حرم کا طواف کرتی، اور سینہ پر دوہتڑ مارتی جاتی تھی، حضرت عمر نے دیکھا تو ڈانٹا، اس نے اپنی داستان بیان کی، حضرت عمر نے کہا ہان! لیکن ماتم کے اس طریقے کو اسلام نے مٹا دیا، وہ اور بیتاب ہو گئی، اور اُس وقت بے اختیار اُس کی زبان سے چند شعر نکلے، جن کا مطلع یہ ہے۔

وصبرًا ان اطقت ولم تطیقی	ھریقی من دموعك واستفیقی

(اپنے نفس سے مخاطب ہو کر) آنسو بہا اور اس سے تسلی حاصل کر، اور صبر کر اگر تجھ سے کیا جائے، لیکن تو کر نہین سکنے کی،

متمم بن نویرہ بھی اسی زمانہ مین تھا اور وہ بھی اپنے بھائی کا شیفتہ اور عاشق تھا، ایک لڑائی مین خالد بن الولید نے اس کے بھائی کو مار ڈالا۔ اس پر متمم کی یہ حالت ہوئی کہ گھر بار چھوڑ کر نکلا، اور قبائل عرب مین پھرنا شروع کیا، جہان پہونچتا تھا تمام زن و مرد اس کے گرد جمع ہو جاتے تھے، وہ دردانگیز لہجہ مین مرثیہ پڑھتا، اور ہر طرف سے گریہ وزاری کی آواز بلند ہوتی، اس کی یہ حالت دیکھ کر لوگون نے سمجھایا، کہ تم جلد ہلاک ہو جاؤ گے، اور تمھارے خاندان کی کوئی یادگار باقی نہ رہے گی، اس لئے تم شادی کر لو کہ اولاد کے ذریعہ سے خاندان کا نام رہجائے،،

لوگون کے اصرار سے مجبور ہوکر اُسنے شادی کی، لیکن بیوی کی طرف التفات نہ کرسکا، آخر طلاق دینی پڑی، اسی حالت مین حضرت عمرؓ کے پاس آیا، وہ اُس وقت مسجد نبوی مین تشریف رکھتے تھے، "متمم نے مرثیہ کے اشعار پڑھنے شروع کئے، حضرت عمرؓ اگرچہ نہایت مضبوط دل کے آدمی تھے، لیکن ضبط نہ کرسکے، "بے اختیار آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، متمم مرثیہ پڑہ چکا تو حضرت عمرؓ نے کہا، الیٰ ما بلغ بك الحال"، یعنی تیرے غم کی حالت کس حد تک پہونچی ہے؟ اس نے کہا امیرالمومنین! بچپن مین مجھکو ایک عارضہ ہوگیا تھا، جسکی وجہ سے میری بائین آنکھ کی رطوبت جاتی رہی تھی، مین کبھی روتا تھا تو اُس آنکھ سے آنسو نہین نکلتے تھے، "بھائی کے مرنے کے بعد جو اس آنکھ سے آنسو جاری ہوئے تو ابتک نہین تھمے۔

حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایش کی کہ اُن کے بھائی زید کا مرثیہ لکھے، اُسنے فرمایش پوری کی، لیکن جب دوسرے دن جاکر حضرت عمرؓ کو سنایا، تو حضرت عمرؓ نے کہا اسمین تو وہ درد نہین ہے، اس نے کہا، امیرالمومنین! زید آپ کے بھائی تھے میرے بھائی نہ تھے،

اس زمانہ تک مرثیہ صرف وہ لوگ کہتے تھے جن پر کوئی غیر معمولی حالت طاری ہوتی تھی، اس کے بعد جب شاعری اصلی حالت سے بدل کر کسب معاش کا ذریعہ بنی تو مرثیہ گوئی کو خود بخود زوال ہوا کیونکہ مدحیہ قصائد کی طرح اس سے کچھ صلہ نہین مل سکتا تھا، تاہم چونکہ عرب مین ابھی تک قدیم اوصاف کچھ کچھ باقی تھے اس لئے بعض مرثیئے اس زمانہ کے بھی ایسے ملتے ہین جن مین اثر اور جوش پایا جاتا ہے۔

اسی زمانہ مین کربلا کا قیامت انگیز واقعہ پیش آیا۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ اگر عرب کے اصلی جذبات موجود ہوتے تو اس زور کے مرثیئے لکھے جاتے کہ تمام دنیا مین آگ لگ جاتی۔ لیکن اُدھر تو عرب کے پُرزور جذبات مین انحطاط آچکا تھا، اِدھر بنو امیہ کی ظالمانہ سطوت اور جباری نے تمام شعرا کی زبانین بند کردی تھین، فرزدق بنو امیہ کے پایۂ تخت کا شاعر تھا، لیکن جب اسنے ایک موقع پر فوری جوش سے حضرت امام زین العابدینؑ کی مدح مین فی البدیہ چند شعر کہے تو عبدالملک بن مروان نے اسکو جیل خانہ بھیجدیا۔

بنو امیہ کے بعد دولت عباسیہ کا دور آیا، اس عہد مین شاعری کو بہت ترقی ہوئی لیکن اُنھی اصناف کو ترقی ہوئی جن کو صلہ اور انعام سے تعلق تھا، اسلئے مرثیہ گوئی اب بھی اُسی حالت مین رہی۔

البتہ معن اور جعفر برمکی کی فیاضیون نے ایک عالم کو ممنون احسان بنا رکھا تھا، اس لئے اُنکے مرنے پر جو مرثیے لکھے گئے اُن مین سے اکثر پُر اثر اور درد انگیز تھے[1]۔

فارسی مرثیے

فارسی شاعری کی بنیاد تکلف، آورد، اور مداحی پر قائم ہوئی تھی، اس لئے شاعری کے وہ انواع جنکو جذبات سے لازمی تعلق تھا دفعۃً پستی کی حالت مین آ گئے، تاہم چونکہ آغاز مین ہر چیز مین فطرت کا اثر پایا جاتا ہے، اس لئے فردوسی اور فرخی وغیرہ کی شاعری مین جابجا جذبات کا اظہار بہت خوبی کے ساتھ نظر آتا ہے۔

فردوسی نے سہراب کا مرثیہ جو اس کی ماں کی زبان سے لکھا ہے، اُس کے اشعار سے اس کا اندازہ ہو سکے گا۔

بمادر خبر شد کہ سہراب گرد — ز تیغ پدر خستہ گشت و بمرد

خروشید و جوشید و جامہ درید — بزاری بران کودک نارسید

بزد چنگ و بدرید پیراہنش — درخشان شد آن لعل زیبا تنش

برآورد بانگ و غریو و خروش — زمان تا زمان زو ہمی رفت ہوش

فرو برد ناخن دو دیدہ بکند — برآورد بالا در آتش فگند

مر آن زلف چون تاب دادہ کمند — بہ انگشت پیچید و از بن بکند

روان گشت از روی او جوی خون — زمان تا زمان اندر آمد نگون

ہمہ خاک تیرہ بسر بر فگند — بدندان ز بازوی خود گوشت کند

[1] عرب کی مرثیہ گوئی کا مضمون ایک نہایت وسیع مضمون ہے لیکن ہمکو اقتضائے مقام سے نہایت اختصار کرنا پڑا، کتاب العمدہ ابن رشیق نے باب المراثی مین اسپر مفصل بحث کی ہے۔

بسر بر فگند آتش و برفروخت / همه موی مشکین بآتش بسوخت

همی گفت کای جان مادر کنون / کجائی سرشته بخاک و بخون ؟

دو چشمم بره بود گفتم مگر / ز سهراب و رستم بیابم خبر

گمانم چنان بود، گفتم کنون / بگشتی بگرد جهان اندرون

پدر را همی جستی و یافتی / کنون آمدن نیز بشتافتی

چه دانستم ای پور کاید خبر / که رستم بخنجر دریدت جگر

دریغش نیامد ازان روی تو / وزان برز و بالای و بازوی تو

بپرورده بودم تنش را بناز / بر خشنده روز و شبان دراز

کنون آن بخون اندرون غرقه گشت / کفن بر تن پاک او خرقه گشت

کنون من کرا گیرم اندر کنار / که خواهد بدن مر مرا غمگسار

کرا گویم این درد و تیمار خویش / کرا خوانم اکنون بجای تو پیش

پدر جستی ای گرد لشکرپناه / بجای پدر گورت آمد براه

از امید نامید گشتی تو زار / بخفتی بخاک اندرون زار و خوار

ازان پیش کو دشنه را برکشید / جگرگاه سیمین تو بردرید

چرا آن نشانی که مادرت داد / ندادی بدو بر نکردیش یاد

نشان داده بد از پدر مادرت / ز بهر چه نامد همی باورت

کنون مادرت ماند بی تو اسیر / پر از درد و تیمار و رنج و زحیر

چرا نامدم با تو اندر سفر / که گشتی بگردان گیتی سمر

مرا رستم از دور بشناختی / ترا با من ای پور بنواختی

ببندا ختی تیغ آن سر فراز	نکردی جگر گاہت اے پور باز
ہمی گفت ومی خست ومیکند موے	ہمی زد کف دست بر خوبروے
ہمی گفت مادرت بیچارہ گشت	بہ خنجر جگر گاہ تو پارہ گشت

اسی زمانہ کے قریب سلطان محمود کی وفات پر فرخی نے مرثیہ لکھا جو نہایت موثر اور دردانگیز ہے ؎

شہر غزنین نہ ہمان است کہ من دیدم پار	چہ فتاد است؟ کہ امسال دگرگون شد کار
کوہیا بینم، پر شورش و سرتا سر کوے	ہمہ پر جوشن و جوشن در و پرخیل و سوار
فلک امسال دگر بازنیامد ز غزا	دشمنے روے نہاد است درین شہر و دیار
آہ و دردا کہ بیکبارہ تہی بینم ازو	کاخ محمودی و آن خانۂ پر نقش و نگار
سیر می خوردہ مگر دی، و نخفتہ است امروز	دیر تر خاست، مگر رنج رسیدش زخمار
خیز شاہا! کہ رسولان شہان آمدہ اند	ہدیہا دارند آوردہ فراوان و نثار
کہ تواند؟ کہ برانگیزد ازین خواب ترا	خفتنی خفتی، کز خواب نگردی بیدار
خفتن بسیار، اے خسرو! خوے تو نبود	ہیچ کس خفتہ ندیداست ترا زین کردار
یک دمک، بارے ور خانہ بباید نشست	تا بدیدندے روے تو عزیزان و تبار
بہ حصار از فزع و بیم تو رفتند شہان	تو شہا از فزع و بیم کہ رفتی بکنار؟
شعرا را بتو بازار برافروختہ بود	رفتی و با تو بیکبارہ برفت آن بازار

اس دور کے بعد مرثیئے بہت کم لکھے گئے اور جو لکھے گئے وہ صرف رسمی مرثئے تھے، جن سے شاعری کے تمام اقسام پر قادر ہونے کا اظہار مقصود تھا، البتہ شیخ سعدی اور امیر خسرو کے دو مرثئے، بہت مشہور ہین، اور چونکہ دل سے نکلے ہین حسرت خیز اور دردانگیز ہین، لیکن چونکہ اس زمانہ کی عیش و طرب کی مجلسین غزل کے ترانون سے گونج رہی تھین اسلئے ان کا اثر عام نہین ہوا، جب صفویہ اور تیموریہ کا دور آیا تو شاعری نے ایک

دوسرا قالب اختیار کیا، اور سنائی، نظیری، عرفی کی نوآوریون نے پرانی بنیادون مٹا کر نئی عمارتین قائم کین، اس زمانہ مین محتشم کاشی نے عام دستور کے موافق شاہ طہماسپ صفوی کی مدح مین ایک قصیدہ لکھا طہماسپ کو خاندانِ رسالت سے عشقیہ نیازمندی تھی، اس بنا پر اسنے کہا کہ مین اِس بات کو ہرگز پسند نہین کرتا کہ میری مدح مین قصائد لکھے جائین، شعرا کو ائمہ اہل بیت کی شان مین طبع آزمائی کرنی چاہیئے، جسکا اصل صلہ خدا کے دربار سے ملیگا اور دنیوی تمتعات دربارِ شاہی سے حاصل ہونگے، محتشم نے اِس خواہش کے موافق آٹھ دس بندون کا ایک مرثیہ لکھا جو دردوغم کی مجسم تصویر ہے، اور جس کا جواب آج تک نہو سکا اس مرثیہ کے چند بند یہ ہین،

مرثیہ محتشم کاشی

چون خون زحلق تشنہ او بر زمین رسید	جوش از زمین بہ ذروۂ عرش برین رسید
نخلِ بلند او چو خسان بر زمین زدند	طوفان بہ آسمان زغبار زمین رسید
باد آن غبار چون بمزار نبی رساند	گرد از مدینہ بر فلک ہفتمین رسید
کرد این خیال وہم غلط کار۔ کان غبار	تا دامن جلال جہان آفرین رسید

ہست از ملال گرچہ بری ذات ذو الجلال
او در دل است و ہیچ دلے نیست بے ملال

ترسم جزاے قاتل او چون رقم زنند	یکبارہ بر جریدۂ رحمت قلم زنند
ترسم کزین گناہ شفیعان روز حشر	دارند شرم کز گنہ خلق دم زنند
دستِ عتاب حق، بدر آید ز آستین	چون اہل بیت، دست براہل ستم زنند
آہ از دمے کہ باکفن خون چکان زخاک	آل علی چو شعلۂ آتش علم زنند
فریاد ازان زمان کہ جوانانِ اہل بیت	گلگون قدم بہ عرصۂ محشر قدم زنند

از صاحب حرم چہ توقع کنند باز | آن ناکسان کہ تیغ بصید حرم زنند

بس بر سنان کنند سرے را کہ جبرئیل
شوید غبار گیسویش از آب سلسبیل

برحربگاه چون رہ آن کاروان فتاد[۱] | شور نشور واھمہ را در گمان فتاد
ہم بانگ نوحہ، غلغلہ در شش جہت فگند | ہم گریہ بر ملائک ہفت آسمان فتاد
چندان کہ بر تن شہدا چشم کار کرد | بر زخم ہائے کاری تیغ و سنان فتاد
ناگاہ چشم دختر زہرا دران میان | بر پیکر شریف امام زمان فتاد
بے اختیار نعرہ ھذا الحسین از و | سر زد چنانکہ آتش ازو در جہان فتاد

پس با زبان پر گلہ آن بضعۃ البتول
رو در مدینہ کرد کہ یا ایہا الرسول

این کشتہ فتادہ بہ ہاموں حسین تست | وین صید دست و پا زدہ در خون حسین تست
این غرقۂ محیطِ شہادت، کہ روے دشت | از موج خون او شدہ گلگون حسین تست
این خشک لب فتادہ ممنوع از فرات | کز خون او زمین شدہ جیحون حسین تست
این شاہ کم سپاہ کہ با خیل اشک و آہ | خرگاہ ازین جہان زدہ بیرون حسین تست
این قالب طپان کہ چنین ماندہ بر زمین | شاہ شہید ناشدہ مدفون حسین تست

پس روے در بقیع بہ زہرا خطاب کرد
وحش زمین و مرغ ہوا را کباب کرد

کاے مونس شکستہ دلان حال ما ببین | ما را غریب و بیکس و بے آشنا ببین

[۱] ایک بند اس سے پہلے کا چھوڑ دیا گیا ہے جس میں یہ بیان ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد مخالفین اہل حرم کو بے عماری کے اونٹوں پر سوار کرکے شہدا کی لاشوں کے سامنے سے لیگئے۔

تنہا سے کشتگان ہمہ در خاک و خون نگر	سرہا سے سروران ہمہ بر نیزہا ببین
آن سر کہ بود بر سر دوش نبیؐ مدام	یک نیزہ اش ز دوش مخالف جدا ببین
وان تن کہ بود پرورشش، در کنار تو	غلطان بہ خاک معرکۂ کربلا ببین
در خلد بر حجاب دو کون آستین فشان	واندر جہان مصیبت ما بر ملا ببین
نے سے نے دراچو ابر خروشان بکربلا	طغیان سیل فتنہ و موج بلا ببین

یا **بضعۃ البتول** ز ابن زیاد داد * *
کو خاک اہل بیت رسالت بباد داد

محتشم کے مرثیہ کو اگرچہ حد سے بڑھکر حسن قبول حاصل ہوا، اور دربار شاہی سے صلہ اور انعام بھی ملا لیکن تمام ملک مین قصیدہ اور مدح کا رنگ اس قدر چھایا ہوا تھا، کہ عام شعرا پر اس کا چندان اثر نہین پڑا، طالب آملی غزالی۔ میلی۔ سلیم۔ کلیم وغیرہ شعراے متاخرین کے کلام مین اور سب اصناف سخن پاے جاتے ہین۔ لیکن مرثیہ کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ حاجی محمد جان قدسی نے اپنے بیٹے کا جو نوجوان مرگیا تھا، نہایت پر درد مرثیہ لکھا، لیکن نوباوہ رسالت کے غم مین دو شعر بھی نہ لکھے، ظہوری نے البتہ بہت سے مرثیے لکھے، لیکن وہ اپنا دلی جوش نہ تھا، بلکہ ابراہیم عادل شاہ کی خوشامد تھی، چنانچہ اکثر مرثیون کے خاتمہ مین ابراہیم **عادل شاہ** کا نام اس طرح آتا ہے جس طرح قصائد مین تشبیب کے بعد گریز۔

ایک بند کے خاتمہ کا شعر ہے سہ

سر کن ز روے صدق **ظہوری** رہ دعا	از گفتگو، دعاے شہنشاہ مدعا است

خود کہتا ہے کہ مرثیہ سے صرف بادشاہ کی دعا مقصود ہے۔

ایک اور مرثیہ کا خاتمہ ہے سہ

ایام از ان بہ کام حسینؑ و حسنؑ نبود	کان روز شہریار سریر دکن نبود

ایک اور موقع پر فرماتے ہین ؎

روزے کہ سرورِ شہدا بے سپاہ بود	ہنگام کارزار براہیم شاہ بود

اس خوشامد کا کیا ٹھکانا ہے کہ حسین علیہ السلام کی ناکامیابی کی یہ وجہ تھی کہ اس زمانہ مین بادشاہ دکن موجود نہ تھا۔

محتشم کے بعد مقبل نے مرثیہ گوئی کی طرف خاص توجہ کی، اسنے مرثیہ ہی کو شاعری کا موضوع قرار دیا، نہایت کثرت سے مرثیے لکھے، اور بڑا کام یہ کیا کہ کربلا کے تمام واقعات، ابتدا سفر سے لیکر اہل حرم کے قید ہونے، اور رہائی پاکر مدینہ مین آنے تک، سادہ طریقہ پر لیکن تفصیل کے ساتھ، ان مرثیون مین ادا کر دیے، اُس کے مرثیون کو مرثیہ کی بہ نسبت تاریخ کہنا زیادہ موزون ہے، اس غرض کے لئے اس نے ترکیب بند وغیرہ چھوڑکر مثنوی کا طریقہ اختیار کیا، اور مثنوی مین بھی قدیم معمولی بحرین اختیار نہین کین، بلکہ قصائد کی بحر انتخاب کی، تاکہ ہر قسم کے مطالب بھی تفصیل کے ساتھ بیان ہوسکین، اور سوزخوانی کے کام بھی آئین، کیونکہ مثنوی کی مروجہ بحرون مین سوزخوانی کے اُتار چڑھاؤ کی کپت نہین ہوسکتی تھی۔

مقبل کے مرثیون مین اگرچہ وہ زور اور بندش کی چستی نہین ہے، جو اس دور کا خاصہ ہے، لیکن درد اور تاثیر سے خالی نہین، نمونہ کے لئے ہم صرف چند شعر لکھتے ہین ؎

مخدرات بہ عباس در سخن بودند	برائے رفتن او در گریستن بودند
کہ از درون سراپردہ با فغان و خروش	سکینہ آمد و یک مشک خالی بر دوش
دوان بخدمت عمِ بزرگوار آورد	چنان کہ اہل حرم را بزار زار آورد
بگریہ گفت کہ اے عمِ خوش قرینۂ من	رسید جان بلب از تشنگی ز سینۂ من
چہ واقع است کہ رحمے بخلق دوران نیست	چہ شد کہ جرعہ آبے درین بیابان نیست
چو دید حضرت عباس بے قراریِ او	گسیخت بند دلش از فغان و زاریِ او

مقبل کے بعد ایران مین مرثیہ گویون کا ایک خاص گروہ پیدا ہوگیا، اور مرثیہ کے اور بہت سے اقسام پیدا ہوگئے،، مثلاً نوحہ، پیش خوانی وغیرہ،،

ہندوستان مین مرثیہ گوئی کی ابتدار

ہندوستان مین شاعری کی ابتدا ولی سے ہوئی، ولی نے اگرچہ کربلا کے حالات مین ایک خاص مثنوی لکھی لیکن اسکے کلام مین مرثیہ کا پتہ نہین لگتا، یہ معلوم نہین کہ مرثیہ کی ابتدا کس نے کی، لیکن اسقدر یقینی ہے کہ سودا اور میر سے پہلے مرثیہ کا رواج ہو چکا تھا، سودا نے اپنے شہر آشوب مین میان مسکین مرثیہ گو کا ذکر کیا ہے ع

پھر کوئی نہ پوچھے میان مسکین کہان ہے	اسقاطِ حمل ہو تو کہین مرثیہ ایسا

میر تقی صاحب کے دیوان مین اگرچہ کوئی مرثیہ نہین، لیکن مرثیہ انھون نے بھی کہا ہے، اُنکے ایک مرثیہ کا ردّ مرزا سودا نے لکھا ہے، جسکے چند شعر یہ ہین، ع

مصیبت ہے، ماتم ہے غم ہے تعب ہے	دلون پر محبون کے حالت عجب ہے
حسینؑ علیؑ کی شہادت کی شب ہے	غرض کیا کہون کس روش کا غضب ہے
وہ دل دیر ہے جس مین یہ غم نہو گا	کوئی دل نہین جس کو ماتم نہو گا
قیامت مین یہ کچھ نہو گا جواب ہے	یہ دن کچھ قیامت سے بھی کم نہو گا
یہ کشتی فلک کی لہو مین ڈبائے	بجا ہے کہ لوہو کے دریا بہائے
یہ کس منہ سے کہئیے کہ وہ تشنہ لب ہے	شہ تشنہ لب کا کسے غم سنائے

اسوقت تک مرثیے عموماً چومصرع ہوتے تھے، غالباً سب سے پہلے سودا نے مسدس لکھا جو اُن کے دیوان مین موجود ہے، اُردو مین مرثیہ کی وسعت اور ترقی کا یہ پہلا قدم تھا، کیونکہ چومصرع مین اول سے آخر تک ایک خاص قافیہ کی پابندی کی وجہ سے ہر قسم کے مطالب نہین ادا کیے جا سکتے تھے، میر انیس کے اس مصرع سے ع پانچوین پشت ہے شبیرؑ کی مداحی مین، ثابت ہوتا ہے کہ میر ضاحک حسن

سے نے جو میر انیس کے پرداد اور سودا کے معاصر تھے، اور میر حسن اُنکے بیٹے نے بھی مرثیہ لکھا ہے، لیکن ضاحک کا کلام تو سرے سے مفقود ہے میر حسن کا دیوان مدت ہوئی مین نے دیکھا تھا، یاد نہین آتا کہ اس مین مرثیہ بھی ہے یا نہین۔

یہ امر تعجب سے خالی نہین کہ میر تقی، اور مرزا سودا جیسے قادر الکلام نے بھی مرثیہ کو چندان ترقی نہین دی، اور میر ضمیر تک یہ فن گویا ابتدائی ہی حالت مین رہا، چنانچہ سودا کے مسدس کا ایک بند ہم نقل کرتے ہین، جس سے اس زمانہ کی مرثیہ گوئی کا اندازہ ہوگا، ع

کس سے اے چرخ کہون جا کے تری بیدادی	جو ہے دنیا مین سو کہتا ہے مجھے ایذا دی
ہاتھ سے کون نہین آج ترے فریادی	یان تلک پہونچی ہے ملعون تیری بیدادی

کون فرزند علی پر یہ ستم کرتا ہے
کیون مکافات سے اسکے تو نہین ڈرتا ہے

خویش و فرزند و عزیز اسکے تھے جتنے پیارے	دشنہ و تیغ سے ان ظالمون کے سب مارے
اہل بیت اُسکے جو باقی ہین سو ہین آوارے	قید مین کوفیون کے جاتے ہین وہ بیچارے

نہ انھین چین ہے دن کو نہ اُنھین رات آرام
اس مصیبت مین چلے جاتے ہین کربل سے شام

شاید یہ خیال ہو کہ اسوقت تک شعراء مرثیہ کو محض ایک مذہبی فرض سمجھتے تھے اور اس وجہ سے شاعرانہ طبّاعی و زور آوری سے اجتناب کرتے تھے ان کا مقصد صرف رونا رُلانا ہوتا تھا، جس کو شاعری سے تعلق نہین، لیکن یہ خیال صحیح نہین، مرزا سودا، میر تقی کے مرثیہ کی رد کی تمہید مین لکھتے ہین،

"لیکن مشکل ترین دقائق، طریقہ مرثیہ کا معلوم کیا، کہ مضمون واحد کو ہزار رنگ مین ربط معنی دیا، اس کام مین محتشم سا کسو نے عز قبول نہین پایا، پس لازم ہے کہ مرتبہ در نظر رکھ کر مرثیہ کہے نہ کہ برائے گریہ عوام اپنے تئین ماخوذ کرے"

اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ مرزا مرثیہ کو مشکل ترین فنون سمجھتے تھے، اور اس کا مقصد محض گریۂ عوام نہین قرار دیتے تھے،

غرض اس زمانہ مین جو کچھ ترقی ہوئی وہ صرف اسقدر تھی کہ مرثیے چو مصرع سے مسدس ہو گئے، سب سے پہلے جس شخص نے مرثیہ کو موجودہ طرز کا خلعت پہنایا، وہ میر ضمیر، مرزا دبیر کے اُستاد ہین، میر ضمیر کے مرثیے چھپ کر شائع ہو چکے ہین، انہون نے مرثیہ مین جو جدتین پیدا کین حسب ذیل ہین -

میر ضمیر

۱، رزمیہ لکھا،

۲، سراپا ایجاد کیا،

۳، گھوڑے - تلوار اور اسلحۂ جنگ کے الگ الگ اوصاف لکھے، اور یہی مضامین آج موجودہ مرثیون کے مُہمات موضوع ہین -

۴، واقعہ نگاری کی بنیاد ڈالی، چنانچہ ایک ایک جزئی واقعہ کو تفصیل کے ساتھ لکھا -

۵، سب سے بڑھکر یہ کہ کلام مین زور، اور بندش مین چستی اور صفائی پیدا کی، غلط الفاظ جو مرثیون کے لئے گویا جائز مان لئے گئے تھے اکثر ترک کر دئے - اُن کے عمدہ کلام کا اگر انتخاب کیا جائے، تو میر انیس کا کلام معلوم ہوگا

اس سے پہلے مرثیہ سوز کے لہجے مین پڑہے جاتے تھے، اب تحت لفظ کا بھی رواج ہوا اور غالباً پہلا شخص جسنے ممبر پر بیٹھکر تحت لفظ پڑہا میر ضمیر صاحب تھے

نئی تشبیہات - لطیف استعارے - مبالغہ - واقعہ نگاری - مناظر قدرت کی تصویر - غرض میر انیس اور مرزا دبیر کے کلام کے جس قدر محاسن ہین، ضمیر کے ہان سب پائے جاتے ہین - یہ ضرور ہے کہ میر ضمیر کے ہان ان کا رنگ ہلکا تھا، ان دونون صاحبون نے شوخ کر دیا - میر ضمیر کے ہر نمونہ کے چند اشعار ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین -

روزمرہ اور صفائی

جا کے میدان مین کس طرح یہ محبوب لڑے
یہ تو کہیئے کہ غلام آپ کے کچھ خوب لڑے

ایضاً

چاہتا تھا کہ کرون ضبط یہ چُپ رہتا تھا
پوچھو اکبر سے مین ہر بار یہ کیا کہتا تھا

چیر کر فوج کو اس پار سے اُس پار گئے
مین نے خود دیکھا کہ دریا پہ کئی بار گئے

واقعہ نگاری

پانی تو پی نہین حیدر کے نواسے آئے
قریب جاتے ہی ہندہ نے اُنکا تھاما ہات
وہان سے لائے اُٹھا کر تو پھر کہی یہ بات

بولے عباس کہ پیاسے گئے پیاسے آئے
کہا سلام علیک اے ضعیفۂ نیک صفات
سمجھ مین کچھ نہین آتے ہین آپکے حالات

وہ روشنی مین بغور اُنکے مُنہ کو تکتی تھی
اگرچہ قصد تھا۔ پر کچھ وہ نہ کہہ سکتی تھی

کہا یہ ہندہ نے کچھ مین نے تم کو پہچانا
محلہ ہے وہان مشہور آل ہاشم کا

کہین ہے شہر مدینہ مین ظاہرا دیکھا
ہمیشہ آمد و شد تھی غرض مری اُس جا

ضرور دیکھا ہے آل عقیل و جعفر مین
و یا جناب رسالتمآب کے گھر مین

سو اس کلام سے مطلب ہے یہ خدا ہے گواہ
خصوص زینبؑ و کلثومؑ سے بھی ہو آگاہ

جناب فاطمہؑ کے گھر مین ہے تھین کچھ راہ
ہین دونون بی بیان شہزادیان مری واللہ

وہ سب تو ایک طرف پر امام اچھے ہین
کہو حسین علیہ السلام اچھے ہین

تشبیہ

پنہان زرہ مین ہوتی تھی اسطرح سے سنان
اس نیزۂ سیاہ سے تھا سب کو یہ گمان

بجلی چمک کے ہوتی ہے جون ابر مین نہان
تھا اژدہا کے موسئے عمران کی وہ زبان

نیزہ کی یہی تشبیہ ہے جسکو میر انیس صاحب نے زیادہ لطیف، اور صاف کردیا ہے چنانچہ کہتے ہین ع گویا زبان نکالی ہوئی اژدہا چلا،
میر انیس نے اسی طرح دو نیزون کے باہم مکرانیکا مضمون پیدا کیا اور اس لطف کو دوبالا کردیا ع دو سانپ گتھ گئے تھے زبانین نکال کے،

حسن تعلیل

تھا دیدۂ حیران، ہر اک زخم بدن مین

انگشت تاسف تھی زبان سبکے دہن مین

میر ضمیر

مبالغہ

گھوڑا وہ تیزرو ہے کہ ناگاہ ایک بار

اتنا کہا تھا وہم نے ہان چل تو ایک بار

دونون نے ہم عنانی وسعت کی اختیار — آخر کہان وہ اور کہان وہم ہرزہ کار

کچھ کچھ تو ساتھ ساتھ رہ وہ مقدور بھر گیا
پھر یہ خبر نہین کہ کہان تھا کدھر گیا

اسی زمانہ مین میر خلیق صاحب نے مرثیہ کے فن کو بہت ترقی دی، میر انیس صاحب اُن کے بیٹے جا بجا اپنے مرثیون مین اُنکی فصاحت اور روزمرہ کا ذکر کرتے ہین ایک بند مین اپنے روزمرہ پر ناز کرتے ہین، اور کہتے ہین ع حقا کہ یہ خلیق کی ہے سربسر زبان، میر خلیق کے ایک سلام کا مطلع و مقطع مشہور ہے ؎

مجرائی طبع کند ہے لطف بیان گیا — دندان گئے کہ جوہر تیغ زبان گیا
گذری بہار عمر، خلیق اب کہین گے سب — باغ جہان سے بلبل ہندوستان گیا

ان اشعار سے قیاس ہوتا ہے کہ میر خلیق نے میر ضمیر سے کچھ کم اس فن پر احسان نہین کیا ہوگا، لیکن افسوس ہے کہ اُن کا کلام نہین ملتا، میر نواب صاحب نامی ایک بزرگ نے جو میر خلیق کے بہ یک واسطہ شاگرد تھے، ۱۲۹۷ھ مین بمقام گلبرگہ، حیدرآباد دکن، ایک مجموعہ چھاپا تھا، جس مین میر خلیق - مونس - اور انیس کے چند مرثیے جمع کیے تھے، اس مین میر خلیق کے متعدد مرثیے ہین - لیکن اکثر وہ ہین، جو آج میر انیس کے نام سے مشہور ہین اور جو میر انیس کے چھپے ہوے مرثیون مین شامل ہین، بعض ایسے ہین جو مطبوعہ مرثیون مین شامل نہین، لیکن زبان، اور طرز ادا سے قیاس ہوتا ہے، کہ میر انیس ہی کے نتائج فکر ہین، اور اگر وہ واقعی میر خلیق کا کلام ہے، تو بیٹے کو باپ پر ترجیح کی کوئی وجہ نہین -

چند نمونے ملاحظہ ہون ؎

مرتا ہے باپ، اے علی اکبر ابھی نہ جا — دل مانتا نہین مرے دلبر ابھی نہ جا
اے لال اسوے نیزہ و خنجر ابھی نہ جا — ہے ہے بجا شبیہ پیمبر ابھی نہ جا

مضطر ہون چین آے یہ آتا نہین مجھے

روونے مین منہ ترا نظر آتا نہین مجھے

ماتھے کو چومتے تھے کبھی، اور دہن کبھی
روتے تھے لیکے بوسۂ سیب ذقن کبھی
تکتے تھے سوے زلفِ شکن در شکن کبھی
یوسف کا اپنے سونگھتے تھے پیرہن کبھی

ملتے تھے خشک ہونٹھ لب گلعذار سے
سینہ پہ رکھتے تھے کبھی مُنہ اپنا پیار سے

نوجون کا ہجوم

پیاسے پہ مثل ابر اُمنڈ آئے دل کے دل
چلون مین تیر رکھکے بڑہے روم و رے کے یل
شعلے صفت چمکنے لگے برچھیون کے پھل
تیغین اُبل ہوئین جو تہین، ہٹ گئی اجل

دن کو سیاہیِ شبِ ظلمات ہوگئی
کھولے نشان شامیون نے، رات ہوگئی

تلوار

موجین زرہ، حباب ہین سر اسکے سامنے
رکھتی ہے کیا بساط سپر اس کے سامنے
شق ہین بہادرون کے جگر اسکے سامنے
تھکے ہین جبرئیل کے پَر اس کے سامنے

مارین کمر کا ہاتھ اگر پاؤن گاڑ کے
دو ٹکڑے آسیا کی طرح ہون پہاڑ کے

فوج کی بدحواسی

حیران تھے کب حسام سے کاٹھی جدا ہوئی
ترکش مین ڈہونڈتے تھے کہ تلوار کیا ہوئی

میرانیس

میر انیس تقریباً ۱۲۱۸ھ مین پیدا ہوئے، انہون نے مرثیہ کو جو ترقی دی، اسکی تفصیل آگے آئیگی۔ یہان جو باتین کہنے کے قابل ہین، یہ ہین۔

۱، میر انیس کا خاندان دِلی کا خاندان تھا، اگرچہ اُنکے پردادا میر ضاحک، دِلّی سے چلے آئے تھے، اور فیض آباد مین سکونت اختیار کرلی تھی، تاہم دہلی کی جو خصوصیات تھین وہ اخیر تک اس خاندان مین قائم رہین، میر انیس اکثر موقعون پر ناز کے لہجہ مین کہتے تھے، "صاحبو، ارباب لکھنو اس طرح نہین بولتے، یہ میرے گھر کی زبان ہے"

اسی بنا پر جا بجا جگہ کو "جا گہ" لکھا ہے، اور یہ صرف تحریری زبان نہین، وہ یون ہی بولتے بھی تھے، مین نے اپنے معزز دوستون سے، جو میر صاحب کی صحبتون مین، اکثر شریک رہا کئے ہین، سُنا ہے کہ جب کبھی اُن کی مجلس مین لوگ صفتِ نعال مین اگر بیٹھ جاتے تھے، تو فرماتے تھے، صاجو! جا گہ ادہر ہے"، افعال کو فاعل کی مطابقت سے جمع لکھنا بھی دہلی ہی کا اثر ہے مثلاً ع جلدی مین گو جوانون نے چوٹین بچائیان

۲، میر صاحب نے شاعری میراث مین پائی تھی، اُنکے مرثیہ کے جو خاص جوہر ہین وہ میراث ہی کی یادگار ہین، اُن کے دادا میر حسن گو غزل بھی کہتے تھے لیکن جس چیز نے اُن کو عالم شہرت کا تاجدار بنایا، وہ اُن کی مثنوی بدر مُنیر ہے" اس مثنوی کا خاص وصف، واقعات، اور کیفیات کا سین دکھانا ہے۔ وہ جس واقعہ یا حالت کو لکھتے ہین اسکا سمان باندہ دیتے ہین۔

میر انیس کے مرثیون مین واقعات، اور کیفیات کی تصویر کھینچ دینے کی جو خصوصیت ہے، دادا کی میراث ہے۔ البتہ یہ فرق ہے، کہ میر حسن، واقعہ نگاری کی وسعت مین ابتذال، اور عامیانہ بول چال کی پروا نہین کرتے میر انیس نے واقعہ نگاری اور مُصوّری کے ساتھ، بندش کی چستی، اور خواص کی طرز گفتگو کی خصوصیت بھی قائم رکھی اور یہ قادر الکلامی کی انتہا ہے۔

۳، میر حسن صاحب غزل گوئی مین اگرچہ سودا اور میر درد کے شاگرد تھے، لیکن سودا کا پرتو اُن پر نہین پڑا صرف میر درد کا رنگ ہے، یعنی روزمرہ، صفائی، گھلاوٹ، اور درد، یہی باتین میر انیس صاحب کے ان بھی ہین، جو لوگ کہتے ہین، کہ میر انیس صرف بین لکھنا جانتے ہین، اس جھوٹ مین سچ بھی ہے، یعنی بین رزم سے بہتر لکھتے ہین، یہ وہی خصوصیت ہے جو دادا سے ترکہ مین ملی ہے۔

۴، میر انیس کی شاعری کے متعلق یہ مسئلہ نہایت مہتم بالشان مسئلہ ہے کہ مرزا دبیر کی رقابت، اور مقابلہ نے اُن کے کلام پر کیا اثر پیدا کئے، اگر یہ پتہ لگ سکتا، کہ دونون حریفون مین سے، اول کس نے میدان شاعری مین قدم رکھا اور خاص خاص مرثیے، بلکہ خاص خاص بند جو دونون کے ہان قریب المعنی پائے جاتے ہین،

اول کس نے کہے، توشاعری کی تاریخ کے بہت سے دقیق نکتے حل ہوجاتے، لیکن افسوس ہے کہ باوجود بہت سی جد وجہد کے اس بارہ مین مجھکو کچھ کامیابی نہین ہوئی -

دونون حریفون کے مرثیون کو دیکھو، توصاف نظر آتا ہے، کہ ایک نے دوسرے کے کلام کو سامنے رکھکر لکھا ہے، لیکن زمانہ کے تقدیم وتاخیر کے نہ معلوم ہونے سے یہ نہین متعین ہوتا کہ ایجاد کا فخر کس کو ہے، اور کس نے کس سے کیا اثر لیا ہے، میرانیس جابجا فخریہ شعرون مین اس بات کا اشارہ کرتے ہین کہ اُن کے حریف اُنکے کلام سے فائدہ اُٹھاتے ہین، مثلاً، ؎

لگا رہا ہون مضامین نو کے پھر انبار	خبر کرو میرے خرمن کے خوشہ چینون کو
نواسنجیون نے تری اے انیس	ہراک زاغ کو خوش بیان کردیا
ملتی نہین دزد ان معانی سے نجات	سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

ان چوٹون کو سُنکر مرزا دبیر صاحب برابرکا جواب نہین دیتے، یعنی یہ نہین کہتے کہ مین نہین، میرا حریف سرقہ کرتا ہے، بلکہ صرف تبرّی کرتے ہین کہ مین اس جرم کا مرتکب نہین، چنانچہ فرماتے ہین ؎

شکر خدا کہ سرقہ کی حد سے بعید ہون	ہر مرثیہ مین موجدِ طرزِ جدید ہون
ہے استفادہ مجھکو احادیث وسیر سے	یعنی بری ہون سرقہ مضمون غیر سے

اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے، میرانیس، میرزا صاحب کے مقابلہ کا قصد نہین کرتے تھے، اور اُنکے مرثیون کا جواب لکھنا نہین چاہتے تھے ورنہ میرزا صاحب ضرور اسکا اشارہ کرتے۔ اسکے ساتھ جب بعض مرثیون سے صاف ثابت ہے، کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلہ پر لکھے گئے ہین، توخواہ مخواہ ماننا پڑتا ہے کہ مقابلہ، اور ہم طرحی ومسابقت کی کوشش، میرزا صاحب ہی کی طرف سے ہوتی تھی، میرانیس نے اسی کی طرف ایک موقع پر اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہین ؎

بھلا تردد بیجا سے اس مین کیا حاصل	اُٹھا چکے ہین زمیندار جن زمینون کو

جن مرثیون یا اشعار یا مضامین مین تقابل یا توارد ہے انکی تفصیل آگے آئیگی، اور وہان اس تمہیدی بحث کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۵۔ میر انیس کا جو کلام موجود ہے ۵ جلدون مین شائع ہوا ہے، لیکن میر صاحب کے متوسلین کا خاص دعویٰ ہے، کہ ان مرثیون مین بہت کچھ تحریف، اور خلط ہوا ہے۔ مولوی عبد الغفور نساخ نے ایک رسالہ مرزا دبیر اور میر انیس کے اغلاط کے متعلق لکھا تھا، اس کا جواب میرزا محمد رضا متخلص بہ معجز، شاگرد ناسخ نے لکھا جس کا نام تطہیر الاوساخ ہے، اور جو ۱۲۹۶ھ مین شعلہ طور کانپور مین چھپا تھا، اس کے دیباچہ مین میرزا رضا صاحب لکھتے ہین۔

"ثانیاً یہ بات بھی کالنار علی العلم ہے کہ اکثر تلامذہ میر صاحب و مرزا دبیر صاحب نے بہ لحاظ اپنے پڑہنے کے اکثر تصرفات بہ تغیر و تبدل الفاظ و مصرعہ و بند کے کیے ہین، بہ نظر اختصار کسی مرثیہ کے کچھ بند نکال ڈالے، اور کہین درمیان مرثیہ مین کوئی مطلع یا بند ایجاد کر کے الحاق کیا تاکہ وہین سے پڑہنا شروع کرین کہین بغرض بکا وابکا، مضامین مُبکیہ موزون کر کے شامل مرثیہ کیے، کہین الفاظ مین موافق اپنے فہم و سلیقہ کے کمی و بیشی کی، یا مشتاقین نے جو مرثیہ جدید زبان سے ان صاحبون کی مجلس مین سنا خفیہ تحریر کیا، اور جو الفاظ یا مصرع بہ سبب عجلت تحریر یا عدم سماعت کے رہ گئے، اُس کی تکمیل بطور خود کی، اس باعث سے کہ نقل مرثیہ جدید و تصنیف کا دستیاب ہونا شاعرین سے غیر ممکن تھا، پس جو کچھ کہ مرثیہ اُن کے تلامذہ کے پاس ہین، اُن مین اکثر کا لاصل نہین ہین تغیر و تبدل و اضافہ و نقصان اُن مین بہت ہے، اور انہین مرثیون کی نقل وہ مرثئے ہین، جو مطبوع ہوئے ہین پس مراثی مطبوعہ من قبیل بنا الفاسد علی الفاسد ہین"۔

اس بنا پر میرزا رضا صاحب نے میر نفیس صاحب سے جو میر انیس کے فرزند رشید تھے مطبوعہ مرثیون کی تصیح کی جس کا نتیجہ حسب ذیل ہے۔

یہ مرثیہ ع اے تیغ زبان جوہر تقریر دکھا دے، اس مصرعہ تک، ملنے لگے آنکھین قدم سرور دین پر،

میر صاحب کا کلام ہے، باقی ۵۴ا سے لیکر ۵۵ا تک، اور مقطع کے دو اول مصرعے سب الحاقی ہین -

یہ مرثیہ ع دشتِ وغا مین نور خدا کا ظہور ہے، ستر بند تک یعنی اس ٹیپ تک مصرع

چھاتی کے پار نیزہ کی نوکین نکل گئین، میر صاحب کا کلام ہے، باقی الحاقی ہے، یہ شعر

"پیٹون گلے سے مین پدر ناتوان کے		سینہ سے تو سرک تو میرے بابا جان کے"	

الحاقی ہے -

میرزا رضا صاحب نے اور بہت سے اعتراضات کے جواب مین جو خاص خاص الفاظ یا تراکیب پر تھے

اُن الفاظ اور تراکیب سے انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ اصل مرثیہ مین یون نہین، یون ہے - چونکہ اس قسم کے

الفاظ نہایت کثرت سے تھے، اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہین - ناظرین چاہین تو اصل رسالہ کو ملاحظہ فرمائین

ہم کو اس سے انکار نہین کہ مطبوعہ مرثیے نہایت غلط چھپے ہین، لیکن میرزا رضا صاحب نے تو یہ

غضب کیا ہے کہ جہان کوئی لفظ محاورۂ حال کے خلاف نظر آیا، اس کے وجود سے انکار کر دیا، حالانکہ یہ تعمیم

صحیح نہین - میر انیس نے بہتر برس کی عمر پائی، اُنکی ابتدا مشق مین، قدیم محاورے اور غلط الفاظ نہایت کثرت سے

متداول تھے، اور شعرا بے تکلف ان کو استعمال کرتے تھے، شیخ ناسخ نے البتہ اس قسم کے تمام الفاظ کو ترک

کر دیا تھا، لیکن جو لوگ اپنے تئین، دلّی کی طرف منسوب کرتے تھے، وہ ان الفاظ اور محاورات کو وطن کی یادگار

سمجھتے تھے، چنانچہ غالب و ذوق جو خاتم الشعرا ہین ان کے ہان وہ الفاظ بے تکلف ملتے ہین، جن کو شیخ ناسخ

مدتون سے چھوڑ چکے تھے مثلاً میرزا غالب فرماتے ہین -

ع کشاکش مصلحت ہے ہون کہ خوبان تجھپہ عاشق ہین -

حالانکہ اس قسم کی جمع، ایک مدت سے متروک ہے، اس قسم کے الفاظ میر انیس کے ہان بھی ہین، اور کثرت سے

ہین، لیکن وہ ابتدائی مشق کے ہین، ورنہ شیخ ناسخ کے اثر، یا خود مذاق کے بدلنے سے، جس قدر زمانہ گذرتا گیا،

میر صاحب، قدیم مخصوص الفاظ اور تراکیب چھوڑتے گئے -

میر انیس کی شاعری کی خصوصیات

اب ہم تفصیل کے ساتھ میر صاحب کی شاعری کی خصوصیات بیان کرتے ہین -

فصاحت - علماے ادب نے فصاحت کی یہ تعریف کی ہے کہ لفظ مین جو حروف آئین، اُن مین تنافر نہو، الفاظ نا مانوس نہون، قواعد صرفی کے خلاف نہو،،

فصاحت

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ درحقیقت ایک قسم کی آواز ہے، اور چونکہ آوازین بعض شیرین، دلاویز، اور لطیف ہوتی ہین مثلاً طوطے و بلبل کی آواز اور بعض مکروہ و ناگوار مثلاً کوّے اور گدھے کی آواز، اس بنا پر الفاظ بھی دو قسم کے ہوتے ہین بعض شستہ، سُبک، شیرین اور بعض ثقیل بھدے، ناگوار، پہلی قسم کے الفاظ کو فصیح کہتے ہین، اور دوسرے کو غیر فصیح، بعض الفاظ ایسے ہوتے ہین کہ فی نفسہٖ ثقیل اور مکروہ نہین ہوتے لیکن تحریر و تقریر مین اُن کا استعمال نہین ہوا ہے یا بہت کم ہوا ہے، اس قسم کے الفاظ بھی جب ابتدائً استعمال کیے جاتے ہین تو کانون کو ناگوار معلوم ہوتے ہین، اُن کو فن بلاغت کی اصطلاح مین **غریب** کہتے ہین، اور اس قسم کے الفاظ بھی فصاحت مین خلل انداز خیال کیے جاتے ہین -

میر انیس کے کمال شاعری کا بڑا جوہر یہ ہے کہ باوجود اسکے کہ انھون نے اُردو شعرا مین سے سب سے زیادہ الفاظ استعمال کیے اور سیکڑون مختلف واقعات، بیان کرنے کی وجہ سے، ہر قسم اور ہر درجہ کے الفاظ اُنکو استعمال کرنے پڑے، تاہم ان کے تمام کلام مین غیر فصیح الفاظ نہایت کم پاے جاتے ہین - اکثر جگہہ عربی، فارسی کے الفاظ جو اُردو زبان مین کم مستعمل ہین، ضرورت سے لانے پڑے ہین لیکن اس قسم کے الفاظ جہان آے ہین، فارسی ترکیبون کے ساتھہ آئے ہین جس سے ان کی غرابت کم ہوگئی ہے، ورنہ اگر اُردو کی خاص ترکیب مین اُن الفاظ کا استعمال کیا جاتا تو بالکل خلاف فصاحت ہوتا - مثلاً انگشتری، خاتم، رُخ، بادہ، تنا، حسن، اور اس

قسم کے سیکڑون ہزارون الفاظ ہین، جو بجاے خود فصیح ہین لیکن ٹھیٹ اُردو مین ان کا استعمال نہین ہوتا - میر ضمیر
ایک موقع پر کہتے ہین ع ذُرّیت رسول کی خاطر جلائی نار نار کا لفظ اس موقع پر نہایت نامانوس اور بیگانہ ہے،
لیکن یہی لفظ جب فارسی ترکیبون کے ساتھہ اُردو مین مستعمل ہوتا ہے مثلاً نار دوزخ، نار جہنم، تو وہ غرابت نہین رہتی -

فصاحت کے مدارج مین اختلاف ہے، بعض الفاظ فصیح ہین، بعض فصیح تر، بعض اُس سے بھی فصیح تر،
میر انیس صاحب کے کلام کا بڑا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہر موقع پر فصیح سے فصیح الفاظ ڈہونڈہ کر لاتے ہین - میرزا دبیر
اور میر انیس کے ہم مضمون اشعار لو، اگر میرزا صاحب کے ہان غریب اور ثقیل الفاظ ہونگے تو اُنکے مقابلہ مین میر صاحب
کے ہان فصیح الفاظ ہونگے اور اگر میرزا صاحب کے ہان فصیح الفاظ ہونگے تو میر صاحب کے ہان فصیح تر ہونگے
میرزا دبیر کی تخصیص نہین، تمام مرثیہ گویون کے مقابلہ مین میر انیس کے کلام کا یہی حال ہے
ہم مثال کے طور پر دو چار شعر نقل کرتے ہین - جن سے فصاحت اور فصاحت کے اختلاف مراتب کا اندازہ ہوسکے گا

میرزا دبیر	ع	کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع وسجود مین
میر انیس	ع	سائل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز مین
میرزا دبیر	ع	آنکھون مین پھرے اور نہ مردم کو خبر ہو
میر انیس	ع	آنکھون مین یون پھرے کہ مژہ کو خبر نہو
میرزا دبیر	ع	رویا مین بھی حسین ع کو رویا ہی کرتے ہین
میر انیس	ع	حسرت ہے کہ خواب مین بھی رویا کیجے
میرزا دبیر	ع	جیسے مکان سے زلزلہ مین صاحب مکان
میر انیس	ع	جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

ابتذال

فصاحت کے متعلق ایک بڑا دھوکا یہ ہوتا ہے کہ چونکہ فصاحت کے یہ معنی ہین کہ لفظ سادہ، آسان،
کثیر الاستعمال ہو، اسلئے لوگ مبتذل اور سوقی الفاظ کو بھی فصیح سمجھ لیتے ہین، حالانکہ ان دونون مین سفید و سیاہ کا فرق

ہے، میرزا دبیر صاحب جہان واقعہ نگاری اور معاملہ بندی مین میر انیس کی تقلید کرتے ہین، اکثر اُن کے کلام مین مبتذل الفاظ آجاتے ہین۔

مثلاً جہان حضرت شہر بانو نے حضرت عباس کی لاش پر نوحہ کیا ہے، شہر بانو کی زبان سے فرماتے ہین ع ہے ہے میرے دیو میرے دیور میرے دیور۔ ایک اور جگہ فرماتے ہین ع نارہ تو انکی سالگرہ کا نکال لا

ابتذال کی صاف اور بیّن مثال، نظیر اکبر آبادی کا کلام ہے اگر یہ ممیز نہوتا تو سادگی اور صفائی مین نظیر کا کلام میر انیس یا میر تقی سے ٹکر کھاتا۔

ابتذال کے معنی عام طور پر یہ سمجھے جاتے ہین کہ جو الفاظ عام لوگ استعمال کرتے ہین وہ مبتذل ہین۔ لیکن یہ صحیح نہین، سیکڑون الفاظ عوام کے مخصوص الفاظ ہین لیکن سب مین ابتذال نہین پایا جاتا، ابتذال کا معیار مذاق صحیح کے سوا اور کوئی چیز نہین، مذاق صحیح خود بتا دیتا ہے کہ یہ لفظ مبتذل، پست اور سوقیانہ ہے۔

میر صاحب کو اگرچہ واقعہ نگاری کی وجہ سے نہایت چھوٹی چھوٹی چیزون اور ہر قسم کی جزئی جزئی واقعات اور حالات کو بیان کرنا پڑتا ہے، لیکن یہ اُنکی انتہا درجہ کی قادر الکلامی ہے کہ پھر بھی اُن کی شاعری کے دامن پر ابتذال کا دھبّہ نہین آنے پاتا۔

ہر قسم کی جزئی و واقعات نگاری

کلام کی فصاحت یہ بحث مفرد الفاظ سے، متعلق تھی، لیکن کلام کی فصاحت مین صرف لفظ کا فصیح ہونا کافی نہین، بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ جن الفاظ کے ساتھ وہ ترکیب مین آئے اُن کی ساخت ہیئت، نشست، سبکی اور گرانی کے ساتھ اُس کو خاص تناسب اور توازن ہو، ورنہ فصاحت قائم نہ رہیگی۔ قرآن مجید مین ہے، ما کذب الفواد ما رأی۔ فواد اور قلب دو ہم معنی الفاظ ہین، اور دونون فصیح ہین، لیکن اگر اس آیت مین فواد کے بجاے قلب کا لفظ آئے تو خود یہی لفظ غیر فصیح ہو جائیگا جس کی وجہ یہ ہے کہ گو قلب کا لفظ بجاے خود فصیح ہے لیکن ماقبل اور مابعد کے جو الفاظ ہین اُنکی آواز کا تناسب، قلب کے لفظ کے ساتھ نہین ہے۔

میر انیس کا مصرعہ ہے ع فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جانور۔ صحرا اور جنگل ہم معنی ہین اور دونون فصیح ہین،

میرانیس نے جابجا ان دونوں لفظوں کو استعمال کیا ہے اور ہم معنی ہونے کی حیثیت سے کیا ہے، لیکن اگر اس مصرعہ مین صحرا کے بجاے جنگل کا لفظ استعمال کیا جائے تو یہی لفظ غیر فصیح ہوجاے گا میر صاحب کا ایک شعر ہے ؎

طائر ہوا مین مست، ہرن سبزہ زار مین	جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار مین

یہان جنگل کے بجاے صحرا لاؤ تو مصرعہ کا مصرعہ پھس پھسا ہوجاتا ہے۔

شبنم اور اوس ہم معنی ہین اور برابر درجہ کے فصیح ہین۔ لیکن میر صاحب کے اس شعر مین ؎

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا	تھا موتیون سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

اگر اوس کے بجاے شبنم کا لفظ لایا جاوے تو فصاحت خاک مین مل جائیگی، لیکن یہی اوس کا لفظ جو اس موقع پر اس قدر فصیح ہے اس مصرعہ مین ع شبنم نے بھر دئے تھے کٹورے گلاب کے۔

شبنم کے بجاے اوس لاؤ تو فصاحت بالکل ہوا ہوجائیگی۔

اس مین نکتہ یہ ہے کہ ہر لفظ چونکہ ایک قسم کا سُر ہے اسلئے یہ ضرور ہے کہ جن الفاظ کے سلسلہ مین وہ ترکیب دیا جاے، اُن آوازون سے اُسکو خاص تناسب بھی ہو ورنہ گویا دو مخالف سُرون کو ترکیب دینا ہوگا، نغمہ اور راگ مفرد آوازون یا سُرون کا نام ہے، ہر سُر بجاے خود دلکش اور دلاویز ہے، لیکن اگر دو مخالف سرون کو باہم ترکیب دیدیا جائے تو دونون مکروہ ہوجائینگے۔

راگ کے دلکش اور موثر ہونیکا گر یہی ہے کہ جن سُرون سے اسکی ترکیب ہو اُن مین نہایت تناسب اور توازن ہو۔ الفاظ بھی چونکہ ایک قسم کی صوت اور سُر ہین اس لئے اُن کی لطافت، شیرینی اور روانی، اُسی وقت تک قائم رہتی ہے جب گرد و پیش کے الفاظ بھی سلک مین اُنکے مناسب ہون۔

میرزا دبیر صاحب کا مشہور مصرعہ ہے، ع زیر قدمِ والدہ فردوس برین ہے۔ اس مین جتنے الفاظ ہین یعنی زیر۔ قدم۔ والدہ۔ فردوس۔ برین۔ سب بجاے خود فصیح ہین، لیکن اُنکے باہم ترکیب دینے سے، جو مصرعہ

پیدا ہوا ہے وہ اس قدر بھدا اور گران ہے کہ زبان اسکا تحمل نہین کرسکتی، شاید تم کو خیال ہو کہ مصرعہ کی ترکیب چونکہ فارسی ہوگئی ہے، اس لئے ثقل پیدا ہوگیا ہے لیکن یہ صحیح نہین، سیکڑون شعرون مین اس قسم کی فارسی ترکیبین ہین، لیکن یہ ثقل نہین پایا جاتا - مثلاً میر انیس صاحب کہتے ہین ؎

مین ہون سردار شباب چمنِ خلد برین	مین ہون خالق کی قسم دوشِ محمد کا مکین

پہلے مصرعہ مین فارسی ترکیب کے علاوہ توالیِ اضافات بھی موجود ہے، لیکن یہ بھدا پن اور ثقل نہین ہے جب کسی مصرعہ یا شعر کے تمام الفاظ مین ایک خاص قسم کا تناسب، توازن اور توافق پایا جاتا ہے، اس کے ساتھ وہ تمام الفاظ بجاے خود بھی فصیح ہوتے ہین تو وہ پورا مصرعہ یا شعر فصیح کہا جاتا ہے، اور یہی چیز ہے جسکو بندش کی صفائی، نشست کی خوبی، ترکیب کی دلآویزی، برجستگی، سلاست اور روانی سے تعبیر کرتے ہین - یہی چیز ہے جسکی نسبت خواجہ حافظ فرماتے ہین ؎

آن را کہ خوانی اُستاد گر بنگری بتحقیق	صنعت گر است اما شعر روان نہ دارد

الفاظ کے توازن و تناسب سے کلام مین جو فرق پیدا ہوجاتا ہے وہ ایک خاص مثال مین آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے - میر انیس حضرت علی اکبر کے اذان دینے کی تعریف ایک موقع پر اس طرح کرتے ہین ع

تھا بلبلِ حق گو کہ چہکتا تھا چمن مین

اسی مضمون کو میر صاحب دوسرے موقع پر اسطرح ادا کرتے ہین ع

بلبل چہک رہا تھا ریاض رسول مین

وہی مضمون ہے وہی الفاظ ہین، لیکن ترکیب کی ساخت نے دونون شعرون مین کس قدر فرق پیدا کردیا ہے -

میر انیس کا تمام کلام اس خوبی سے معمور ہے اور اُن کا ہر شعر اس وصف کا مصداق ہے نمونہ کے طور

پر ہم چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین ؎

تعریف مین چشمہ کو سمندر سے ملا دون
قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون

ذرے کی چمک مہر منور سے ملا دون
کانٹون کو نزاکت مین گل تر سے ملا دون

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھون
اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھون

ولہ

برہم ہوئے یہ سنتے ہی عباسؑ خوشخصال
غازی کو شیر حق کی طرح آگیا جلال

قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا علیؑ کا لال
اب یان سے ہمکو کوئی ہٹا دے، یہ کیا مجال

حملہ کرین چڑھا کے اگر آستین کو
ہم آسمان سمیت، اُلٹ دین زمین کو

تھا فوج قاہرہ مین تلاطم کہ الحذر
تھین موج کی طرح سب اُدھر کی صفین اِدھر

چکر مین تھی سپاہ کہ گردش مین تھا بھنور
پانی مین تھے نہنگ، اُبھرتے نہ تھے مگر

فوجین فقط نہ بھاگی تھین مُنہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے

چھایا تھا سب پہ رعب علمدار نوجوان
تسلیم کو جُھکے ہوئے تھے فوج کے نشان

گوشہ امان کا ڈھونڈ رہی تھی ہر اک کمان
ترکش بھی تھے ہراس سے کھولے ہوئے زبان

تیرون کا بیگمان تھا ارادہ گریز کا
مُنہ کُند ہو گیا تھا ہر اک تیغ تیز کا

آگے چل کر کہتے ہین ؎

تب شمر نے کہا کہ فصاحت سے کیا حصول
بیعت اُنھین تو صلح ہمین بھی نہین قبول

غازی پکارا اُو نجس و مرتد و مجہول * لیجو نہ مُنہ سے نام جگر گوشۂ رسولؐ

سمجھا ہے کیا امام عراق و حجاز کو
گُدّی سے کھینچ لون گا زبانِ دراز کو

تو کیا ہے اور کیا ہے ترا وہ امیرِ شام
کرتے ہین بادشاہ کہین بیعتِ غلام
تو بھی نمک حرام ہے وہ بھی نمک حرام
او بے ادب یزید کجا! اور کجا امام!!

دوزخ سے دور رہتے ہین ساکن بہشت کے
کعبہ کبھی جھکا نہین آگے کنشت کے

ولہ

ماتم اِدہر تھا جشن مین تھے اہلِ شر اُدھر
بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر اُدہر
انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر اُدھر
روتے تھے دیکھہ دیکھہ کے حضرت اِدہر اُدہر

غل تھا کہ بس حسینؑ بہت روے بھائی کو
کوئی جوان ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

باقی نہین کوئی تو وغا کو خود آئیے
حیدر کی ذو الفقار کے جوہر دکھائیے
زخمِ سنان و خنجر و شمشیر کھائیے
گرمی بڑی ہے آج لہو مین نہائیے

آمادہ ہم تو دیر سے بہر ستیز ہین
تیغین بھی ہین اُپی ہوئی خنجر بھی تیز ہین

صابر بڑے ہین آپ تو یا شاہِ انس و جان
اک بھائی کے فراق مین یہ نالہ و فغان
رونے سے جی اُٹھین گے نہ عباسؑ نوجوان
حضرت پکارتے ہین کسے بھائی اب کہان

ملتا ہے کب جہان مین بھلا جو گذر گیا
اب فکر اپنی کیجیے وہ شیر مر گیا

اکبر نے کی غضب کی نظر سوئے فوجِ شام		کانپے یہ غیظ سے کہ اُگلنے لگی حسام	
کی عرض بات جوڑ کے اے قبلۂ انام		سنتے ہین آپ لشکرِ اعدا کے یہ کلام	

خون اب تو جوش کھاتا ہے ہنگامِ جنگ ہے،
مولا بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے

برچھا ادھر شقی نے لیا دیکھ بھال کے	ولہ	اکبر اُدھر سنبھل گئے بھالا سنبھال کے
روکے کسے جواب کسے دے کہ ہر پھرے	ولہ	بجلی کے ساتھ ساتھ کہان تک سپر پھرے
سب نشۂ غرورِ جوانی اُتر گیا	ولہ	تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

کلام کی اصلی ترتیب کا قائم رہنا

کلام کی اصلی ترتیب کا قائم رہنا - ترکیب الفاظ کے لحاظ سے شعر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ کلام کے اجزا کی جو اصلی ترتیب ہے وہ بحال خود قائم رہے، مثلاً فاعل، مفعول، مبتدا، خبر، متعلقاتِ فعل، جس ترتیب سے کے ساتھ ہر وقت بول چال مین آتے ہین، یہی ترتیب شعر مین بھی قائم رہے - اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ شعر مین اس ترتیب کا بعینہ قائم رہنا قریب قریب ناممکن ہے صرف ایک آدہ شعر یا بہت سے بہت شعر دو شعر مین اتفاقیہ یہ بات پیدا ہوجاتی ہے مثلاً سعدی کے یہ اشعار ع

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری	کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم	ولیکن مدتے باگل نشستم +
جمالِ ہمنشین در من اثر کرد	وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

لیکن چونکہ نظم کا درحقیقت سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اگر اسکو، نثر کرنا چاہین تو نہ ہوسکے اور یہ اُسی وقت ہوسکتا ہے جب شعر مین الفاظ کی وہی ترتیب باقی رہے جو نثر مین معمولاً ہوا کرتی ہے، اس بنا پر شاعر کو کوشش کرنی چاہیے کہ اگر اصلی ترتیب پوری پوری قائم نہین رہ سکتی تو بہرحال اُس کے قریب قریب پہونچ جائے جس قدر اس کا لحاظ رکھا جائیگا، اُسی قدر شعر زیادہ صاف، برجستہ، روان، اور ڈھلا ہوا ہوگا اور اُردو مین جہانتک

ہم کو معلوم ہے یہ صفت میر انیس صاحب سے زیادہ کسی کلام مین نہین پائی جاتی، نمونہ کے طور پر ہم چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین۔

صُغریٰ حضرت امام علیہ السلام سے کہتی ہین، ع

قربان گئی، اب تو بہت کم ہے نقاہت
بستر سے مین خود اُٹھکے ٹہلتی بھی ہون حضرت

تپ کی بھی ہے شدت مین کئی روز سے خفت
پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت

حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو میرے مُنہ کا بھی مزہ تلخ نہین ہے

ولہ

صغریٰ نے کہا آپکی باتون کے مین قربان
بیٹی ہو علیؑ کی مری مشکل کرو آسان

تم جان بچا لو کہ مین لونڈی ہون بہو پی جان
جیتی رہی صغریٰ تو نہ بھولے گی یہ احسان

کچھ بات بجز گریہ و زاری نہین کرتین
امّان تو سفارش بھی ہماری نہین کرتین

حضرت زینب، حضرت عباسؑ سے فرماتی ہین ع

تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو
بھیّا تمھین سے لیگی بہن اپنے بھائی کو

حضرت امام علیہ السلام، یزیدیون سے مخاطب ہوکر فرماتے ہین ع

مجھکو لڑنا نہین منظور یہ کیا کرتے ہو
کیون نبی زادہ پہ غربت مین جفا کرتے ہو

تیر جوڑے ہین جو تمنے تو خطا کرتے ہو
دیکھو اچھا نہین یہ ظلم بُرا کرتے ہو

شمع ایمان ہون اگر سر میرا کٹ جائیگا
یہ مرقع ابھی اک دم مین اُلٹ جائے گا

خولی امام علیہ السلام کی فوج کی حالت، ابن سعد سے بیان کرتا ہے ع

یہ سب غلط سنا تھا کہ ہے لشکر کثیر	کچھ نوجوان ہین طفل ہین کچھ اور کچھ ہین پیر
ہر گو ان مین سات آٹھ تو لڑکے کئی صغیر	پس جائینگے وہ ٹاپون سے ہنگام دارو گیر

کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھون کی طاقت دکھائینگے
ان سے تو تیغیچے بھی سنبھالے نجائین گے

کیا جانے دل مین سوچے تھے کیا شاہ کربلا	مقتل مین کھینچ کر انھین لے آئی ہے قضا
لشکر تو یہ قلیل اور اس فوج سے وغا	عمرین ہین چھوٹی چھوٹی بھلا وہ لڑین گے کیا

کچھ آزمودہ کار نہین کچھ مسن نہین
ان کے ابھی تو گھر سے نکلنے کے دن نہین

اس قسم کے اور ہزارون اشعار ہین آگے مختلف موقعون پر جو اشعار نقل کئے جائینگے اُن مین اور دوسری خوبیون کے ساتھ یہ خصوصیت بھی اکثر نظر آئیگی۔

روزمرہ

روزمرّہ اور محاورہ جو الفاظ اور جو خاص ترکیبین اہل زبان کے بول چال مین زیادہ مستعمل اور متداول ہوتے ہین، اُن کو روزمرّہ کہتے ہین، روزمرّہ اگرچہ ایک جداگانہ وصف سمجھا جاتا ہے، لیکن درحقیقت وہ فصاحت ہی کا ایک فرد خاص ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ عام بول چال مین وہی الفاظ زبان پر آئین گے جو سادہ صاف، اور سہل الادا ہون، اور اگر اُن مین کچھ ثقل اور گرانی بھی ہو تو رات دن کی بول چال اور کثرت استعمال سے وہ منجھکر صاف ہوجاتے ہین۔ ابوالعلامعرّی جو ایک ملحد شاعر تھا اُسنے قرآن مجید کا جواب لکھا تھا۔ لوگون نے اس سے کہا کہ گو یہ کلام بلیغ ہے لیکن اس مین قرآن مجید کی سی روانی اور صفائی نہین پائی جاتی، اُس ملعون نے کہا ہان ابھی تو نہین، لیکن جب دو چار سو برس نمازون مین منجکر صاف ہوجائیگا تو روانی آجائیگی۔

غرض روزمرّہ کے لئے فصیح ہونا لازم ہے۔ میر انیس کے کلام مین نہایت کثرت سے روزمرّہ اور محاورہ کا استعمال پایا جاتا ہے، اور اس پر اُن کو ناز بھی تھا چنانچہ فرماتے ہین ؎

مرغانِ خوش الحانِ چمن بولین کیا
مرجاتے ہین سُنکے روزمرہ میرا

چونکہ میر انیس کا کوئی کلام روزمرہ سے خالی نہین ہوتا، اس لئے ہم نمونہ کے طور پر صرف دوچار مثالین نقل کرتے ہین ؎

حشر تک خلق مین یہ ذکر غم انگیز رہا	تو تو بچپن کے غلامون سے بھی کچھ تیز رہا
تعریف کرین ڈر کے تو خورسند نہ ہونا	اعدا سے کسی بات مین تم بند نہ ہونا
زینبؑ نے کہا جسمین رضا شہ عالی	مالک ہین وہی مین تو ہون اک چاہنے والی

صدقے گئے فرزند پھوپی سوگ نشین ہے
سمجھین تو میرا حق ہے نہ سمجھین تو نہین ہے

زندہ نہ محمد ہے نہ اب عون ہے بیٹا		تم بھی جو نہ پوچھو تو میرا کون ہے بیٹا
خادم جدا نہ تھا شہ گردون سریر سے	ولہ	کس جرم پر حضور خفا ہین حقیر سے
کس کی مجال ہے جو کہے گا یہ کیا کیا؟	ولہ	بی بی نے دی غلام کو رخصت بجا کیا
کہتے تھے راہ مین نہ کہ وار اپنا چل گیا	ولہ	افسوس ہے کہ ہات سے دریا نکل گیا

مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ کا استعمال

حسن کلام کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ استعمال کئے جائین۔

لفظ چونکہ آواز کی ایک قسم ہے اور آواز کے مختلف اقسام ہین۔مہیب۔پر رعب۔سخت، نرم، شیرین، لطیف، اسی طرح الفاظ بھی صوت اور وزن کے لحاظ سے مختلف طرح کے ہوتے ہین بعض نرم شیرین اور لطیف ہوتے ہین۔بعض سے جلالت اور شان ٹپکتی ہے، بعض سے درد اور غمگینی ظاہر ہوتی ہے اسی بنا پر غزل مین سادہ، شیرین، سہل اور لطیف الفاظ استعمال کئے جاتے ہین، قصیدہ مین زوردار اور شاندار الفاظ کا استعمال

پسندیدہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح رزم، بزم، مدح وذم، فخر، وادعا، وعظ و پند، ہر ایک کے لئے جدا جدا الفاظ ہین،
شعرا مین سے جو اس نکتہ سے آشنا ہین وہ ان مراتب کا لحاظ رکھتے ہین اور یہ اُنکے کلام کی تاثیر کا بڑا راز ہے،
لیکن جو اس فرق مراتب سے واقف نہین یا ہین لیکن ایک خاص رنگ اُن پر اسقدر چڑھ گیا ہے کہ ہر قسم کے
مضامین مین ایک ہی قسم کے الفاظ اُن کی زبان سے ادا ہوتے ہین، اُن کا کلام بجز ایک خاص رنگ کے
بالکل بے اثر ہوتا ہے - یہی نکتہ ہے کہ سعدی سے رزم، اور فردوسی سے بزم نہین نبہ سکتی -

میر انیس صاحب نے رزم، بزم، فخر، ہجو، نوحہ، سب کچھ لکھا ہے لیکن جہان جس قسم کا موقع ہوتا ہے
اُسی قسم کے الفاظ اُنکے قلم سے نکلتے ہین رزمیہ فخر لکھتے ہین تو فرماتے ہین ؎

طاقت اگر دکھاؤن رسالت مآب کی	رکھدون زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

جلال اور غیظ کو ان الفاظ مین ادا کرتے ہین ؎

کم تھا نہ ہمہمہ اسدِ کردگار سے	نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے
کیا جانے کس نے روک دیا ہے دلیر کو	سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو
تھا یہ بھرا ہوا عباس میر اشیر جوان	سینۂ حُر پہ رکھے دیتا تھا نیزہ کی سنان
لرزہ تھا رعب حق سے ہر اک نابکار کو	روکے تھا ایک شیر جری دس ہزار کو

دیکھو! ان اشعار مین جو الفاظ آئے ہین، جس طرح، اُنکے مفہوم مین غیظ و غضب ہے اُسی طرح، الفاظ کی صوت
ولہجہ سے بھی، ہیبت اور غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہے -

بحرون کا انتخاب اور حسن قافیہ و ردیف

شعر کی دلاویزی اور دلفریبی کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ ہر مضمون کی مناسب بحرین اختیار کی جائین،
فردوسی کی اسی غلطی نے اسکے یوسف زلیخا کو مقبول عام ہونے سے محروم رکھا،
شاہنامہ کی بحر رزم کے لئے مخصوص ہے، فردوسی نے عشقیہ واقعات بھی اسی بحر مین ادا کرنے چاہے
اور اسوجہ سے ناکام رہا- میر انیس سے پہلے، مرثیے، اکثر بڑی بڑی بحرون مین لکھے جاتے تھے، مثلاً ع

جب مشک بھر کے نہر سے عباس غازی گھر چلے،

ع آپ تو جیتے رہے، بابا کا سر کٹوا دیا،

یا نہایت چھوٹی بحرون مین

ع یہ کس موبھہ سے کہئے کہ وہ تشنہ لب ہے،

میر صاحب نے تین چار بحرین خاص کرلین جن مین چند خصوصیتین پائی جاتی تھین،

۱- رزم و بزم، دونون کے لئے موزون تھین، مثلاً یہ بحر، حشر برپا تھا کہ تیغ حُرِ ذیجاہ چلی-

۲- فقرون کی ترکیب اُن مین خواہ مخواہ چست ہوجاتی ہے مثلاً یہ بحر،

ع قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملادون،

۳- کانون کو خوش معلوم ہوتی ہین-

قدیم مرثیون مین ردیف کا بہت کم التزام ہوتا تھا قافیہ ہی قافیے ہوتے تھے، میر صاحب نے ردیف کا گویا التزام کرلیا- آج کل جو لوگ انگریزی شاعری کی کورانہ تقلید کرتے ہین وہ تو سرے سے قافیہ ہی کو بیکار کہتے ہین ردیف کا کیا ذکر ہے، شاید انگریزی زبان کی ساخت اسی قسم کی ہو جیسا کہ عربی مین ردیف نہایت بدنما معلوم ہوتی ہے، لیکن فارسی اور اُردو مین تو ردیف **تال** اور سُم کا کام دیتی ہے، جس طرح راگ مین تال نہو تو بدمزا ہے، یہی حالت، اُردو شعر کی ہے البتہ ردیف کے التزام کے لئے بہت بڑا قادر الکلام ہونا ضروری ہے، ورنہ ردیف کے التزام کے ساتھ آمد اور بے ساختگی قایم نہین رہتی، لیکن اگر یہ خوبی ہات سے نہ جانے پائے تو ردیف، سے شعر چمک جاتا ہے، ان دونون شعرون پر غور کرو، ؎

ساقیا عید ہے، لا بادہ سے مینا بھر کے		کہ مے آشام پیاسے ہین مہینہ بھر کے	
چاہنا خلق کو صہبا و صنم سے محروم	ولہ	ایسی نیت پہ، بہشت آپ کو، واعظ! معلوم	

دونون شعر اپنی اپنی حیثیت سے لاجواب ہین، لیکن پہلے شعر کو، ردیف نے کسقدر چمکا دیا ہے- بعض

جگہ ردیف کی تکرار نہایت لطف پیدا کردیتی ہے، میر صاحب کے ہان اسکی مثالین بھی کثرت سے ملتی ہین۔ حسن قافیہ و ردیف، و تکرار کی یکجائی چند مثالین ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین۔

کہین صفین صاف مگر مُنہ کی صفائی نہ گئی	ولہ	سیکڑون خون کیے اور کہین آئی نہ گئی
شیطان عمرِ سعد کی گردن پہ چڑھا ہے	ولہ	بھاگو پسرِ شیرِ خدا رن پہ چڑھا ہے
رُکتا نہ تھا علیؑ ولی کے پسر کا ہات	ولہ	دو ہو گئے گر پڑا جسے مارا اکبر کا ہات
ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھیرا پسر کے ساتھ	ولہ	اُس معرکہ مین چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
ڈھالون سے پھول لیگئی پھولون سے زر لیا	ولہ	اپنا خراج تیغ نے ان سب سے بھر لیا
سب تھک گئے مگر نہ تھکے تیغ زن کے ہاتھ	ولہ	وہ معرکہ رہا اسی گل پیرہن کے ہاتھ
ظالم شکار بن گیا گیہان خدیو کا	ولہ	کافر وہ تھا تو ہاتھ بھی مارا جنیو کا
ماتم ادہر تھا جشن مین تھے اہل شر اُدھر انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر اُدھر	ولہ	بجتے تھے شادیانہ فتح و ظفر اُدہر روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت اِدہر اُدہر
چھپاتے تھے خوب پیمبر مرے جوہر کھولے ہین ید اللہ نے اکثر مرے جوہر	ولہ	مخفی نہین جبریلِ امین پر مرے جوہر کرار نے دیکھے ہین مکرر مرے جوہر
کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے پانی وہ خود پیے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے	ولہ	تنتی تھی کیا تنون سے زمین پاٹ پاٹ کے دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
بڑھتے تھے جو پرے سے بڑے بول بول کے حملہ کیا جو تیغ دو دم تول تول کے	ولہ	سب پہلے انہین کو مار لیا رول رول کے ہتیار سب نے پھینک دیے کھول کھول کے
شہ کے غضب سے مانگتی تھی ہر کمان امان دیتے نہ تھے کسیکو امامِ زمان امان	ولہ	مضطر زمین تھی، مانگتا تھا آسمان امان ہر صف مین تھا یہ شور کہ مولا، امان امان

تلوار کی زبان سے۔

تنسیق الصفات جب کسی موقع پر چند الفاظ ایک وزن یا ایک قسم کے پے در پے آتے ہین تو ایک خاص لطف پیدا ہوتا ہے، میر صاحب کے کلام مین اسکی مثالین کثرت سے ملتی ہین ؎

دوزخ کی زبانون سے بھی آنچ اسکی بڑی تھی		برچھی تھی کٹاری تھی سروہی تھی چھری تھی
موجود بھی ہر غول مین اور سب سے جدا بھی اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی پانی بھی ہوا بھی	وله	دم خم بھی لگاوٹ بھی صفائی بھی ادا بھی امرت بھی ہلاہل بھی مسیحا بھی قضا بھی
کوندے مین یہی معرکہ دن بھر نظر آیا	وله	شمر آیا۔ سنان آیا۔ حر آیا۔ عمر آیا
سمٹا جما اُڑا ۔ اِدھر آیا۔ اُدھر گیا	وله	چمکا ۔ پھرا ۔ جلال دکھایا ۔ ٹھہر گیا
چلتی تھی عجب رنگ سے شمشیر قضا رنگ جم خم کا جدا رنگ تھا، کس بل کا جدا رنگ	وله	ہر ہات مین دکھلاتی تھی اعدا کو نیا رنگ لب سرخ - دہن صاف ، بدن گول ہرا رنگ

بلاغت

انیس و دبیر کے موازنہ مین یہ فقرہ ضرب المثل ہوگیا ہے کہ میر صاحب مین **فصاحت** زیادہ ہے اور مرزا صاحب مین **بلاغت**، لیکن یہ فقرہ جس قدر زیادہ مشہور ہے اُسی قدر بلکہ اُس سے زیادہ غلط اور بے معنی ہے، بلاغت کی جو تعریف تمام کتابون مین مذکور ہے اور جس سے کسی کو کسی قسم کا اختلاف نہین، اُسکی رو سے، بلاغت کی پہلی شرط یہ ہے کہ کلام فصیح ہو، اسلئے فصاحت و بلاغت کو باہم حریف قرار دینا اجتماع النقیضین ہے، اگر مرزا صاحب مین بلاغت زیادہ ہے تو اسکے یہ معنی ہین کہ فصاحت بھی زیادہ ہے، کیونکہ کلام اُس وقت تک بلیغ نہین ہوسکتا جب تک اسکے تمام الفاظ، مفردات و مرکبات فصیح نہون، اگر فصاحت مین کسی قسم کی کمی ہوگی تو بلاغت مین بھی کمی ہوگی، اسلئے کسی کلام کی نسبت یہ کہنا کہ اسمین بلاغت زیادہ ہے اور فصاحت کم، گویا یہ کہنا ہے کہ فصاحت زیادہ بھی ہے اور کم بھی،

بلاغت کی تعریف علماے معانی نے یہ کی ہے کہ کلام اقتضاے حال کے موافق ہو، اور فصیح ہو، مقتضاے حال کے موافق ہونا، ایسا جامع لفظ ہے جس مین بلاغت کے تمام انواع و اسالیب آجاتے ہین، لیکن افسوس ہے کہ کتب معانی مثلاً مطول، ایضاح، وغیرہ مین بلاغت کی جو تشریح کی ہے اور اسکے جس قدر انواع و اقسام قرار دیے ہین، وہ نہایت جُزئی اور معمولی باتین ہین، ان تصریحات کی رو سے بلاغت اس کا نام ہے، کہ مبتدا اور خبر کہان مقدم لائے جائین اور کہان مؤخر؟ کہان معرفہ ہون کہان نکرہ؟ کہان مذکور ہون، کہان محذوف؟ اِسناد کہان حقیقی ہو، کہان مجازی؟ جملہ کہان خبریّہ ہو، کہان انشائیہ؟ دو فقرون مین کہان وصل ہو کہان فصل؟ کلام مین کس موقع پر اطناب کیا جاے کس موقع پر اختصار؟ - گویا بلاغت کا صرف اسقدر فرض ہے کہ جب تم کسی مطلب کو کسی خاص جملہ مین ادا کرنا چاہو تو وہ یہ بتادے کہ جملہ کے اجزا کیا ہونے چاہئین اور اُن اجزا کی ترکیب کیا ہونی چاہیے، لیکن اگر عام طور پر یہ پوچھا جاے کہ کس قسم کے مضامین کو کیونکر ادا کرنا چاہیے مثلاً مدح - ذم - فخر - ہجا - تہنیت - تعریض - شوق - محبت، ان مضامین سے ہر ایک کے ادا کرنے کے کیا کیا خاص پیراے ہین؟ ہر مضمون کا خاکہ کیونکر قائم کرنا چاہیے؟ کس قسم کے خیالات کس خاص مضمون کے ساتھ تعلق رکھتے ہین؟ تو موجودہ فن بلاغت اس کے متعلق کچھ رہبری نہین کرسکتا، حالانکہ بلاغت کا اصلی تعلق مضامین ہی سے ہے نہ الفاظ سے مثلاً یہ امر کہ ایک واعظ کو کسی بات کے ثابت کرنے کے لئے کس قسم کے مقدمات سے کام لینا چاہیے؟ اور اسی بات کو اگر ایک حکیم ثابت کرنا چاہے تو اُسکے استدلال کا کیا طرز ہوگا؟ اس مین الفاظ کی حیثیت سے بحث نہین ہوتی بلکہ صرف نوعیتِ استدلال کا لحاظ ہوتا ہے، یعنی اگر ایک حکیم کے استدلال مین، واعظانہ مقدمات پائے جائین تو کہا جائیگا کہ خلافِ بلاغت ہے، کیونکہ بلاغت کے معنی مقتضاے حال کے موافق کلام کرنا ہی اور ظاہر ہے کہ ایک حکیم کو واعظانہ مقدمات سے استدلال کرنا، اسکے رتبہ کے خلاف ہے -

اس سے ظاہر ہوا کہ بلاغت کو الفاظ سے چندان تعلق نہین، محض مضامین کو بھی بلیغ یا غیر بلیغ کہا جاسکتا ہے، بلاغتِ الفاظ درحقیقت بلاغت کا ابتدائی درجہ ہے، اصلی اور اعلیٰ درجہ کی بلاغت، معانی کی بلاغت ہے -

میرانیس صاحب کے کلام مین بلاغت الفاظ بھی اگرچہ انتہا درجہ کی ہے، لیکن یہ اُنکے کمال کا اصلی معیار نہین، اُنکے کمال کا اصلی جوہر معانی کی بلاغت مین کھُلتا ہے۔

کربلا کے واقعات، جو میرانیس اور تمام مرثیہ گویون کا موضوع شاعری ہے، جہان تک تاریخ و روایت سے ثابت ہین نہایت مختصر ہین، لیکن مرثیہ گویون نے اُن مین نہایت وسعت پیدا کی ہے۔ بعض جگہہ محض ایک اجمالی واقعہ مذکور تھا، اُسکو اسقدر وسعت دی کہ واقعہ کے تمام جزئیات بیان کر دئے۔ بعض جگہہ روایت مین اُس واقعہ کا نام و نشان بھی نہ تھا لیکن اس لحاظ سے کہ وقت اور حالت کے اقتضا سے اُس واقعہ کا پیش آنا ضرور تھا، واقعہ کو فرض کر لیا ہے اور پھر اُسکو اسطرح پھیلا کر لکھا ہے کہ گویا پورا واقعہ من وعن روایتون مین مذکور تھا مثلاً یہ واقعہ کہ جب حضرت عباس کو علم ملا تو عون و محمد کو رنج ہوا کہ یہ ہمارا حق تھا، وہ اپنی مان حضرت زینب کے پاس شکایت لیکر گئے، اُنہون نے سمجھایا کہ امام علیہ السلام نے جو کچھ کیا بجا کیا" یہ واقعہ نہایت تفصیل سے تمام جزئیات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، حالانکہ کتب تاریخ مین سرے سے اسکا ذکر نہین، یا مثلاً حضرت علی اکبر کی تیاری جنگ کے وقت، حضرت زینبؑ کا آزردہ ہونا اور جانے سے روکنا، یا مثلاً حضرت شہربانو کا حضرت علی اکبر سے اس بات پر ناراض ہونا کہ امام علیہ السلام کو تنہا چھوڑ کر کیون چلے آئے ان تمام واقعات کا تاریخ مین پتہ نہین، اس قسم کے واقعات کے بیان کرنے مین، **بلاغت** کا پہلا فرض یہ ہے کہ جو واقعہ فرض کیا جائے وہ ایسا ہو کہ وقت اور حالت کے لحاظ سے، اُس کا واقعہ ہونا یقینی ہونے کے برابر ہو، اسکے ساتھ واقعہ کے جزئیات اور کیفیات جو بیان کئے جائین وہ بالکل مقتضائے حال کے موافق ہون، اور اس طرح بیان کئے جائین کہ واقعہ کی صورت آنکھون مین پھر جائے،

اس نکتہ کی حقیقت، ایک مثال سے زیادہ تر واضح ہوگی، مرزا دبیر صاحب نے ایک مرثیہ مین یہ واقعہ باندھا ہے کہ جب حضرت علی اکبر جوان ہوئے تو جا بجا اُنکے حسن و جمال کا شہرہ ہوا یہان تک کہ بادشاہان وقت نے اپنے ملک سے مصوّر بھیجے کہ اُن کی تصویر کھینچکر لائین، **حلب** کا بادشاہ سب سے

زیادہ مشتاق ہوا اور جب تصویر اُس کے پاس پہونچی تو اُسنے فوراً اپنی بیٹی سے حضرت علی اکبر کی نسبت ٹھہرائی، اور حضرت امام حسینؑ کے پاس پیغام بھیجا، امام ممدوح نے اپنی بے اطمینانی کی حالت بیان کی اور اخیر مین لکھا، ؎

اکبر کا بیاہ خالقِ اکبر کے ہات ہے	بابا کے ہات ہے نہ یہ مادر کے ہات ہے

لیکن بادشاہ حلب نے باوجود اسکے نسبت ٹھہرا ہی دی، اور شادی کے تمام سامان مہیا کرنے شروع کر دیئے ادہر کربلا کا واقعہ پیش آیا - جب بادشاہ کو خبر ہوپنچی تو وہ مع اپنے خاندان کے کربلا پہونچا، بادشاہ کی لڑکی نے جو حضرت علی اکبر سے منسوب تھی اس طرح نوحہ کیا ؎

آئی ہون گھر سے بال پریشان کیے ہوئے
دولہ اُٹھو، کھڑی ہے دلہن سر لئے ہوئے

دولھا! تمھاری بیوطنی پر نثار مین دولھا! تمھاری خستہ تنی پر نثار مین	دولھا! تمھاری بےکفنی پر نثار مین دولھا! تمھاری کم سنخنی پر نثار مین

مُردے کا ذکر کرتے ہین سب شور و شین سے
ہے ہے بیان تمھارے کرون کیا مین بین سے

خُو بُو سے مطلع نہین مین سوختہ جگر نتہ چوڑیان پہنے نہ پائی، مین نوحہ گر	ہے ہے مین اپنے گھر سے نہ آئی تمھارے گھر جو آج ٹھنڈی کرتی مین صاحب کی لاش پر

حسرت ہی عقد کی رہی لونڈی کے باپ کو
ہے ہے بندھا نہ سہرا جو بخشون مین آپ کو

دولھا! مین ننگے سر ہون مجھے تم ردا اُڑھاؤ دولھا! مجھے بھی فاطمہؑ کے پاس لیتے جاؤ	دولھا! کہان مین ڈھونڈھون ٹھکانا مجھے بتاؤ دولھا برابر اپنے میری قبر بھی بناؤ

دولھا مقامِ شرم ہے ورد رنہ پھرنے دو
پردہ دلھن کا رکھہ لو کُھلے سر نہ پھرنے دو

مرزا صاحب نے اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ فرضی عروس کی زبانی ایک بڑا نوحہ الگ لکھہ کر مرثیہ کے ساتھہ بطور ضمیمہ کے شامل کیا ہے جسکا مطلع یہ ہے، ؎

کس عادل و منصف کی بین دون رُو کے دوہائی — ہے ہے میرے نوشاہ
سُنتی ہے دُلھن تشکل رنڈاپے نے دکھائی — ہے ہے میرے نوشاہ

یہ تمام قصہ، بالکل بلاغت اور مقتضاے حال کے خلاف ہے، تمام باتون سے قطع نظر کرکے، ایک کنواری لڑکی کا بین اور نوحہ کرنا جو خود کہتی ہے کہ مین آپ کے عقد مین نہین آئی، اور پھر دولھا دولھا پکارتی جاتی ہی کسقدر بیمعنی اور لغو، ہے،

میر انیس نے سیکڑون ہزارون مرثیے لکھے ہین، اور ہر مرثیہ بجاے خود ایک قصہ یا حکایت ہے؛ لیکن کوئی واقعہ ایسا نہین لکھا جو اقتضاے حال کے خلاف ہو، عون و محمد کی روایت کا سرے سے کہین پتہ نہ تھا، لیکن جب میر انیس نے اس کو مرثیہ مین لکھا تو تمام لوگون کو اس کی واقعیت کا دھوکا ہوا یہان تک کہ اب وہ بطور ایک واقعہ مسلّمہ کے تمام مرثیہ گویون کے ہان مختلف پیرایون مین بیان کیاجاتا ہے، اسی طرح میر انیس نے جس قدر واقعات لکھے ہین باوجود رقّت انگیز اور موثر ہونیکے، واقعیت کے قالب مین اسقدر ڈھلے ہوئے ہین کہ کہین سے اُن پر حرف گیری نہین ہوسکتی۔

مرثیون مین جو مضامین، قدر مشترک کے طور پر ہین وہ یہ ہین، آمادگی سفر۔ راہ کی تکلیفات اور صعوبتین، قیام گاہ کا انتظام، دشمنون کی روک ٹوک، معرکہ کی طیاریان، رزم آرائی، رجز۔ حریفون کا قتال وجدال، دشمنون کی فتح، اہل حرم کی بیکسی اور بیچارگی، شام کا سفر۔ قیدخانہ، دربار کی حاضری۔

ان مین سے ہر عنوان کے ادا کرنے کے لئے بلاغت کے خاص خاص طریقے ہین، مثلاً

سفر کی طیاری کے بیان کرنے مین بلاغت کا یہ اقتضا ہے کہ سفر کے وقت، جو جو واقعات، اور حالات پیش آتے ہین، ان کی تصویر کھینچی جائے، سفر کی آمادگی، سواریون کی تقسیم، زاد سفر کا انتظام، محملون اور کجاؤن کی طیاری، مستورات کے پردہ کا انتظام، دوست اور احباب کے وداعی جذبات، بھائی بھنون اور عزیزون کی گریہ وزاری، دلدہی اور صبر کے کلمات، یہ تمام باتین تفصیل سے بیان کی جائین اور اس طرح کی جائین کہ آنکھون کے سامنے بعینہ سفر کا نقشہ پھر جائے میرانیس نے جہان جہان سفر کا بیان کیا، ان نکتون کو ملحوظ رکھا ہے

دو حریفون کی باہمی معرکہ آرائی کو، سطرح بیان کرنا چاہیے کہ پہلے دونون کے سراپا، ڈیل ڈول، اور اسلحہ جنگ سجنے کا نقشہ دکھایا جائے، پھر بتایا جائے کہ دونون نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے، حریف نے حریف پر کیونکر حملہ کیا، کسطرح وار بچایا، تلوار کے کیا کیا ہات دکھائے، بند کیونکر باندھے، وغیرہ وغیرہ میرانیس کے ہان یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، بخلاف اسکے مرزا دبیر صاحب، آسمان و زمین کے قلابے ملا دیتے ہین، لیکن یہ پتہ نہین لگتا کہ دونون حریفون مین سے کسی نے دوسرے پر وار بھی کیا تھا یا نہین،

غرض ہر واقعہ، اور ہر معاملہ کے بیان کرنے مین بلاغت کا یہ اقتضا ہے کہ اسکی تمام خصوصیات، اسطرح دکھائی جائین کہ دلون پر وہی اثر طاری ہو جو خود واقعہ کے پیش آنے سے پڑتا، میرانیس کے کلام مین عموماً یہ وصف پایا جاتا ہے ہم نے اس موقع پر مثالین، اسلئے قلم انداز کین کہ آگے چلکر، واقعہ نگاری، اور اظہار جذبات وغیرہ کے عنوانون مین جو مثالین آئینگی وہی بلاغت کے لئے بھی کافی ہونگی،

بلاغت کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ واقعات کے بیان مین جس درجہ و رتبہ، اور جس سن و سال کے لوگون کا ذکر آئے، اُسی قسم کے طرز خیال، اور طریق ادا کو ملحوظ رکھا جائے، بوڑھے، بچے، جوان، مرد، عورت، کنواری، بیوہ، آقا، غلام، نوکر چاکر، غرض جسکی زبان سے جو خیال ظاہر کیا جائے اُسکی زبان اور طرز خیال کی تمام خصوصیتون کو قائم رکھا جائے، میرانیس نے تمام مرثیون مین یہ نکتہ ملحوظ رکھا ہے، مثلاً حضرت امام حسینؑ کے سفر کے وقت، محلہ کی بی بیان حضرت زینبؑ کو سفر سے روکتی ہین ؎

ہمسایوں کی ہمدردی اور اظہار افسوس کا کیا طریقہ ہے

سب کہتے ہین زینبؑ سے کہ اے شاہ کی شیدا
کس طرح کے خط آئے یکایک یہ ہوا کیا؟
پانی کی کمی، گرمی کے دن، خوف کا رستہ
وہ دھوپ پہاڑون کی، وہ لون اور وہ صحرا
کیا سوچ کے اس فصل مین شبیرؑ چلے ہین
بچون پہ کرو رحم، کہ نازون کے پلے ہین

ہے ہے، چھ مہینہ کے بھی بچہ کا سفر ہے
کچھ تم کو پہاڑون کی بھی گرمی کی خبر ہے؟
غربت مین جوانون کے تلف ہونیکا ڈر ہے
رحم اس پہ ہے لازم، کہ یہ بچہ گل تر ہے
اصغر کو جدا کہہ ہو، قلق مان کو سوا ہو
گرمی کے سبب دودہ جو گھٹ جائے تو کیا ہو؟

ایک اور موقع پر اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔

عورتین کیونکر صلاح دیتی ہین۔

لے لے کے بلائین یہی سب کرتی ہین تقریر
اس گرمی کے موسم مین کہان جاتے ہین شبیرؑ
سمجھاتی نہین بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر
مسلم کا خط آئے تو کرین کوچ کی تدبیر
للہ ابھی قبر پیمبرؐ کو نہ چھوڑین
گھر فاطمہؑ زہرا کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑین

یا مثلاً جب حضرت امام حسینؑ اپنی چھوٹی صاحبزادی صغراؑ کو سفر مین لیجانے سے انکار کرتے ہین تو وہ حضرت زینبؑ سے سفارش کراتی ہین ؎

بچون کے ادائے مدعا کا طرز

صغرا نے کہا آپکی باتون کے مین قربان
تم جان بچا لو کہ مین لونڈی ہون پھوپی جان
بیٹی ہو علیؑ کی، مری مشکل کرو آسان
جیتی رہی صغرا تو نہ بھولے گی یہ احسان
کچھ بات بجز گریہ و زاری نہین کرتین
امان تو سفارش بھی ہماری نہین کرتین

دوسروں کی محبت کا طعنہ۔

پیاری ہین جو دو بیٹیان وہ جائینگی ہمراہ ۔۔۔ کیا اُنس، کہ مین گور کنارے بھی تو ہون آہ
بابا کو نہ امّان کو نہ بھنون کو میری چاہ ۔۔۔ سب جیتے رہین، خیر ہمارا بھی ہے اللہ

بھولے سے نہ اب خاطرِ ناشاد کرینگے
مین قبر مین جب ہون گی تو سب یاد کرینگے

خاص عزیزوں کی شکایت۔

عاشق میرے مشہور ہین بھیّا کے بین واری ۔۔۔ دو دن سے خبر بھی نہین لی آکے ہماری
قاسم کو غرض کیا جو سُنین گریہ وزاری ۔۔۔ مین کون ہون؟ سکینہ ہین چچا جان کو پیاری

اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہین ہے
مٹی میری کچھ قبر کو دشوار نہین ہے

یا مثلاً حضرت علی اصغر کے پیاس سے جان بلب ہونے کے وقت، ان کی مان کی حالت اسطرح بیان کی ہے ؎

چلّاتی تھی بکھرائے ہوئے بالون کو مادر ۔۔۔ دولت میری لٹتی ہے اُجڑتا ہے مرا گھر
فریاد ہے اے لختِ دلِ ساقیِ کوثر ۔۔۔ آنکھین بھی جھپکتے نہین اب تو علی اصغر

کیا ہوگیا؟ اس صاحبِ اقبال کو میرے
ہے ہے لئے جاتی ہے اجل لال کو میرے

یا مثلاً حضرت امام حسینؑ کی رخصت کے وقت، شہربانو فرماتی ہین ؎

کچھ حق مین اس کنیز کے فرما کے جائیے ۔۔۔ صاحب! کسی جگہ مجھے ٹھہلا کے جائیے

یا مثلاً جب حضرت امام حسینؑ کربلا مین پہونچے اور وہان اُترنے کا ارادہ کیا، تو حضرت زینبؑ اس مقام کی وحشت اور ویرانی سے گھبرا کر فرماتی ہین ؎

کیون چلتے چلتے آپ نے یان روک لی لگام ۔۔۔ بھیّا ادھر تو آؤ یہ ہے کون سا مقام؟

بستی بھی ہے کوئی کہ یہی ایک نہر ہے
اس دشت پُرخطر مین اُترنا تو قہر ہے

جنگل مین ہے بشر کیلیے سو طرح کا ڈر
دن کٹ گیا تو ہویگی شب کسطرح بسر
اُٹھتے ہین بار بار بگولے اِدھر اُدھر
لشکر مین غل رہے گا درندون کا رات بھر

عورتون کی ضعیف القلبی

بچے بھی مارے ہول کے تر ہین پسینے مین
میرا تو دل ابھی سے اُچھلتا ہے سینے مین

اسی واقعہ کو ایک اور موقع پر لکھا ہے ؎

بھائی سے اس زمین کی سنی ہے بہت صفت
جو جو حُسن ہین، ان سے بھی لازم ہے مشورت
ہے وہ امام واقفِ اسرار شش جہت
صدقے گئی حبیب سے بھی کرلو مصلحت

ساحل پہ دشمنون مین کسیکا عمل نہ ہو
بھیا مجھے یہ ڈر ہے کہ رد و بدل نہ ہو

یا مثلاً جب امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کو علم دیا ہے تو حضرت زینبؑ، عباس کو مبارکباد دیتے ہوے فرماتی ہین ؎

گھر مین سلامت آئینگے جب سرورِ اُمم
ہاتون کو جوڑتی ہے یہ بھینا، اسیرِ غم
تب دونگی تمکو تہنیتِ عہدۂ علم
کیجو صلاح صلح، کہ لشکر ادھر ہے کم

تم سے بڑی امید ہے زہراؑ کی جائی کو
بھیا تمھین سے لیگی بہن اپنے بھائی کو

اسی موقع پر سکینہؑ مبارکباد کو آتی ہین، تو ان کے صغرسن کے لحاظ سے ان کی مبارکباد دینے کو کس پیرایہ مین ادا کیا ہے ؎

اتنے مین پاس آکے سکینہ نے یہ کہا — چہرہ کی لُون بلائین، مین صدقے تے جھکو ذرا
عہدہ علم کا، تم کو مبارک ہو اے چچا! — مین نے دعائین کی ہین، کہو مجکو دوگے کیا

میدان کا رخ کروگے کہ دریا پہ جاؤگے
کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بجھاؤگے

"جھکو ذرا" کی بلاغت پر لحاظ کرو، اور دعا کے صلہ مانگنے کو دیکھو۔

ایک اور موقع پر لکھتے ہین۔

چلاتی ہے سکینہ کہ اے چچا میرے چچا — محمل مین گھٹ گئی، مجھے گودی مین لو ذرا
بابا سے کہہ دو، اب کہین خیمہ کرین بپا — ٹھنڈی ہوا مین لیکے چلو، تم پہ مین فدا

سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوا مین ہو میری حالت خراب ہے

بچون کی بول چال سے قطع نظر، یہ دیکھو کہ بچون کی فطرت کو کس نکتہ سنجی سے ظاہر کیا ہے: بچون کی مُدعا طلبی کا بڑا آلہ طعن اور تعریض ہے، اس کو کس خوبی سے ادا کیا ہے، ع تم تو ہوا مین ہو، میری حالت خراب ہے
ایک اور موقع پر، جب حضرت عباسؑ لڑنے کیلیئے چلے ہین، اور سب لوگ تن بہ تقدیر اُن کو رخصت کر چکے ہین، تو حضرت سکینہ کو خبر ہوئی ہے، وہ گھبرا کر روکنے کیلیئے آتی ہین، اور بچپن کے ناز سے کہتی ہین۔

خیمہ مین ہوا غل کہ چلے حضرت عباس — سب بولے کہ لو اور بھی سرور ہوئے بے آس
گھبرا کے سکینہ نے کہا تب یہ بصد یاس — کیا کہتے ہو، تم مجکو تو جانے دو چچا پاس

مُنہ تم سے وہ موڑینگے نہ مانون گی کبھی مین
عمّو، مجھے چھوڑینگے نہ مانون گی کبھی مین

عباسؑ پکارے مین اس آواز کے قربان — ہم جاتے ہین پانی کے لئے، تو میری جان

دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ نادان		مین گھر سے تمھین جانے نہ دونگی کبھی عنوان	

بابا کا میرے کوئی مددگار نہین ہے
صدقے گئی، پانی مجھے درکار نہین ہے

یا مثلاً جب حضرت عباسؑ کے شہید ہونے کی خبر آئی ہے، اور لوگ بدحواس ہو رہے ہین، حضرت عباس کی زوجہ نے یہ خبر نہین سنی ہے لیکن قرینون سے اُنکو شبہہ ہوتا ہے، اُن کے بدحواسانہ استفسار کو یون ادا کیا ہے ؎

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجۂ عباسؑ		کیون بی بیو! اب تچے میرے کیا ہوگئے اس	
کیا کہتے ہین شاہِ شہدا؟ کس سے ہوئی یاس		اے وائے مقدر نہ سکینہ کی بجھی پیاس	

کیسی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو لوگو
تم سب میرا مُنہ دیکھ کے کیون روتے ہو لوگو

اس مصرعہ مین ع اے وائے مقدر نہ سکینہ کی بجھی پیاس، کس قدر ایثار نفس کا خیال ظاہر کیا ہے یعنی اپنے شوہر کے مرنے کا غم اپنی مصیبت کے لحاظ سے نہین بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ سکینہ کے لئے پانی نہ لاسکے اور اُن کی پیاس نہ بجھا سکے۔

یا مثلاً جب حضرت علی اکبر نے مان سے اجازت لیکر میدان جنگ مین جانے کا ارادہ کیا ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ پھوپی سے بھی تو اجازت لو، اُس وقت حضرت زینب فرماتی ہین ؎

زینبؑ نے کہا جس مین رضائے شہِ عالی		مین نے تو کوئی بات نہین مُنہ سے نکالی	
کیا غم ہے، نہ پوچھا جب مجھے۔ مان سے تو رضا لی		مالک ہین وہی، مین تو ہون اک چاہنے والی	

صدقے گئے فرزند، پھوپی سوگ نشین ہے
سمجھین تو میرا حق ہے نہ سمجھین تو نہین ہے

بچپن مین یہ کاہے کو میری چھاتی پہ سوئے
کنگھی نہین کی گیسوے مشکین نہین دھوئے

کب جاگی مین تا صبح جو یہ چونک کے روئے
ان کیلئے کب مین نے پسر ہاتھ سے کھوئے

کیون روتے ہین یہ کس نے حضرت کو قلق ہے
حق دار مین کا ہے کو، میرا کون سا حق ہے

حضرت علیؑ اکبر کو، حضرت زینب ہی نے پالا تھا، اور وہ انکو اپنے بچون سے زیادہ عزیز رکھتی تھین، حضرت علیؑ اکبر بھی، ہر بات مین اُنھی کا مُنہ دیکھتے رہتے تھے، چونکہ انکو معلوم تھا کہ حضرت زینب میدان جنگ مین جانے کی اجازت بڑی مشکل سے دین گی، اسلیئے اُنھون نے پہلے اپنی ماں باپ سے اجازت لی ہے کہ اور لوگ اجازت دیدین تو حضرت زینبؑ سے درخواست کرنے کے لیے سند ہات آئے، اتنے مین حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ پھوپی سے ہی تو اجازت لو، وہ بھری ہوئی بیٹھی تھین، اُن کی طعن آمیز تقریر کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

یا مثلاً جب یزید کی بیوی ہند نے قید خانہ مین اہلِ حرم کے دیکھنے کے لیئے جانا چاہا ہے، تو لونڈیون اور پیش خدمتون کی تقریر کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

سب عورتون کو لیکے چلی جب وہ حق شناس
کپڑے یہ ملگجے ہین بدل ڈالیئے لباس

کہنے لگین یہ تب جو کنیزین تھین آس پاس
اسنے کہا کہ ہے میرے دل پر ہجوم یاس

اک دم مین سوگوارون کو مین دیکھ آتی ہون
کیسا لباس، کیا کسی شادی مین جاتی ہون

جب وہ قید خانہ کے دروازہ پر پہونچی ہے تو ؎

بڑھ کر کسی کنیز نے، تب یہ کیا بیان
چلیئے محل مین۔ آپ بھلا جائینگی کہان

بی بی! کوئی اسیرون مین زندہ نہین ہے یان
قابل نہین حضور کے جانے کے یہ مکان

گر غش ہوئی تو آپ مین آیا نجائے گا
ہم سے تو اس خرابہ مین جایا نجائے گا

لونڈیان، ہند کو قید خانہ مین جانے سے روکنا چاہتی ہین، اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے پہلے تو یہ کہا کہ یہان کوئی زندہ نہین، پھر یہ کہ یہ مکان آپ کے جانے کے قابل نہین پھر اس مین مبالغہ کا یہ اسلوب کہ آپ کو اختیار ہے لیکن ع ہم سے تو اس خرابہ مین جایا نجائے گا۔

اسی مضمون کو ایک اور مرثیہ مین اس طرح باندہا ہے کہ دربانون نے اس خیال سے کہ قید خانہ مین امام زین العابدینؑ بھی ہین اور وہ غیر محرم ہین، اہل حرم کی طرف مخاطب ہو کر کہا ہے ؎

یا تو ہمارے کی آنکھین اسیرا بند کرین (قیدی ۱۲)	یا ہم آ کر کسی حجرہ مین جدا بند کرین

غور کرو لونڈیون اور پیش خدمتون کی خوشامدانہ فطرت کا کس طرح اظہار کیا ہے، اور دربانون کی تحقیرانہ فرمایش کسقدر دلدوز ہے کہ یا تو زین العابدینؑ کی آنکھین بند کر دو، یا ہم آ کر کسی حجرہ مین اُنکو بند کر دین۔

یا مثلاً جب حُر نے اپنے بھائی، بیٹے اور غلام سے مشورہ کیا ہے کہ کس کا ساتھ دینا چاہیے، تو انہون نے یون جواب دیا ہے ؎

بیٹے نے کہا شہ کی غلامی ہے سعادت	آنکھون سے چلینگے کہ یہ ہے عین عبادت
بھائی نے کہا کفر ہے حاکم کی اطاعت	کچھ ڈر نہین، بس آج سے کی ترک رفاقت

مظلوم سے، دو روز کے پیاسے سے لڑین ہم
کیا خوب! محمدؐ کے نواسے سے لڑین ہم

عبد حُرِ غازی نے کہا تول کے شمشیر	گر لاکھ ہون جانین تو نثار سرِ شبیرؑ
دنیا مین نہو گا عمر سعد سا بے پیر	کیئے تو کرون اُسکے مٹا دینے کی تدبیر

حافظ ہے خدا، زور سے تلوار کے چلیئے

اُس فوج مین چلیئے تو اسے مار کے چلیئے

دیکھو بھائی اور بیٹے نے جو کہا اور جو ارادہ کیا، اُن کو اجازت طلبی کی ضرورت نہین۔ بخلاف اسکے غلام کہتا ہے کہ ع کہیئے تو کرون اسکے مٹا دینے کی تدبیر یہ وہی غلامانہ اندازِ گفتگو ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس فعل کو بھی اپنی طرف منسوب نہین کرتا بلکہ کہتا ہے ع اُس فوج مین چلیئے تو اسے مار کے چلیئے،

یا مثلاً جب حضرتِ عباسؑ، میدان جنگ کو جا رہے ہین تو اُنکی زوجہ، حضرت شہربانو سے کہتی ہین ؎

کہتی ہے رو رو کے بانوے عالم سے بار بار	ہم کو تباہ کرتے ہین عباس نامدار
ہے لونڈیون کے باب مین بی بی کو اختیار	کچھ آپ بولتی نہین اس وقت؟ مین نثار

کہیئے جو روکنے کی کوئی اِسکے راہ ہو
اب عنقریب ہے کہ میرا گھر تباہ ہو

اسی طرح کہتے کہتے، اخیر مین کہتی ہین، ع بی بی مین کیا کرون مرے بچے صغیر ہین دیکھو بیقراری کی معذرت مین کسقدر حسرت بھری ہوئی ہے۔ حضرت عباسؑ نے زوجہ کی یہ حالت دیکھی تو ان کو روکا ؎

عباسؑ دیکھتے ہین جو زوجہ کا اضطرار	ہوتا ہے تیر غم جگر ناتوان کے پار
روتے ہین خود، مگر یہ اشارہ ہے بار بار	شوہر کے غم مین یون کوئی ہوتا ہے بیقرار

آؤ ادب سے دلبرِ زہراؑ کے سامنے
روتی ہین لونڈیان کہین آقا کے سامنے

یا مثلاً جب حضرت عباسؑ، حضرت امام حسینؑ کے اصرار اور امتثالِ امر کی بنا پر، دریا سے ہٹ آئے تو حضرت عباسؑ کی شجاعانہ حسرت کو اس طرح ادا کیا ہے۔

شجاعانہ حسرت

کہتے تھے راہ مین کہ نہ زور اپنا چل گیا
افسوس ہے کہ ہات سے دریا نکل گیا

یا مثلاً حضرت عباس نے جب حضرت امام حسینؑ سے خیمہ نصب کرنے کے متعلق دریافت کیا ہے تو، ؎

کچھ سوچ کر امام دوعالم نے یہ کہا	زینبؑ جہان کہین وہین خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹا یہ سنتے ہی عباس باوفا	جاکر قریب محمل زینبؑ یہ دی صدا

سعادتمند چھوٹا بھائی کس ادب سے بڑی بہن سے خطاب کرتا ہے

حاضر ہے جان نثار امام غیور کا
برپا کہان ہو خیمۂ اقدس حضور کا؟

یا مثلاً حضرت زینبؑ نے علی اکبر کو حضرت عباس کے بلانے کے لئے بھیجا ہے تو وہ جاکر مودبانہ طریقہ سے حضرت عباس سے کہتے ہین ع چلیے پھوپی نے یاد کیا ہی حضور کو،-

یا مثلاً جب یہ بحث پیدا ہوئی ہے کہ فوج کا علم کسکو دیا جائے تو حضرت عباس کی بوی اپنے شوہر کا استحقاق اسطرح سے بیان کرتی ہین ؎

خادم شہ دین کے ہین تو عباس علی ہین	اس عہدہ کے لائق جو اگر ہین تو وہی ہین

"جو اگر" غلط ترکیب ہے لیکن مستورات کی زبان کی بعینہ نقل کردینے نے وہ بات پیدا کردی ہے جو صحیح لفظ سے پیدا نہین ہوسکتی تھی،

اس قسم کی صدہا مثالین ہین۔

بلاغت کا ایک نازک موقع وہان پیش آتا ہے جہان حریف مخالف کا ذکر کرنا ہوتا ہے، دشمن کو اگر حقیر اور ذلیل ثابت کیا جائے تو اسکے مقابلہ مین فتحمندی کا مرتبہ گھٹ جاتا ہے، اور شان وشوکت دکھائی جائے تو مذہبی خیال کے خلاف ہوتا ہے، ایسے مشکل موقع پر میر صاحب جس طرح ان دونون

مشکلوں سے عہدہ برآ ہوتے ہیں، اور مدح و ذم کو پہلو بہ پہلو رکھتے ہیں، اس کا اندازہ ذیل کی مثالوں سے ہوگا

بالا قد، وکلفت، وتنومند و خیرہ سر
ناوک پیام مرگ کے، ترکش اجل کا گھر

روئین تن، و سیاہ درون آہنی کمر
تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ وہ سپر

دل میں بدی، طبیعتِ بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

ساتھ اُسکے اور اُسی قد و قامت کا ایک یل
بدکار و بدشعار و ستمگار و پُر دغل

آنکھیں کبود، رنگ سیہ ابروؤں پہ بل
جنگ آزما بھگائے ہوئے لشکروں کے دل

بھالے لئے، کسے ہوئے کمریں ستیز پر
نازاں وہ حرب گرز پہ یہ تیغ تیز پر

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں ؎

نکلا یہ سُنکے غیظ میں اک پہلوان شوم
سرہنگ و پُر غرور و سیہ قلب و نحس و شوم

گیتی سے کی جیا تنگ میں تھی جس شقی کی دھوم
لشکر سے جس کے ہل گئی مقتل کی مرز و بوم

وہ جب تھا کفر و شرک میں طاقت میں گیو تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا

چہرہ مُہیب غیظ سے، آنکھیں لہو کی جام
مُوذی، سیاہ بخت، سیہ دل، سیاہ فام

تھرّائے سام، خوف سے کاندھے پہ وہ حسام
کھاتا تھا لاکھ بل جو کوئی لے علیؑ کا نام

کُندا اسقدر کہ قعر کا، بتلا گناہ کا
دشمن تھا خاندانِ رسالت پناہ کا

ٹکڑے کرے پہاڑ کو وہ گرزِ گاؤ سر

پہنے ہوئے زرہ پہ زرہ، بر میں بدگہر

زنجیر آہنی سے کسے جنگ پر کمر | مُنہ پھیرے جس سے تیغ ودو فولاد کی سپر

دستانے دونون دست تعدی پسند پر
پاکھر بھی آہنی تھی شقی کے سمند پر

ایک اور موقع پر ۵

نکلا اُدھر سے بھر وغا ایک روسیاہ | زور آور و تہمتن و مغرور و کینہ خواہ
کاندھے پہ گرز، بر مین زرہ، خشمگین نگاہ | سر پر مثال قبضہ تیغ آہنی کلاہ

آہن شقی کی تھی کہ رواں رو دنیں تھا
ہیبت مین تھا جو دیو تو ہیکل مین پیل تھا

واقعات کے بیان مین، بلاغت کا ایک بڑا ضروری اصول یہ ہے کہ کہین سے سلسلۂ بیان ٹوٹنے نہ پاے، جب کوئی واقعہ مختلف اور متعدد واقعات پر مشتمل ہوتا ہے تو ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف منتقل ہوتے ہوے اکثر بیان کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے یا زاید اور بھرتی کے لفظ لانے پڑتے ہین جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زبردستی ایک واقعہ کا دوسرے سے پیوند لگایا ہے - مرزا دبیر صاحب کے کلام مین اسکی مثالین کثرت سے ملتی ہین، میر انیس کے اکثر مرثیے، بہت سے متعدد واقعات پر مشتمل ہوتے ہین یہان تک کہ اگر اُن پر الگ الگ نظر ڈالی جاے تو معلوم ہوگا کہ ہر واقعہ ایک جداگانہ مرثیہ کا موضوع ہے لیکن تسلسل بیان کا یہ اثر ہے کہ تمام مختلف واقعات ایک مسلسل زنجیر بن جاتے ہین جسکی تمام کڑیان آپس مین ملی ہوئی نظر آتی ہین،

مثلاً حُر کا ایک مرثیہ لکھا ہے - اسمین حسب ذیل مضامین بیان کئے ہین،

حُر کی مدح وصفت - امام علیہ السلام اور اہلبیت کا میدان جنگ مین آنا - دونون طرف کی طیاریان - حضرت امام حسین علیہ السلام کا وعظ اور اتمام حجت کی تقریر - عمر بن سعد کا حُر کی طرف مخاطب ہونا اور دونون کے

سوال وجواب - حُر کا امام حسینؑ کی طرف رُخ کرنا - حضرت امام حسین علیہ السلام کا بزرگانہ استقبال - حُر کی عفوخواہی اور امام حسین علیہ السلام کا عفو و کرم، حُر کا جنگ کے لئے اجازت طلب ہونا - میدان جنگ مین جانا اور شہید ہونا - مرنے کے وقت حضرت امام حسین کا حُر کے پاس پہنچنا اور نزع کی گفتگو -

یہ مرثیہ بہت بڑا ہے اور ہر واقعہ کو نہایت طول دیکر لکھا ہے - اسلیے پورا مرثیہ اس موقع پر نقل نہین کیا جا سکتا، ہم صرف اُن موقعون کے اشعار نقل کرتے ہین جہان جہان ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف انتقال کیا ہے

مرثیہ حُر کی تعریف سے شروع ہوتا ہے - تعریف کرتے کرتے لڑائی کا ذکر کرتے ہین، ۵

وصف حُر مین ہے زبان معترف عجز و قصور — آمد آمد کی بہادر کا کرون اب مذکور
جب ہوئی مستعد جنگ سپاہ مقہور — مہر افلاک امامت نے کیا رن مین ظہور
غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ زمین پر بھی ستارے نکلے

ہو گئے سرخ شجاعت سے رُخ آلِ نبی — آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے تشنہ لبی
رن مین کڑکا ہوا بجنے لگے باجے غربی — یکہ تازون نے کیا شور مبارز طلبی
ایک گھٹا چھا گئی ڈھالون سے سیہ کارون کی
برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

برچھیان تول کے ہر غول سے اسوار بڑھے — نیزے ہاتون مین سنبھالے ہوئے خونخوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلون مین کماندار بڑھے — بولے شہ، یان سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے

(یہان سے امام حسینؑ کا وعظ و تلقین کی طرف گریز ہے)

اسد حق کے گھرانے کا یہ دستور نہین
مین نبی زادہ ہون سبقت مجھے منظور نہین

یہ سخن کہکے مخاطب ہوے اعدا سے امام — اے سپاہ عرب و مصر و رے و کوفہ و شام

تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام ‌ ‌ پسر مصحف ناطق ہون سنو میرے کلام

سخن حق کی طرف کانون کو مصروف کرو
شور باجون کا مناسب ہو تو موقوف کرو

امام حسینؑ کا وعظ نہایت تفصیل سے لکھا ہے اسکے بعد عمر بن سعد اور حُر کی مخاصمانہ گفتگو اور سوال و جواب کا بیان کرنا تھا، اسکے لیے ربط کلام کا یہ طریقہ نکالا کہ حضرت امام حسینؑ کے وعظ سے تمام فوج متاثر ہوئی یہان تک کہ عمر بن سعد نے حُر کی طرف (ایک افسر فوج کی حیثیت سے) دیکھا کہ یہ کیا رنگ ہے، اسنے کہا اقائم بالکل سچ کہتے ہین اس طرح دونون مین تکرار اور ردوکد کا سلسلہ شروع ہوا اس موقع کے اشعار یہ ہین ؎

شہ کی مظلومی پہ گریان ہوئی ظالم کی سپاہ ‌ ‌ عمر سعد نے کی حُر کے رُخ حُر پہ نگاہ
بولا وہ اشہد باللہ بجا کہتے ہین شاہ ‌ ‌ محسن و منعم و آقا ہے میرا وہ ذیجاہ

انکے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جاے
سخن حق مین جو شک لاے وہ کافر ہو جاے

دونون مین دیر تک رد و قدح ہوتی رہی، اب اس واقعہ کے بیان کرنے کا موقع آیا کہ حُر نے امام حسین کی طرف رخ کیا اور اُن سے جا کر ملگیا، اسکو یون ادا کیا کہ عمر بن سعد حُر سے کہتا ہے کہ خبردار اگر تو نے اُدھر جانے کا قصد کیا تو پرچہ نویس یزید کو خبر کر دین گے اور تیری جان پر آفت آجاے گی، حُر جواب دیتا ہے ؎

عمل خیر سے بہکا نہ مجھے اے ابلیس ‌ ‌ وہی کونین کا مالک ہے وہی راس و رئیس
کیا مجھے دے گا تیرا حاکم ملعون و خسیس ‌ ‌ کچھ تردد نہین، کہدے کہ لکھین پرچہ نویس

ہان سوے ابن شہنشاہ عرب جاتا ہون

لے ستمگر جو بچاتا تھا تو اب جاتا ہون

کہکے یہ ڈاب سے غازی نے نکالی تلوار
سُرخ آنکھین ہوئین ابرو پہ بل آیا یکبار
تن کے دیکھا طرف فوج امامِ ابرار
پانون رکھنے لگا تن تن کے زمین پر رہوار
غل ہوا سیدِ والا کا ولی جاتا ہے
لو طرفدار حسین ابن علی جاتا ہے

کیا دو تین رسالون نے تعاقب ہرچند
حُر کا ہات آتا تو کیسا؟ نہ ملی گرد سمند
کٹتے تھے، ہات مین وہ لیکے جو دوڑے تھے کمند
یہ فرس تھا کہ چھلاوہ، یہ پری تھا کہ پرند
کیا سُبک سوئے چمن بادِ بہاری پہنچی
ہم یہین رہ گئے، وان حُر کی سواری پہنچی

حضرت امام حسینؑ نے عباسِ علمدار کو حُر کے استقبال کو بھیجا، اسکی تقریب یون پیدا کی ہے ؎

یان ہوئے علمِ امامت سے شہِ دین آگاہ
ہنسکے عباس سے فرمایا کہ اے غیرتِ ماہ
میرے لشکر کی طرف ہے، رخِ حُرِ ذیجاہ
سب سے کہدو کہ نہ روکے کوئی اُس شخص کی راہ
جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے
میرا مہمان، میرا عاشق میرے پاس آتا ہے

اسکے بعد حُر کی معذرت خواہی حضرت امام حسینؑ کا عفو، پھر حُر کی طلبی اذن جنگ کو نہایت خوبی اور پُر اثر طریقہ سے ادا کیا ہے پورا مرثیہ پڑہو، اور جہان جہان ایک واقعہ کے بعد، دوسرا واقعہ شروع ہوتا ہے، ان پر غور سے نظر ڈالتے جاؤ تو معلوم ہوگا کہ سلسلہ تقریر کے زور سے مختلف واقعات کو کس خوبصورتی سے ایک لڑی مین پرو دیا ہے۔

بلاغت کی جزئیات بلاغت کے جزئی اسالیب، نہایت مختلف الصورۃ ہین اور چونکہ ہر جگہ ایک نئی صورت پیدا ہوتی ہے اس لئے اُن کی کلیات بمشکل سے قائم ہو سکتے ہین، چند مثالون سے

اس کا اندازہ ہوسکے گا۔

مثال ۱، جب امام حسین علیہ السلام کے تمام عزیز و اقارب و رفقا شہید ہو چکے ہین تو اتفاق سے ایک راہرو کا ادھر گذر ہوا، وہ یہ عبرت انگیز موقع دیکھ کر ٹھہر گیا اور امام علیہ السلام سے واقعہ کی کیفیت پوچھنی شروع کی، آپ نے اپنی مظلومی اور دشمنون کی بے رحمی کی داستان سُنائی، لیکن اپنا نام نہ بتایا، وہ آپ کا صورت شناس نہ تھا، لیکن قراین سے اس کو اشتباہ ہوتا تھا کہ آپ خاندان نبوت سے تعلق رکھتے ہین، بالآخر اسنے کہا کہ ع اظہار اسم اقدس و اعلیٰ مین کیا ہے باک، ،آپ نے جو کچھ اور جس طرح جواب دیا اس کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

یہ تو نہین کہا کہ شہ مشرقین ہون	مولا نے سر جھکا کے کہا مین حسینؑ ہون

اس شعر مین بلاغت کے جو نکتے ہین صرف مذاق صحیح اُن کا احاطہ کرسکتا ہے، تاہم جس حد تک بیان مین آسکتا ہے ہم بیان کرتے ہین،

موقع کی حالت یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ اپنا نام اس حیثیت کے ساتھ بتائین جس سے کسی قدر شرف اور فضیلت کا اظہار ہو، تاکہ پوچھنے والا سمجھ سکے کہ یہ وہی امام حسین ہین جن کا وہ غائبانہ دلدادہ اور مشتاق ہے، لیکن امام ممدوح کو خاکساری مانع آتی ہے، وہ اسپر اکتفا کرتے ہین کہ مین حسینؑ ہون، لیکن چونکہ مُستفسِر، قراین سے اس حد تک پہونچ چُکا ہے کہ محض نام لینے سے بھی غالباً پہچان لے گا، اور اس لیے حسینؑ کہنا بھی گویا اپنے آپ کو، امام کہنا ہے، اس بنا پر نام لینا بھی ایک طرح پر شرف اور فضیلت کا اظہار ہے، اس لئے خالی نام لیتے ہوئے بھی آپ شرما جاتے ہین اور شرم سے آپ کی گردن جھک جاتی ہے اس بنا پر شاعر کہتا ہے کہ ع مولا نے سر جھکا کے کہا مین حسین ہون، لیکن شاعر کو جو امام حسین علیہ السلام کی عظمت کے اثر سے لبریز ہے، گوارا نہین ہوتا کہ آپ کا نام اس سادگی سے لیا جاے، اُس کے نزدیک امام علیہ السلام اگر اپنے آپ کو بادشاہ مشرقین کہتے تو یہ کچھ خودستائی نہ تھی، بلکہ محض ایک واقعہ تھا جس طرح

رسول اللہ اپنے آپ کو رسول اللہ کہتے تھے اور یہ خودستائی نہین خیال کیجاتی تھی، شاعر کے دل مین حسرت ہے کہ کاش امام نے بیان واقعہ ہی کیا ہوتا، اس کو وہ اس طرح ادا کرتا ہے ع یہ تو نہین کہا کہ شہ مشرقین ہون، تاہم اس سے یہ خیال بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کی عالی ظرفی اور شرافت نفس کا بھی اقتضا تھا کہ وہ خاکساری کو بیان واقعہ پر مقدم رکھتے،

اس موقع پر یہ کہے بغیر رہا نہین جاتا کہ اسی واقعہ کو مرزا دبیر صاحب نے اسطرح باندھا ہی ع فرمایا مین حسین علیہ السلام ہون، میرانیس اور مرزا دبیر کے موازنہ کی جو بحث ہے، اُس کے فیصلہ کے لئے دونون کے صرف یہ دونون مصرعے کافی ہین،

مثال ۲، میدان کربلا مین امام علیہ السلام، یزیدیون سے پہلے پہونچے تھے، اور نہر فرات کے قریب اُترے تھے، یزید کی فوج پہونچی تو رئیس فوج نے امام علیہ السلام کی فوج کو وہان سے ہٹا دینا چاہا اور کہا، کہ ؎

ہم گھاٹ روکنے کے لئے آئے ہین ادہر	ہے آج شب کو داخلہ شمر کی خبر

اُن کی آمادگی اور شرارت دیکھ کر، امام علیہ السلام کے رفقا برہم ہوئے، اس موقع کی تصویر اس طرح کھینچتے ہین، ؎

بگڑے ابوثمامہ و سعد فلک سریر جوڑا کمان مین، ابن مظاہر نے ایک تیر	تولی زہیر قین نے شمشیر بے نظیر بولے اسد کہ زجر کے قابل ہین یہ شریر

عابس کو غیظ لشکر بدخو پہ آگیا
غصہ سے بل ہلال کے ابرو پہ آگیا

اُلٹی جناب قاسم ذیشان نے آستین بولے پکڑ کے پنجے زینب کے مہ جبین	قبضہ پہ ہات رکھکے بڑھے اکبر حسین شیرون سے کیا ترائی کو لینگے اہل کین

ابو ثمامہ - سعد - زہیر قین - اسد - عابس - حضرت امام حسینؑ کے رفقا مین سے تھے، حضرت قاسم بھتیجے، حضرت علی اکبر صاحبزادے، اور حضرت زینب کے صاحبزادے آپکے بھانجے تھے، اس موقع پر بلاغت یہ ہے کہ جن لوگون کو جس قدر امام علیہ السلام سے قرب تھا، اُسی نسبت سے اُنکی طیش و آمادگی جنگ کی حالت دکھائی ہے، ابو ثمامہ اور سعد بگڑ کر رہ گئے، اسد نے کہا کہ یہ زجر کے قابل ہین، عابس کو غصہ آگیا، ہلال کے ابرو پر بل پڑ گئے، زہیر قین نے تلوار تول لی، حضرت قاسم نے آستین اُلٹی، حضرت علی اکبر تلوار کے قبضہ پر ہات رکھکے آگے بڑھے، زینب کے صاحبزادون نے نیمچے سنبھال لئے، اس فرق مراتب کو اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ واقعہ کی تصویر کھینچدی ہے،

مثال ۳، جب تمام اعزہ اور احباب شہید ہو چکے، اور صرف علی اکبر کا دم باقی رہ گیا، تو دشمنون نے چاہا کہ امام حسین علیہ السلام انکو بھی میدان جنگ مین بھیجین تا کہ بیٹا باپ کی آنکھون کے سامنے خاک و خون مین ملا دیا جائے، اس غرض سے انہون نے اس طرح امام حسین علیہ السلام کو مخاطب کیا، ؎

اعدا پکارتے تھے کہ یا شاہ دین پناہ	باقی ہے اور کوئی کہ لس ہو چکی سپاہ
عباس سا تو اب کوئی ہوگا نہ خیر خواہ	بھیجو کسی کو جلد کہ ہم دیکھتے ہین راہ

چُننے دو گل پسر کو شہادت کے باغ سے
کب تک بچایئے گا کلیجہ کو، داغ سے

دنیا سے کوچ کر گئے عباسِ نامدار	اب بے چراغ ہے لحدِ شیر کردگار
حضرت کا صبر و شکر ہے عالم پہ آشکار	مثل خلیل کیجئے فرزند کو نثار

آہین نہ بھرئے پیٹ کے سر کو نہ روئیے
جب جانین ہم کہ کھو کے پسر کو نہ روئیے

بھائی کا داغ اور ہے داغ پسر ہے اور	بازو کا درد اور ہے درد جگر ہے اور

قوت بدن کی اور ہے نور نظر ہے اور ۔۔۔ سینہ کا زخم اور ہے درد کمر ہے اور

گر صبر ہے تو گود کے پالے کو بھیجئے
نیزون مین اپنے گیسون والے کو بھیجئے

دشوار ہے اگر غم فرزند نوجوان ۔۔۔ مرنے کو آپ آئیے اے قبلۂ زمان
مشتاق تیر ہین تبر و خنجر و سنان ۔۔۔ جان اپنی دیجیے جو ہے پیاری پسر کی جان

اصغر سے کچھ غرض ہے نہ اکبر سے کام ہے
ہم کو تو آپ کے سر انور سے کام ہے

ان تمام اشعار مین دشمنون کی طنز، تعریض، اور لاگ دلا کر علی اکبر کے بھجوانے کو کس بلاغت کے ساتھ ادا کیا ہے، طنز کا سب سے بڑا نکتہ یہ ہے کہ اسمین واقعیت کا پہلو موجود ہو، کیونکہ سچا طعنہ نہایت سخت اثر کرتا ہے، یہ امر کہ بیٹا بھائی سے زیادہ عزیز ہوتا ہے، ایک بدیہی بات ہے، پھر اس دعوے کو متعدد تمثیلون سے اور زیادہ قطعی کر دیا ہے، یعنی بازو کے درد کو جگر کے درد سے کچھ نسبت نہین، جسم کی طاقت پر آنکھون کی بصارت کو ترجیح ہے، سینہ کے زخم سے کمر کے درد کو کیا نسبت ہے،

امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس کو حضرت علی اکبر سے پہلے میدان جنگ مین بھیجدیا تھا تو اس وجہ سے بھیجا تھا کہ عباس کسی طرح گوارا نہین کرتے تھے کہ انکے ہوتے علی اکبر پر آنچ آجائے" لیکن دشمن اسکی وجہ یہ بتاتے ہین کہ بیٹا بھائی سے زیادہ عزیز ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام حسین کی یہ لڑائی دینداری پر مبنی نہین ہے، ورنہ خدا کی راہ مین بیٹے اور بھائی کی کیا تمیز تھی، بلکہ بیٹے کو خدا کی راہ مین پہلے نثار کرنا تھا جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کیا تھا، پھر یہ بڑھا دیتے ہین کہ آپکا صبر اور شکر تو مسلّم الثبوت ہی بیٹے کیلئے یہ بیقراری کیون؟ ان طنزیہ فقرون مین جن الفاظ سے امام علیہ السلام کو خطاب کیا ہی، بالکل تعریض سے بھرے ہوئے ہین، شاہ دین پناہ - قبلۂ زمان - سر انور - ان سب الفاظ کے یہ معنی کہ آپ اپنے آپ کو ایسا سمجھتے ہین -

مثال ۴۴، واقعہ کربلا کے بعد جب اہل بیت یزید کے دربار مین گئے ہین تو یزید نے اُنسے اسطرح خطاب کیا ہے، ے

تخت کے سامنے روتے ہوئے آئے جو اسیر سرکشی کرکے نہ سر بر ہوئے مجھ سے شبّیر	دیکھ کر سید سجاد کو بولا وہ شریر شکر کرتا ہون کہ خالق نے کیا تمکو حقیر

بیٹھنے کا کہین دنیا مین سہارا نرہا
پنجتن اُٹھ گئے اب زور تمہارا نرہا

ہان کہو آج حمایت کو پیمبر ہین کہان قید مین اُنکی ہوا آل ہے شبّر ہین کہان	کیا ہوئے ابن علی، حیدر صفدر ہین کہان ننگے سر زینب دلگیر ہے سرور ہین کہان

ذبح خنجر سے ہوا جو وہ پدر کس کا ہے
اک ذرا غور سے دیکھو کہ یہ سر کسکا ہے

ان اشعار مین یزید کے کفر اور ارتداد کو ایسے بلیغ اور لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہے جس سے زیادہ خیال مین نہین آسکتا، یزید کو تسلیم ہے کہ سید سجاد یعنی امام زین العابدین اور اہل حرم نہال نبوت کے شاخ و برگ ہین، وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ ان کا جو کچھ زور ہے وہ جناب رسالتؐ پناہ اور آل عبا کے بل پر ہے، باوجود اسکے اس بات پر مسرت ظاہر کرتا ہے کہ ان کا زور نہین رہا، جس کے یہ معنی کہ اُس کو خود رسولؐ اللہ کے دنیا مین نہ رہنے کی خوشی ہے، اس پر بھی اکتفا نہین کرتا، بلکہ صاف صاف کہتا ہے کہ رسولؐ اللہ کہان ہین؟ حسینؓ کہان ہین؟ علیؓ کہان ہین؟ حسن کہان ہین؟ ان سب پر طرہ یہ کہ ان باتون پر خدا کے احسان کا ممنون ہے کہ اُس نے اہل بیت کو خوار اور حقیر کیا، گویا یہ امر خود خدا کو پسند اور مرغوب تھا- اخیر کا مصرع اک ذرا غور سے دیکھو کہ یہ سر کس کا ہے، بلاغت کی جان ہے، غور سے دیکھنے کی فرمائش اسلئے ہے کہ امام زین العابدین کے نزدیک حسین اس پایہ کے

شخص تھے کہ اُنکے سر کا کاٹا جانا اور یزید کے دربار مین حاضر کیا جانا عقل مین نہین آسکتا، اس لئے کہنا ہے کہ شک ہو تو ذرا غور سے دیکھو، ذرا کا لفظ اور زیادہ بلیغ ہے،

مثال ۵، ۵

ٹھہرا رہے تھے سُنکے یہ تاکید خاص و عام
دیکھا کیا شقی یہ نہ حُر نے کیا سلام

چین بر جبین قریب گیا حُرِ نیک نام
کافر سے کیا جُھکے وہ خدا اسی ہو جسکو کام

چین بر جبین قریب جو وہ شیر نر گیا
اللہ رے رعب حق پسر سعد ڈر گیا

ڈر کر کہا عمر نے کہ اے حُر نامور
کتنے جوان صفون مین ہین کتنے ہین نبرد

رن مین سوار تیرے رسالے کے ہین کدھر
حر نے کہا کہ مجھکو کچھ اس کی نہین خبر

دنیا مین زور اپنا ہے اور اپنا ہاتھ ہے
مین ہون کسی طرف نہ کوئی میرے ساتھ ہے

کہنے لگا یہ حُر سے بہ نرمی وہ حیلہ ساز
سر بر نہ ہون گے ہم سے کبھی سرورِ حجاز

مدت سے ہے یزید کو تیری وفا پہ ناز
اب بعد فتح اور بھی ہوگا تو سرفراز

دیر اس مین کیا جو امر قریب الوقوع ہو
تو مصلحت جو دے تو لڑائی شروع ہو

جو اس مین تیری راے وہی ہے مجھے پسند
تھوڑے بہت ہین یاورِ سلطانِ ارجمند

پانی تو تین دن سے ہے پردیسیون پہ بند
بس جائین گے اُٹھا ئیے سوار دنی جب سمند

لشکر مین یان جو لاکھہ دلاور جوان ہین
وان ایک صف ہے جس مین بہتر جوان ہین

آمادہ قتلِ شاہ پہ ہین سب جوان و پیر کیون برچھیان حسینؑ پہ پہلے چلین کہ تیر	کٹتا ہے اب سر پسر شاہ قلعہ گیر حر نے کہا کہ مجھہ سے نہ یہ پوچھہ اے امیر	.

انسان کو اختیار ہے خود اپنے کام مین مجھکو شریک کرتا ہے قتلِ امام مین	

یہ وہ موقع ہے کہ حر جو یزید کے رسالہ کا افسر تھا، اس بات پر آمادہ ہو چکا ہے کہ یزید سے ٹوٹ کر امام علیہ السلام کی فوج مین آجائے، یہ خبر سپہ سالار یعنی ابن سعد کو پہونچی تو وہ حر کو طلب کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسکو رام کر کے، اس ارادہ سے روک لے، باوجود اسکے کہ حر کے ارادہ کی خبر سن چکا ہے اور جب حر اُسکے سامنے گیا تو سلام تک نہ کیا، تاہم ابن سعد اس تجاہل کے ساتھہ پیش آتا ہے کہ گویا اسکو اس واقعہ کی مطلق خبر نہین، بالکل خالی الذہن ہو کر پوچھتا ہے ع رن مین سوار تیرے رسالے کے ہین کدہر، حر نہایت بے پروائی اور گستاخی سے جواب دیتا ہے، ابن سعد اسکو بھی نظر انداز کرتا ہے اور اس فقرے پر چڑھاتا ہے کہ یزید کو مدت سے تیری وفاداری پر ناز ہے، اسکے ساتھہ یہ ثابت کرتا ہے کہ امام علیہ السلام کسی طرح اس معرکہ مین کامیاب نہین ہو سکتے، پھر کس استمالت سے کہتا ہے کہ، ؎

ع تو مصلحت جو دے تو لڑائی شروع ہو،

ع جو اس مین تیری رائے وہی ہے مجھے پسند،

ع کیون برچھیان حسینؑ پہ پہلے چلین کہ تیر،

گو یا کوئی کام حر کے مشورہ کے بغیر کرنا نہین چاہتا۔ اسکے ساتھہ یہ ثابت کرتا جاتا ہے کہ امام علیہ السلام کی فوج نہایت کم ہے، کل ایک صف ہے، اور اسمین بھی صرف بہتر جوان ہین، امام سے لڑنے کے لئے کہتا ہے لیکن اُنکا نام جب لیتا ہے تو کبھی سرورِ حجاز، کبھی سلطانِ ارجمند، کبھی شاہ کے لفظ سے خطاب کرتا ہے، یہ بھی استمالت کا ایک پہلو ہے، کیونکہ اگر صاف صاف امام علیہ السلام کی برائی کیجائے تو ڈر ہے

کہ جگر بالکل ہٹنے سے اُکھڑ جاے،

مثال ۶۔ ص

رخصت طلب ہے شاہ سے اکبر سا لالہ فام	شہزادہ مرنے جاے سلامت ہے غلام
لِلّٰہ روکیے نہ اب اے خواہر امام،	وہ امر کیجیے کہ بڑھے جس سے میرا نام

بیکس ہون ساتھ مان نہین، سر پہ پدر نہین،
مین آپ کا غلام تو ہون گو پسر نہین

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت زینبؑ کے دونون صاحبزادے شہید ہو چکے ہین، اور حضرت عباسؑ میدان جنگ مین جانا چاہتے ہین، لیکن حضرت زینبؑ روکتی ہین، حضرت عباسؑ منت اور لجاجت کرتے ہین کہ للّٰہ نہ روکیے۔

اسکے لیے کس قدر بلیغ پیرایہ اختیار کیا ہے، اول تو اُن کو خواہر امام سے مخاطب کیا ہے، حالانکہ وہ حضرت عباسؑ کی بھی بہن تھین، اس سے علاوہ اس کے کہ اُن کا احترام مقصود ہے، خفیف سا اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ آپ کو مجھہ سے وہ محبت نہین، جو حقیقی بھائی بہن مین ہوتی ہے، اور چونکہ درحقیقت حضرت زینبؑ اُن کی حقیقی بہن نہ تھین، یہ تعریض زیادہ کارگر ہوتی ہے، پھر فرماتے ہین کہ مین بیکس ہون، نہ باپ سر پر ہے نہ مان ساتھ ہے، سب سے کارگر یہ فقرہ ہے کہ ع مین آپ کا غلام تو ہون گو پسر نہین، یعنی اگر آپ کا فرزند ہوتا تو مجھکو بھی اسی طرح اجازت دیتین جس طرح اپنے صاحبزادون کو دی اور اُنھون نے شہادت کی دولت حاصل کی،

مثال ۷، ص

بیکس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے	تم ہو سو تمھین طاقت گفتار نہین ہے

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام مدینۂ منورہ سے روانہ ہو رہے ہین، تمام خاندان کو ساتھ

لیا ہے، لیکن صغریٰ کو باوجود اس کے کہ آپکی حبیبتی بیٹی تھین بیماری کی وجہ سے ساتھہ نہیں لیجاتے، صغریٰ نہایت گریہ وزاری کرتی ہین اور ایک ایک سے سفارش کراتی ہین کہ مجھکو بھی ساتھہ لیتے چلیے لیکن کوئی ہامی نہین بھرتا، اُسوقت علی اصغر سے جو شش ماہہ بچّے تھے، خطاب کرکے کہتی ہین کہ اس وقت میرا اورکوئی مددگار نہین ہے، ایک تم ہو لیکن افسوس تم کو بولنے کی طاقت نہین، تمام لوگون سے مایوس ہوکر ایک بچہ کا سہارا ڈھونڈنا اور پھر یہ خیال کہ وہ بولنے کے قابل نہین، انتہا درجہ کی حسرت اور ناکامی کی تصویر ہے

مثال ۸، ع

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو با دیدۂ نم	جوش مین آگیا اللہ کا دریاے کرم
خود بڑے ہے ہاتون کو پھیلا کے شہنشاہ امم	حُر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اسدم

شکر کر سبط رسول الثقلین آتے ہین
اے برادر تیرے لینے کو حسینؑ آتے ہین

اخیر شعر مین امام حسین علیہ السلام کا نام، جس سادگی سے لیا ہے کمال بلاغت ہے، اس موقع پر اگر بہت سے اوصاف کے ساتھہ انکا نام لیا جاتا تو یہ بات حاصل نہوتی، جب کوئی شخص کمالات وفضائل مین انتہا کے رتبہ تک پہونچ جاتا ہے تو اُس کے نام لینے کے ساتھہ اس کے تمام اوصاف اور کمالات خیال مین آجاتے ہین، ان کے سادہ نام لینے سے اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہے، نظامی نے بھی ایک موقع پر اس اسلوب کو برتا ہے، دارا نے جب سکندر کو خط لکھا ہے تو سکندر کے دعوای ہمسری پر نہایت تعجب اور افسوس ظاہر کیا ہے، اس موقع پر کہتا ہے، ع

فلک بین چہ ظلم آشکارا کند	کہ اسکندر آہنگ دارا کند

دارا نے یہ فرض کیا ہے کہ سکندر کی حقارت اور میری جاہ وعزت اسقدر مسلّمہ عام ہے کہ صرف دونون کا نام لے لینا کافی ہے، چنانچہ کہتا ہے کہ آسمان کا یہ ظلم دیکھو کہ سکندر، دارا کے مقابلہ کا قصد کرتا ہے، لیکن

یہان اس طرز بیان کا موقع نہ تھا، اس لئے سننے والون پر کچھ اثر نہین پڑتا۔ دارا کے زمانہ مین ممکن ہے کہ یہ حالت رہی ہو، لیکن آج سکندر کی عظمت وشان اسقدر مسلم ہے کہ سکندر کے محض نام لینے سے اسکی حقارت کا تصور نہین ہوتا اس لئے شاعر (نظامی) کو چاہیئے تھا کہ وہ اور واقعات سے پہلے سکندر کی ذلت اور حقارت ثابت کرتا، تب یہ طریقہ بیان موثر ہوتا، یہی موقع فردوسی کو بھی عرب وعجم کے مقابلہ مین پیش آیا۔ چونکہ فردوسی بلاغت کے تمام اصول سے واقف تھا اُسنے سمجھا کہ گو اُس زمانہ مین عرب کی وہی حالت تھی، لیکن جس زمانہ مین خود فردوسی موجود ہے وہ حالت بدل گئی ہے، یعنی عرب کی عظمت تمام قلوب پر چھائی ہوئی ہے، اس لئے محض عرب کے نام لینے سے سامعین کے دل مین عرب کی حقارت اور ذلت کا خیال نہین آسکتا اس لئے اُسنے پہلے یہ بیان کیا کہ عرب اونٹ کا دودھ اور گوہ کا گوشت کھایا کرتے تھے، اس طرح اُسنے عرب کی قدیم حالت کی تصویر کھینچدی اور چونکہ بیان واقعی تھا، اس لئے اس کا پورا اثر ہوا۔ ؎

ز شیرِ شتر خوردن و سوسمار		عرب را بجائے رسید است کار	
کہ تختِ کیان را کند آرزو		تفو بر تو اے چرخ گردان تفو	

اس کے ساتھ عجم کا ذکر تخت کے ساتھ کیا، اور عجم کا نام لیا تو کیان کے لفظ سے لیا جو خود شوکت وشان پر دلالت کرتا ہے، اب جب دونون قومون کی ذلت اور عظمت کا نقشہ کھینچ چکا تو یہ الفاظ ع تفو بر تو اے چرخ گردان تفو۔ آج بھی سامعین کے دل مین انقلاب زمانہ پر حسرت کا وہی اثر پیدا کرتے ہین جو اس وقت عجم کے دل مین پیدا ہوا تھا۔

مثال ۹، حُر نے جب یزید کی فوج سے الگ ہوکر امام حسین علیہ السلام کی خدمت مین حاضر ہونا چاہا ہے تو دور ہی سے عفو تقصیر کے لئے اس طرح فریاد کی ہے۔ ؎

ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اِک بار		الغیاث اے جگر وجانِ رسولِ مختار	

مجرم ایسا ہون کہ عصیان کا نہین جسکے شمار
عفو کر عفو کر اے چشمۂ فیضِ غفار

پار دریائے خطا سے میری کشتی ہوجائے
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہوجائے

اے مددگار و معین الضعفا اَدرِکنی
پا نون لغزش مین ہین اے دست خدا اَدرِکنی

اے خبرگیر گروہِ غُربا اَدرِکنی
ہات باندھے ہون مین اے عُقدہ کشا اَدرِکنی

دیجیئے حر کو ستمگار سے آزادی کی
آیئے جلد خبر لیجیئے فریادی کی

میرے اعمال مین ہرچند سراسر ہے بدی
آپ ہین مالکِ سرکارِ جنابِ احدی

ہون گنہگار خدا کے ازلی وابدی
اے خداوند جہان خُذ بیدی خذ بیدی

جو تہیدست ہین تکتے ہین شہنشاہ کا ہات
آپ کا ہات زمانے مین ہے اللہ کا ہات

پھر جب جناب امام علیہ السلام نے اس کی تقصیر معاف کردی ہے اور کمال مہربانی سے پیش آئے ہین تو

حُر پکارا بأبی انت و امی یا شاہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن مین ملجائے یہ راہ

قابلِ عفو نہ تھے بندہ آثم کے گناہ
سب ہے صدقہ انھین قدمونکا خدا ہے آگاہ

ہر ذرہ پہ جو ہو نیّر تاباں ہوجائے
آپ جس مور کو چاہین وہ سلیمان ہوجائے

اس موقع پر میر انیس نے اپنی عادت کے خلاف، متعدد عربی جملے استعمال کئے ہین جو اُردو مین بظاہر غریب اور نامانوس معلوم ہوتے ہین، لیکن ان جملون کی وجہ سے اُس وقت کی حالت کی جو تصویر کھنچ جاتی ہے وہ اور کسی طرح ممکن نہین - دعا - استغاثہ، اور فریاد کے لئے عربی جملے ایک خاص

اثر رکھتے ہین، اور اس سلئے جاہل سے جاہل آدمی بھی جب دعا مانگتا ہے تو عربی ہی الفاظ استعمال کرتا ہے استغاثہ اور فریاد کے وقت بھی اسی قسم کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہین ۔ مثلاً الامان ۔ الغیاث چونکہ حُر عربی النسل ہے اس لئے اس کی زبان سے بعینہ وہ الفاظ جو ان موقعون پر عرب استعمال کرتے ہین، واقعہ کی تصویر کھینچنے کے لئے زیادہ کارگر ہو سکتے ہین، بابی انت وامی فدا اور قربان ہونے کے موقع پر بولتے ہین، اور یہ فقرہ ایسا موثر اور دلنشین ہے کہ اُردو کا کوئی جملہ وہ اثر پیدا نہین کر سکتا تھا ۔

مثال ١٠ ۔ حضرت عباس کو جب امام حسین علیہ السلام نے فوج کا علم عنایت فرمایا ہے تو حضرت زینبؑ اُن سے فرماتی ہین ؎

گھر مین سلامت آئین گے جب سرورِ امم ہاتھون کو جوڑتی ہے یہ بھینا اسیرِ غم	تب دونگی تم کو تہنیت عُہدۂ علم کیجو صلاح صلح کہ لشکر اُدھر ہے کم
تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو بھیّا تمھین سے لے گی بہن اپنے بھائی کو	

اخیر شعر مین معمولی طریقہ کلام یہ تھا کہ مجھکو تم سے بڑی امید ہے اور مین امام حسینؑ کو تمھین سے لونگی ۔ لیکن حضرت زینبؑ نے اپنے آپ کو زہرا کی جائی کہا، اور پھر کہا کہ بہن اپنے بھائی کو تمھین سے لیگی ۔ اس اسلوبِ کلام کے بدل دینے نے جو بلاغت پیدا کی وہ خود ظاہر ہے ۔

مثال ١١ ؎

پرسا تمھین شہید کا دینے کو آئے ہین پیٹے ہین، خاک اُڑائی ہے آنسو بہائے ہین	کس کس کے داغ آج جگر پر اُٹھائے ہین یہ ہم تمھارے لال کے خون مین نہائے ہین

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت علی اکبر شہید ہو چکے ہین اور امام حسین علیہ السلام زنانہ مین تشریف لے گئے ہین اور حضرت زینبؑ سے علی اکبر کی شہادت کا واقعہ بیان فرماتے ہین ۔ اس موقع پر یہ لفظ "تمھارے لال"

ایک خاص اثر پیدا کرتا ہے، علی اکبر امام حسین علیہ السلام کے صاحبزادے تھے لیکن امام علیہ السلام ان کو حضرت زینبؑ کا لال کہکر خطاب کرتے ہین، اور کہتے ہین کہ ہم جو خون مین نہائے ہین، یہ تمھارے لال کا خون ہے، انسان کو رنج و غم کی حالت مین جب کوئی نہایت قریب کا عزیز ہمدرد اور غمگسار مل جاتا ہے تو جوش محبت مین اُس غم کو اپنی ذات کے ساتھ نہین بلکہ اُسی شخص کی طرف منسوب کرتا ہے، گویا اُس سے ایسی ہمدردی کی امید کرتا ہے کہ وہ واقعہ خود اسی شخص پر پیش آیا ہے یہان اس طرز بیان نے زیادہ اثر اس وجہ سے پیدا کیا ہے کہ فی الواقع حضرت زینبؑ کو علی اکبر سے نہایت سخت محبت تھی، علی اکبر کو بچپن سے اُنھی نے پالا تھا اور انکو اپنے بیٹون سے زیادہ عزیز رکھتی تھین۔

مثال ١٢ - جب حضرت عباسؑ نے پانی لانے کے لئے نہر پر جانا چاہا ہے - تو حضرت زینبؑ نے خطرہ کے لحاظ سے ان کو روکنا چاہا - امام حسینؑ بھی ان کا جانا گوارا نہین کرتے - اُسوقت حضرت عباسؑ کی زوجہ حضرت زینبؑ سے کہتی ہین ؎

کہنے لگی یہ زوجۂ عباسؑ خوش صفات	بی بی بھلا یہ کون سے وسواس کی ہے بات
مشکیزہ لیکے گر یہ نجائین سوے فرات	پھر ننھے ننھے بچون کی ہو کسطرح حیات

ہر وقت کبریا سے طلبگار خیر ہون
آگے جو کچھہ سبھون کی رضا مین تو غیر ہون

یہ فقرہ "مین تو غیر ہون" اس موقع پر نہایت موثر اور بلیغ فقرہ ہے - وہ حالانکہ حضرت عباسؑ کی بیوی ہین لیکن اپنے آپ کو غیر کہتی ہین - یہ اس بات کی تعریض ہے کہ میری بات نہ ماننا، گویا مجھکو غیر سمجھنا ہے -

مثال ١٣ - ؎

قیدی ہون ظلم رسیدہ بھی ہون نادار بھی ہون	اس لُٹے قافلے کا قافلہ سالار بھی ہون

یہ وہ موقع ہے کہ ہند (یزید کی بیوی) قیدخانہ کے دیکھنے کے لئے گئی ہے، وہان امام زین العابدینؑ

کو قید مین دیکھہ کر نام و نسب پوچھا ہے اور امام موصوف نے جواب دیا ہے - اس شعر مین قافلے کے ساتھہ لُٹے کی قید نے نہایت بلاغت پیدا کی ہے - حسرت اور رنج کے اظہار کا یہ انتہائی درجہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو، ایک ظاہری معزز لقب سے یاد کرتا ہے اور ساتھہ ہی ایک دوسرا لفظ بھی ایسا استعمال کرتا ہے جس سے وہ معزز لقب، اور زیادہ ناکامی اور حرمان ثابت کرتا ہے - امام زین العابدین ع نے اپنے آپ کو قافلہ سالار کہا، لیکن یہ بھی کہدیا کہ لُٹے قافلے کا قافلہ سالار ہون -

مثال ۱۴۱ء

یہ سخن کہہ کے مخاطب ہوے اعدا سے امام تم پہ کرتا ہے حسین ع آخری حجت کو تمام	اے سپاہ عرب و مصر و رے و کوفہ و شام پسر مصحف ناطق ہون، سنو مجھہ سے کلام

سخنِ حق کی طرف کانون کو مصروف کرو
شور باجون کا مناسب ہو تو موقوف کرو

تیسرے شعر مین "مناسب ہو" کے جملہ معترضہ نے نہایت بلاغت پیدا کی ہے چونکہ وعظ اور پند کا موقع ہے اور یزیدیون سے توقع بھی نہ تھی کہ وہ امامؑ کی کسی بات کو جو تحکم کے لہجہ مین کہی جاتی قبول کرتے - اس لئے اُنھین کی مرضی پر رکھا گیا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو باجون کا شور ذرا موقوف کردو

استعارات و تشبیہات یہ چیزین حُسن کلام کا زیور ہین بلکہ سچ یہ ہے کہ نظم و نثر اور تقریر و تحریر مین جو کچھہ جادوگری ہے بہت کچھہ انھی کی بدولت ہے، لیکن جسطرح ہر چیز جب تک نیچرل حالت مین رہتی ہے، اس کا اصلی حُسن قائم رہتا ہے، جب تکلف اور تصنع شروع ہوتا ہے تو اثر مین کمی آجاتی ہے، اسی طرح تشبیہ اور استعارہ مین بھی جب بقصد و تکلف، غرابت اور غیر معتدل ندرت پیدا کی جاتی ہے تو اصلی اثر جاتا رہتا ہے -

اُردو کی شاعری مین جس طرح اور بہت سے بے معنی تکلفات پیدا ہوگئے ہین جنھون نے شاعری کا اصلی جوہر خاک مین ملا دیا ہے، اسی طرح تشبیہات و استعارات کی حالت بھی بالکل بدل گئی ہے، اور لطف یہ کہ

آجکل کے اہل سخن بدمذاقی سے، اسی کو کمالِ سخن سمجھتے ہین۔

انسان مین فطرۃً یہ بات پیدا کی گئی ہے کہ وہ اشیا کی تصویر سے لطف اُٹھاتا ہے، ایک بدصورت حبشی ہمارے سامنے آئے تو ہم کو نفرت ہوگی، لیکن اگر کوئی ہوبہو اس کی تصویر کھینچدے تو ہم کو لطف آے گا اور جسقدر وہ زیادہ اصل کے مطابق ہوگی اُسی قدر طبیعت پر لطف اور استعجاب کا زیادہ اثر ہوگا چونکہ تشبیہ بھی ایک قسم کی تصویر ہے، اس لئے طبیعت کا اس سے محظوظ اور متلذذ ہونا ایک فطرتی امر ہے۔

تشبیہ کی دو قسمین ہین۔ مفرد۔ مرکب، مفرد جس طرح چہرہ کو پھول سے تشبیہ دیجاے، مرکب جسطرح کہا جاے کہ میدان جنگ مین گرد اُٹھی تو اُسمین تلوارین اسطرح چمکتی تھین جسطرح شب کو ستارے ٹوٹتے ہین۔

مفرد تشبیہ مین چندان جدت نہین ہوسکتی اوّلاً تو اسوجہ سے کہ مفرد چیزون کی طرف ہر شخص کا خیال منتقل ہوسکتا ہے، ثانیاً مدت سے شعرا، اور اہل قلم اس قسم کی تشبیہ سے کام لے رہے ہین، اس لئے عالم قدرت مین جو چیزین تشبیہ کے قابل تھین، اکثر کام مین آچکین، مثلاً چہرہ کو پھول۔ آفتاب، مہتاب، آئینہ، سے تشبیہ دے سکتے تھے، سُو سُو سو دفعہ دے چکے، اب عالم فطرت مین کوئی نئی چیز پیدا ہو تو چہرہ کی تشبیہ مین بھی جدت پیدا ہو۔

البتہ مرکب تشبیہ مین ہر وقت جدت پیدا ہوسکتی ہے کیونکہ اول تو ترکیب کی ہزارون صورتین ہین، دوسرے یہ کہ چند اشیا کی ترکیب سے جو مجموعی ہیئت پیدا ہوتی ہے اُس کی طرف ہر شخص کا خیال نہین منتقل ہوسکتا۔

ایک نکتہ اور سمجھ لینے کے قابل ہے، تشبیہ کی اصلی خوبی یہ ہے کہ مشبّہ کی تصویر آنکھون مین پھر جائے اور نیچرل شاعری مین جیسا کہ قدماے عرب کی شاعری تھی، تمام تشبیہین اسی قسم کی ہوتی تھین، لیکن ایک مدت سے ایشیائی شاعری، نیچرل حالت سے دور پڑ گئی ہے اس لئے آج اس قسم کی تشبیہات کا ڈھونڈنا بیفائدہ ہے، تاہم تشبیہ کی خوبیان جسقدر میر انیس صاحب کے کلام مین پائی جاتی ہین، اُردو زبان مین ان کی نظیر نہین

مل سکتی، اُنکی تشبیہات مین جو خصوصیات ہین اُنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) اکثر تشبیہات مُرکب ہین۔

(۲) اکثر تشبیہات قریب الفہم اور سریع الانتقال الی الذہن ہین، اور یہی تشبیہ کا بڑا کمال ہے۔

(۳) علمائے معانی نے لکھا ہے کہ تشبیہ کی غرض کبھی مُشبّہ کی رفعت اور حُسن، اور کبھی تحقیر اور ذلت، اور کبھی رعب وہیبت ہوتی ہے، یہ باتین میر انیس کی تشبیہات مین کمال کے درجہ پر پائی جاتی ہین، مثلاً حضرت عباس پر جب ہر طرف سے برچھیان چلنے لگی ہین تو اس حالت کو اس طرح ظاہر کیا ہے ؎

یون برچھیان تھین چار طرف اُس جناب کے	جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

برچھیون سے زخمی ہونا شکست اور مغلوبیت کی حالت ہے اس لئے اس کے بیان کرنے سے ذلت کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس تشبیہ نے حالت بدل دی۔

یا مثلاً جب حضرت عباس کے دونون ہات تلوار سے کٹ کر گر پڑے اور اُنھون نے مشک کو دانتون سے پکڑ لیا تو اس حالت کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔

ع مشکیزہ تھا کہ شیر کے مُنہ مین شکار تھا

مشکیزہ کا مُنہ مین لینا ایک بدنما صورت ہے، لیکن اس تشبیہ نے بدنمائی کے بجائے شان پیدا کردی

یا مثلاً جب تمام اہل بیت ایک ہی رسی مین قید کئے گئے ہین تو اس حالت کو اس طرح بیان کیا ہے ؎

گردنین بارہ اسیرون کی ہین اور ایک رسن	جسطرح رشتۂ گلدستہ مین، گلہائے چمن

رسی مین باندھا جانا اور وہ بھی ایک ہی رسی مین، بظاہر نہایت ذلت نما حالت تھی لیکن تشبیہ نے بدنمائی کو حُسن سے بدل دیا۔

یا مثلاً یہ شعر ؎

مقتل مین کیا ہجوم تھا اُس نورعین پر	پروانے گر رہے تھے چراغِ حسین پر

یا مثلاً اُن اشعار مین تشبیہ سے دشمن کی ہیبت او بدنمائی پیدا کی ہے ؎

کہتی تھی یہ زرہ بدنِ بدخصال مین	پکڑا ہے پیل مست کو لوہے کے جال مین

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا ؎

سینے کے تھے کواڑ کہ خیبر کا بند باب	تنوّر گرم تھا شکم خانمان خراب
جوش غضب سے سرخ ہوئی چشم نابکار	مثل تنور مُنہ سے نکلنے لگا بخار

(۴) محسوسات سے جو تشبیہ دیجاتی ہے نہایت عمدہ خیال کیجاتی ہے، کیونکہ محسوسات رات دن محسوس ہوتے رہتے ہین، اس لئے اُن کے ذکر کے ساتھہ فوراً اُن کی صورت ذہن مین آجاتی ہے اور اس لئے مُشبّہ کی تصویر بھی آنکھون مین پھر جاتی ہے، اس قسم کی تشبیہات میر انیس کے ہان کثرت سے ہین مثلاً بھاگڑ اور اضطراب کا بیان، ؎

یون روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے	جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

تلوار کی تعریف ؎

جوشن کو کاٹ جاتی تھی یون آ کے اوج سے	پیراک جس طرح نکل آتا ہے موج سے
کالی وہ ڈانڈ اور وہ چمکتی ہوئی سنان	غل تھا کہ اژدہا ہے نکالے ہوئے زبان

یا مثلاً دو حریف برچھیون سے ایک دوسرے پر وار کر رہے ہین اور برچھیون کی انیان باہم ٹکراتی ہین

ع دو سانپ گتھہ گئے تھے زبانین نکال کے

اسی حالت کی ایک اور تشبیہ،

ع شمعون کی تھین لوین کہ ملین اور جدا ہوئین۔

تعزیہ خانے مین لوگون کا سیاہ ماتمی لباس، ؎

مردم سیاہ پوش ہین سب اور گھر سفید	جیسے بیاضِ چشم اِدھر اور اُدھر سفید

حضرت علی اکبر کا چھوٹا سا نیزہ، دشمن کے بھالے سے ٹکراتا ہے،

ع غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا۔

غیظ اور غضب کی حالت، ؎

یون غیظ تھا عمر کی طلب سے دلیر کو	جس طرح ٹوک دے، کوئی غصہ مین شیر کو

ڈھال پر تلوار کو آسانی سے روک لینا، ؎

یون روکتے تھے ڈھال پہ تیغ جہول کو	جس طرح روک لے کوئی شہزور پھول کو

خزان کے موسم مین پتون کی حالت،

ع پتے برنگ چہرۂ مدقوق زرد تھے۔

(۵) بعض جگہ تشبیہ سے مبالغہ مقصود ہوتا ہے، اس قسم کی تشبیہین میر صاحب کے ہان نہایت اعلیٰ درجہ کی پائی جاتی ہین، اگرچہ فی الحقیقت اُن سے تشبیہ کی اصلی غرض نہین حاصل ہوتی کیونکہ مبالغہ خود ایسی چیز ہے جو اصلیت سے دور کردیتی ہے۔

گرمی کی شدت کا بیان، ؎

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان	انگارے تھے حباب، تو پانی شرر فشان تہ مین تھے سب نہنگ، مگر تھی لبون پہ جان

پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

اب ہم چند اشعار ہر قسم کی تشبیہ کے ایک جا نقل کرتے ہین، جن سے اندازہ ہوگا کہ میر صاحب نے تشبیہ مین کیا کیا لطافتین اور نزاکتین پیدا کی ہین ؎

کُھنی سے دونون ہات جدا تن سے سر جدا	ہر نخل قد کی شاخ جدا اور ثمر جدا

ہر سنگ ریزہ نور سے دُرِّ خوش آب تھا		لہرین جو تھین کرن - تو ہمہ نور آفتاب تھا	

ع ہم لوگ زمانہ مین حُباب لب جو ہین ؎

ہلنے لگے درخت لرزنے لگے جبال		سبزہ نہ تھا کھڑے تھے بدن پر زمین کے بال	

ع چلنے مین نیزے کانپتے تھے مثل پارے بید ؎

یہ غیظ تھا عمر کی طلب سے دلیر کو		جس طرح ٹوک دے کوئی غصہ مین شیر کو	
گھوڑے کی تعریف سرعت مین تھا ہرن تو وغا مین ہزبر تھا	ولہ	پستی مین سیل تھا تو بلندی مین ابر تھا	
پھولون کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے	ولہ	تھالے بھی نخل کے سبد گل فروش تھے	
اک گھٹا چھا گئی ڈھالون سے سیاہ کارون کی	ولہ	برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی	

ع لہراتی ہے کیا نہر مثال شکم مار -

ع افلاک ہنڈولے کی طرح تھے تہ و بالا ؎

یارب ترا نام پاک جپنے کے لئے		گویا اک ہڈیون کا مالا ہون مین
اڑ کر گری زمین پہ سنان اس کمان سے	ولہ	گرتا ہے جیسے تیر شہاب آسمان سے
گر میان تھی، تو تیغ دم امتحان نہ تھی	ولہ	یہ طرفہ بات تھی کہ دہن تھا زبان نہ تھی
یون جلوہ گر زرہ مین تن سرخ فام تھا	ولہ	گویا بجھا ہوا چمنستان مین دام تھا
چپ ہون مگر زبان ہے وہی اپنے کام مین	ولہ	گویا کہ ذوالفقار علی ہے نیام مین
ناخن نے دکھایا جو رخ جلوہ گر اپنا	ولہ	شرما کے مہ نو نے جھکایا ہے سر اپنا

ع رہوار کیا، ہوا پہ سلیمان کا تخت تھا -

پلکون اور آنکھونکی تشبیہ ع بیٹھا ہے شیر پنجہ کو ٹیکے ترائی مین ؎

کالی وہ ڈانڈ اور وہ چمکتی ہوئی سنان		غل تھا کہ اژدہا ہے نکالے ہوئے زبان

ع ذرّے نہ تھے زمین پہ سونے کے پھول تھے۔

	کھا کھا کے اُوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا		تھا موتیون سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

ع کھُلتی تھین اور حبابون کی آنکھین جھپکتی تھین۔

	جل کر کبھی بڑھا کبھی پیچھے سرک گیا		شعلہ تھا آگ کا کہ بجھا اور بھڑک گیا

ع اعدا کا لہو تیغ کی باچھون مین بھرا تھا۔

	تلوارین منہ چھُپاے تھین سایہ مین ڈھال کے		خنجر بھی رہ گئے تھے زبانین نکال کے
	غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے	ولہ	اے فلک دیکھ زمین پر بھی ستارے نکلے
گھوڑا	سیماب تھا زمین پہ فلک پر سحاب تھا	ولہ	دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا
	آیا گیا فرس جو سمٹ کر ادھر اُدھر		ڈھالون کا ابر رہ گیا پھٹ کر ادھر اُدھر
	حملہ غضب ہے بازوے شاہ حجاز کا		لنگر نہ ٹوٹ جاے زمین کے جہاز کا
	ڈر سے ہوا فرات کی موجون کو اضطراب		اور آب مین سرون کو چھپانے لگے حباب
تلوار	کڑیون سے یون زرہ کی نکل جاتی تھی شتاب سرکش تھے باد کبر سے جو خانمان خراب		جس طرح دام سے نکل آتی ہے موج آب خود اُن کے گر کے ٹوٹ گئے صورتِ حباب
گرمی کی شدت	خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب	ولہ	خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب
تلوار کی ہیبت	ہر چند مچھلیان تھین زرہ پوش سر بسر بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر	ولہ	منہ کھولے چھپتی پھرتی تھین لیکن ادھر ادھر تھے تہ نشین نہنگ مگر آب تھے جگر

دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پانون مین چھالے حباب کے

ع ہو گیا جوڑ کے ہاتون کو جلاجل خاموش ہ

تیغون کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالون کا ہوش تھا		نیزہ ہر اک سوار کو اک بار دوش تھا	
خاک اُڑتی تھی مُنہ پہ حرم شیر خدا کے		تھا چین پہ جبین فرس بھی جھونکون سے ہوا کے	

صنائع و بدائع اگرچہ اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ بعض صنائع ایسے بھی ہین کہ اگر بے تکلفی سے آجائین تو کلام مین حسن پیدا ہوجاتا ہے لیکن عام حالت یہ ہے کہ اکثر صنائع و بدائع شاعری اور انشاپردازی کا دیباچۂ زوال ہین۔

میر انیس جس زمانے مین تھے، شاعری کا مدار صنائع و بدائع پر رہ گیا تھا، مبالغہ، ابہام اور مناسبات لفظی، یہی چیزین شاعری کا کمال خیال کیجاتی تھین، میر انیس کو انھین لوگون مین رہنا سہنا تھا، انہی سے داد سخن لینی تھی، اور زیادہ سچ یہ ہے کہ انہی کی قدردانی پر معاش اور ضروریاتِ زندگی کا انحصار تھا، ایسی حالت مین کیونکر ممکن تھا کہ وہ زمانہ کی حکومت سے آزاد رہتے، وہ جانتے تھے کہ جس شاعری کو وہ زندہ کرنا چاہتے ہین صنائع و بدائع اسکے چہرہ کے داغ ہین، لیکن انہون نے مجبوراً اسکو گوارا کیا، یہ صرف قیاس نہین بلکہ مستند اور صحیح روایت سے ثابت ہے، میرے ایک معزز دوست نے خود میر انیس سے پوچھا کہ کیا آپ لفظی رعایتون اور صنائع و بدائع کو پسند کرتے ہین، انہون نے جواب دیا کہ "نہین، لیکن آخر لکھنو مین رہنا ہے"، تاہم میر انیس نے یہ کیا کہ جو صنعتین محض لغو تھین مثلاً صنعت اہمال اور لزوم مالایلزم وغیرہ وہ نہایت کم برتین اور جسقدر برتین ان سے صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ اس جولانگاہ مین بھی وہ بھی حریفون سے پیچھے نہین، باقی صنعتون کو انہون نے اس طرح برتا کہ کلام کی اصلی خوبی یعنی برجستگی۔ صفائی اور سادگی مین فرق نہ آنے پائے - ہم اُن تمام صنعتون کی کچھ کچھ مثالین نقل کرتے ہین جو میر صاحب کے کلام مین پائی جاتی ہین۔

ایہام "کے یہ معنی ہین کہ ایک لفظ کے دو معنی ہون، ایک معنی مراد ہون، اور دوسرے معنی مراد نہون، لیکن مقدم اور مؤخر الفاظ سے اسکو مناسبت ہو، مثلاً ع اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھون،

رنگ کے دو معنی ہین، ایک تو وہی معمولی رنگ، دوسرے، طرح - قسم - طرز - یہان یہی پہلے معنی مراد ہین، یعنی پھول کے مضمون کو مین سو طرح سے باندہ سکتا ہون، یہان پہلے معنی مراد نہین، لیکن گُل سے اسکو مناسبت ہے، یہ صنعت اگر بیساختگی اور بے تکلفی سے برتی جائے تو کلام مین نہایت حسن پیدا ہوجاتا ہے، قدما مین یہ صنعت بالکل متروک تھی، **سلمان ساوجی** نے اسکی ابتدا کی اور اس مین نہایت غلو کیا تاہم اکثر جگہہ نہایت بے تکلفی سے بھی استعمال کیا ہے -

سلمان کے بعد خواجہ حافظ کے کلام مین کہین کہین اسکا پتہ لگتا ہے، لیکن پھر کسی نے اسکی طرف توجہ نہین کی، اُردو مین ابتدا ہی سے اسکی طرف میلان رہا، میر انیس کے زمانہ تک اسکو رواج عام ہوچکا تھا، اور یہ صنعت مضمون بندی کی ایک بڑی عمدہ صنعت خیال کی جاتی تھی، میر انیس صاحب نے بھی عوام پسندی کی بنا پر یہ صنعت نہایت کثرت سے برتی ہے، لیکن اکثر جگہہ نہایت بے تکلفی سے ادا ہوئی ہے، چند مثالین ذیل مین درج ہین ؎

تلوار کی زبان سے	جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے بجائے	اقلیم سخن میری قلمرو سے بجائے
	ہر چند کہ ہون خسروِ اقلیم سخن	پر غیر دوات کچھہ قلمرو مین نہین
	تعریف مین چشمہ کو سمندر سے ملادون	قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملادون
	کیا خوف ان کو نہر پہ گر روک ٹوک ہے	نیزہ نہین جو پاس تو اس مین بھی نوک ہے
	بت توڑ دیئے ہین جو سو سو دیر گئی ہون	خندق کو تو دو ہاتھہ مین مین پیر گئی ہون

ع چلاتی تھین پریان کہ خدا جان بچائے، (جان جن کو بھی کہتے ہین)

ع دم اور بڑہ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے، (دم خون کو بھی کہتے ہین)

ع سب فوج کی تیغین تھین اور اک شاہ کا دم تھا، (دم تلوار کی باڑہ کو بھی کہتے ہین) ؎

ڈھالون کا دور برچھیون کا اوج ہوگیا	ہنگام ظہر خاتمۂ فوج ہوگیا

کچھ گل فقط نہ کرتے تھے رب علا کی مدح		ہر خار کو بھی نوک زبان تھی خدا کی مدح
کم نہ کچھ مرتبہ آل عبا ہووے گا	ولہ	عاصیون کا اسی پردہ مین بھلا ہویگا

ع اک ایک کوس راہ جبل مین پہاڑ تھا،

ع غل پڑ گیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی،

ع سر دھڑ سے گر پڑا تو جسد کو خبر ہوئی،

ع ایسا گنہ کیا ہے کہ کچھ جسکی حد نہین، (حد گناہ کی سزا کو بھی کہتے ہین)

ع دریا لہو کا پیر گئی چار ہاتھ مین، ۹

پیدل مین تھی نہ جان، نہ دم تھا سوار مین		ٹوٹی ہوئی صفین تھین بھلا کس قطار مین
ایسا کوئی طفلی مین نمودار نہ ہوگا	ولہ	ہات ایسا تو جعفر کا بھی طیار نہو گا
اللہ رے سخن کی تیرے تاثیر انیس	ولہ	رو دیتے ہین مثل شمع جلنے والے
آکر بزم عزا سے شہ مین رونا	ولہ	ہر آنکھ پہ فرض عین ہو جاتا ہے

ع حسرت ہے کہ خواب مین بھی رویا کیجے، (عربی مین رویا کے معنی خواب کے ہین)

ع چُپ ہون مگر زبان ہے وہی اپنے کام مین، (کام فارسی مین تالو کو کہتے ہین)

ع آب بقا بھی ہو تو میرے کام کا نہین،

مبالغہ، قدما کے نزدیک مبالغہ اُس حد تک ممدوح تھا کہ کسی وصف کو ایک لطیف پیرایہ مین معمولی حالت سے کچھ بڑھ کر بیان کیا جائے، لیکن جب حد سے بڑھا تو عیب اور نقص ہو گیا، فن بلاغت کے امام، ابن قدامہ نے نقد الشعر مین اسکی مثال مین ابو نواس کا یہ مصرعہ نقل کیا ہے ـــ

یا امین اللہ عش ابدا، ـــــ اے خدا کے امین! تو ہمیشہ زندہ رہ،

امام موصوف نے لکھا ہے کہ کسی شخص کا ہمیشہ زندہ رہنا ناممکن ہے، اس لئے یہ مبالغہ معیوب

اور قبیح ہے، شعراے عرب، اس قسم کا مبالغہ کرنا چاہتے تھے تو پہلے امکان کی شرط لگا دیتے تھے، یعنی اگر یہ ممکن ہوتا تو یون ہوتا، ابو تمام کہتا ہے ؎

ولو انّ مشتاقاً تکلف فوق ما	فی وسعہ لمشی الیک المنبر

یعنی اگر کوئی مشتاق اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کرسکتا، تو ممبر خود تیرے پاس چلا آتا، لیکن عرب مین بھی جب تکلف اور تصنع زیادہ بڑھا اور صحیح مذاق مفقود ہوگیا تو مبالغہ کی یہی خوبی رہ گئی کہ مستبعد اور ناممکن ہو، اور جس قدر زیادہ ناممکن ہو، اسی قدر زیادہ اسکا کمال ہے، اب یہ حالت پہونچ گئی کہ سودا گھوڑے کی تعریف مین کہتے ہین ؎

روبرو سے اگر آئینہ کے اس گلگون کو	ق	پھینکدے لیکے کبھی شرق سے تو غرب تلک
اتنے عرصہ مین پھر آسے تو اسے باور کر		عکس بھی آئینہ سے ہونے نپائے منفک

میر انیس کے زمانہ مین، مبالغہ کمال کی حد کو پہونچ چکا تھا اور یہ حالت ہوگئی تھی کہ جب تک مبالغہ مین انتہا درجہ کا استبعاد نہین ہوتا تھا، سامعین کو مزا نہین آتا تھا، مجبوراً میر صاحب نے بھی وہی روش اختیار کی لیکن چونکہ ان کی اصل فطرت مین سلامت روی اور اعتدال تھا، اس لئے اس میدان مین وہ اپنے حریف مرزا دبیر سے بہت پیچھے رہ گئے، اور یہی بات ہے جسکی بنا پر اُن کے حریف کہتے ہین کہ وہ خیال بندی اور مضمون آفرینی مین مرزا دبیر کا مقابلہ نہین کرسکتے۔

بہرحال ان کے مبالغہ کا نمونہ یہ ہے، گرمی کی شدت کے بیان مین لکھتے ہین ؎

وہ لون وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تپ	کالا تھا رنگ دہوپ سے دن کا مثال شب
خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوے تھے لب	خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب

سرخی اُڑی تھی پھولون سے، سبزی گیاہ سے
سایہ کنوین مین اُترا تھا پانی کی چاہ سے

آب رواں سے منہ نہ اُٹھاتے تھے جانور	جنگل مین چھپتے پھرتے تھے طائر ادھر اُدھر

مردم تھے سات پردون کے اندر عرق مین تر
خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر

گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ مین
پڑ جائین لاکھ آبلے پائے نگاہ مین

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تپ کی تاب
چھپنے کو برق چاہتی تھی دامن سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجون کو اضطراب
کافور صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب

بھڑکی تھی آگ گنبد چرخ اثیر مین
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر مین

شیر اُٹھتے تھے نہ خوف کے مارے کچھار سے
آہو نہ مُنہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
گردون کو تپ چڑھی تھی زمین کے بخار سے

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بُھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان
انگارے تھے حُباب، تو پانی شرر فشان
مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان
تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان

پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

گھوڑے کی تعریف

اس کی ثنا اگر کوئی لائے زبان پر
ساکن جو حرف ہو وہ نہ آئے زبان پر
گُل کی طرح اشارے مین سو بار پھیر لو
بجلی ہے جس طرف دم پیکار پھیر لو
کاوے مین شکل گنبد دوار پھیر لو
نقطے کے گرد صورت پرکار پھیر لو

دوڑے بروے آب تو پُتلی بھی تر نہو

	آنکھون مین یون بھرے کہ مژہ کو خبر نہو	

حُسن التعلیل، یہ ایک لطیف صنعت ہے، اسکی حقیقت یہ ہے کہ شاعر ایک ایسی چیز کو کسی چیز کی علت فرض کرتا ہے، جو درحقیقت اسکی علت نہین، مثلاً ؎

	بسان جادہ کسیکو تو راہ مت بتلا		بھلائی جو کرے دنیا مین ہووے وہ پامال	

جادہ یعنی راستہ پامال ہوتا ہے، شاعر اسکی یہ وجہ قرار دیتا ہے کہ راستہ لوگون سے بھلائی کرتا ہے اس لئے پامال ہے، یہ ایک قسم کی تخئیل ہے اور اس لحاظ سے یہ صنعت عین شاعری ہے کیونکہ شاعری درحقیقت تخئیل کا نام ہے، اس صنعت مین اسوقت زیادہ لطافت پیدا ہوجاتی ہے جب وہ وصف بھی جسکی علت بیان کرنی ہے تخئیل پر مبنی ہو مثلاً میر انیس کا یہ شعر ؎

	اور آب مین سرون کو چھپانے لگے حباب		ڈر سے ہوا فرات کی موجون کو اضطراب	

موجون کے اضطراب، اور حباب کے سر چھپانے کی علّت، ڈر اور خوف کو قرار دیا ہے، لیکن موج کا اضطراب، اور حباب کا پانی مین سر چھپانا، خود کوئی واقعی چیز نہین، بلکہ شاعر نے موج کی حرکت کو اضطراب قرار دیا ہے اور حباب جو ٹوٹ جاتا ہے، تو اسکو فرض کیا ہے، کہ اُس نے پانی مین مُنہ چھپا لیا، اس صنعت کو میر انیس نے اکثر جگہہ نہایت خوبی سے برتا ہے،

گرمی کی شدت

ع تیغین برہنہ ہوگئی تھین چوم کر نیام، ؎

	ساحل سے سر پٹکتی تھین موجین فرات کی	ولہ	پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی
	ٹوٹا یہ مورچہ وہ رسالہ بگڑ گیا جو رہ گیا نشان وہ خجالت سے گڑ گیا	ولہ	یہ حُسن کے تہلکہ صفت اعدا مین پڑ گیا ہر غول مین علم سے علم جھک کے لڑ گیا
	تیغین بھی نیامون مین چرا تھین دم اپنے	ولہ	ڈر سے نہ بڑھاتے تھے جو سرکش قدم اپنے
	ہوگیا جوڑ کے ہاتھون کو جلاجل خاموش	ولہ	تھم گیا، طبل وغا کی بھی، وہ آواز کا جوش

ع اکبر سے بھی وغا مین کچھہ آگے بڑھی رہی، (حضرت علی اکبر کی تلوار کی تعریف) ؎

ہرچند مچھلیان تھین زرہ پوش سر بسر — موںہہ کھولے چھپتی پھرتی تھین لیکن ادھر ادھر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر — تھے تہ نشین نہنگ، مگر آب تھے جگر

دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پانون مین چھالے حباب کے

خاک اڑتی تھی موںہہ پہ حرم شیر خدا کے — تھا چین بجبین فرش بھی جھونکون سے ہوا کے

ع ڈھالون کا یہ عالم تھا کہ چھپتی تھین پس پشت،

صنعت طباق، یعنی دو متضاد یا مقابل چیزون کو یکجا جمع کرنا، میر انیس نے اس صنعت کو اکثر برتا ہے، اور نہایت بے تکلفی کے ساتھہ برتا ہے۔

ع کھلتا نہین کچھہ آپ نے کیون باندھے ہین ہتیار، ؎

ہات باندھے ہے ہون مین اے عقدہ کشا ادرکنی		پانون لغزش مین ہین اے دست خدا ادرکنی
میری قدر کر اے زمین سخن	ولہ	کہ مین نے تجھے آسمان کردیا
یہ فصل اور یہ بزم عزا یادگار ہے	ولہ	پیری کے ولولے ہین خزان کی بہار ہے

ع گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے، ؎

استادہ آب مین یہ روانی خدا کی شان	پانی مین آگ آگ مین پانی خدا کی شان

ع بانو! یہ رہے یاد نہین بھول نجانا،

ع فاقے سے تین دن کے مگر زندگی سے سیر، ؎

پانی نہ تھا وضو جو کرین وہ فلک جناب	پر تھی رخون پہ خاک تیمم سے طرفہ آب
نیزہ ہلا کے شاہ پہ آیا وہ خود پسند	مشکل کشا کے لعل نے کھولے تمام بند

ع تو عالم و دانا ہے کہ مین ہیچمدان ہون،

ع ثابت ہوا کب صف اول ہوئی آخر،

ع پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا زور،

ع قرآن مین کیا خفی ہے کہ ہم پر جلی نہین ؎

پیچھے کبھی قافلے سے رہتا نہ انیس		اے عمر دراز! تیری کوتاہی ہے	

ع نیزون سے کہین عقدۂ کشا بند ہوا ہے،

مراعات النظیر یعنی الفاظ کی رعایت، یہ وہی صنعت ہے جو آج عوام شعرا کا سرمایۂ کمال ہے، اور جسکو مہذب ضلع جگت کہہ سکتے ہین، امانت لکھنوی، اس شریعت کا پیغمبر ہے، اسکے مصحف کمال کی ایک آیت یہ ہے،

ع بھیڑے ملتے ہین آنکھین تری گرگابی پر،

منشی امیر احمد صاحب مرحوم فرماتے ہین، ؎

کبوتر ہوتا تھا جانے پہ راضی		تو بھیجا اُسے روغنِ قاز مل کر	

چونکہ عوام کی تسخیر کا سب سے چلتا جادو یہی صنعت ہے، اور چونکہ لکھنو کی شاعری کے رگ وپے مین یہ صنعت سرایت کر گئی تھی، اس لئے میر انیس صاحب کے ہان بھی اسکی بہتات ہے، لیکن اتنی احتیاط ہے کہ ابتذال نہین آنے پاتا اور بعض جگہ تو واقعی اس سے لطف پیدا ہو جاتا ہے، فارسی شعرا نے بھی اسکو برتا ہے لیکن نہایت فصاحت کے ساتھ۔ مثلاً ؎

خواجہ حافظ	تا دلِ ہرزہ گردِ من رفت بچینِ زلفِ او		زان سفرِ دراز خود قصدِ وطن نمی کند	
سلمان	چشمِ بیمار ترا عین بلا مے بینم		لیکن ابروے تو چیزیست کہ بالاے بلاست	

بہرحال میر انیس کی صناعی کے یہ نمونے ہین ؎

	جب تک یہ چمک مہر کی پرتو سے بچائے		اقلیم سخن میری قلمرو سے بچائے	
	ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری	ولہ	پھل ہم کو بھی ملجائے ریاضت کا ہماری	

ع آتی ہون مین سرون پہ ذرا فرق فرق سے، (تلوار کی زبان سے)

ع کیا مورچہ بندی تھی سپے قتل سلیمان، ہ

	اصغر سے اگر اکبر مہرو نہ ملے گا		تم ہات سے جاؤ گے تو بازو نہ ملے گا	
	فرماتے تھے حسین کہ او خانمان خراب	ولہ	دریا کو خاک جانتا ہے ابن بوتراب	

ع آبِ بقا بھی ہو تو میرے کام کا نہین،

ع یہ پھول کربلا کے بسانے کو آے تھے،

ع کٹ کٹ گئیے وہ سیف زبانی دکھا گئی، (تلوار) ہ

	خالی نہ گیا وار کوئی تیغ دو سر کا		ہات اڑ گئے گر پانون بچا کر کوئی سر کا	
	اس ضعف مین لغزش سے نہ وہ پانون بھی اگلا	ولہ	پایا تھا ثباتِ قدم پاسے ید اللہ	
	محتاجِ عصا ہوئے تو پیری نے کہا		سے چلیئے اب چوبدارِ مرگ آیا ہے	
	کونسا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے		کمین کو تڑکے تو چھینٹون مین نہین آیا ہے	

ع تہ مین تھے سب نہنگ، مگر تھی لبون پہ جان،

ع کافر جو تھا تو ہات بھی مارا جنیو کا، ہ

	اب تک یہ لڑائی کے نہین ڈھنگ سے واقف		دونون مین نہین ایک بھی جو رنگ سے واقف	

ع سب فوج کی تیغین تھین اور اک شاہ کا دم تھا، ہ

لف و	واللیل والضحیٰ، رخ روشن خطِ سیاہ		لعل و غزال و گل، لب و رخسار و چشم شاہ
نشر	ابرو و زلف و رخ شبِ قدر و ہلال و ماہ		تیر و سنان و زرہ مژہ و سرمہ نگاہ

میر انیس کا اصلی جوہر یہین آکر کھلتا ہے اور یہین اُنکی شاعری کی حد اُن کے ہمعصرون سے بالکل الگ ہوجاتی ہے۔ انسانی جذبات کی سیکڑون قسمین ہین۔ اور پہر ہر ایک کے مختلف مراتب اور مدارج ہین۔ مثلاً جذبات انسانی کی ایک قسم **محبت** ہے۔ لیکن محبت کے بھی مختلف اقسام اور مدارج ہین۔ باپ بیٹے کی محبت۔ بھائی بھائی کی محبت۔ یار آشنا کی محبت۔ آقا اور غلام کی محبت وغیرہ وغیرہ۔ میر انیس کے مرثیون مین نہایت کثرت سے ان جذبات، اور ان کے مختلف مدارج کا ذکر ہے، لیکن جس جگہ جس چیز کو لیا ہے اس کمال کے ساتھ اسکی تصویر کھینچی ہے کہ اسکا پورا نقشہ آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے۔

مثال ۱۔ حضرت امام علیہ السلام، نے مدینہ سے جب سفر کیا تو تمام کنبہ ساتھ تھا۔ لیکن حضرت صغرا چونکہ بیمار تھین، اس لئے انکو ساتھ نہین لیا ہے۔ رخصت کے وقت جب گھر مین تشریف لائے تو چاہتے ہین کہ صغرا پر یہ راز ظاہر نہ ہونے پائے۔ لیکن یہ راز کب چھپ سکتا تھا۔ بہرحال حضرت امام حسینؑ خود صغرا سے رخصت ہونے کیلیے انکے پاس تشریف لے گئے صغرا کو اصرار ہے کہ مین تنہا نہین رہ سکتی، حضرت سمجھاتے ہین کہ تم اس بیماری کی حالت مین کیونکر چل سکتی ہو۔ وہ نہین مانتین۔ اسوقت باپ۔ بیٹی ماں۔ بھائی۔ بہنون پر محبت کا جو اثر ہے، اور جس طرح اسکا اظہار ہوا ہے اسکی تصویر اسطرح کھینچی ہے ؎

یہ کہتی تھی زینب کہ پکارے شہ عادل	تیار ہین دروازے پہ سب ہودج و محمل
طے شام تلک ہوگی کہین آج کی منزل	رخصت کرو لوگو نکو بس اب رونے سے حاصل

چلتی ہے ہوا سرد ابھی وقتِ سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہین گرمی کا سفر ہے

رخصت کرو اُن کو کہ جو ہین ملنے کو آئے	کہدو کوئی گہوارۂ اصغر کو بھی لائے
نادان سکینہ کہین آنسو نہ بہائے	جانے کی خبر میری نہ صغرا کہین پائے

ڈر ہے کہین گھبرا کے دم اُسکا نہ نکل جائے

باتین کرو ایسی کہ وہ بیمار بہلجائے

سنکر یہ سخن بانو نے ناشاد پکاری
غش ہوگئی ہے فاطمہ صغرا مری پیاری
مین لٹتی ہون کیسا سفر او کیسی سواری
یہ کس کے لئے کرتے ہین سب گریہ و زاری

اب کس پہ مین اس صاحب آزار کو چھوڑون
اس حال مین کسطرح سے بیمار کو چھوڑون

مان ہون مین کلیجہ نہین سینہ مین سنبھلتا
مین تو اُسے ہے جلتی پہ کچھ بس نہین چلتا
صاحب مرے دلکو ہے کوئی ہاتھون سے ملتا
رہ جاتین جو بہنین بھی تو دم اُسکا بہلتا

دروازے پہ تیار سواری تو کھڑی ہے
پر اب تو مجھے جان کی صغرا کی پڑی ہے

چلاتی تہی کبرا کہ بہن آنکھین تو کھولو
ہم جاتے ہین تم اُٹھ کے بغلگیر تو ہو لو
کہتی تھی سکینہ کہ ذرا مُنہ سے تو بولو
چھاتی سے لگو باپ کی دل کھول کے رو لو

تم جنکی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا
پھر گھر مین جو ڈھونڈھوگی تو اکبر نہ ملے گا

ہشیار ہو کیا صبح سے بیہوش ہو خواہر
چھاتی سے لگو اُٹھ کے کھڑی روتی ہین مادر
اصغر کو کرو پیار کلیجے سے لگا کر
ہم روتے ہین دیکھو تو ذرا آنکھ اُٹھا کر

افسوس اسی طور سے غفلت مین رہو گی
کیا آخری بابا کی زیارت نہ کرو گی

سنکر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے
مُنہ دیکھ کے بانو کا سخن لب پہ یہ لائے
بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اسکو بچائے

میرانیس کا اصلی جوہر یہین آکر کھلتا ہے اور یہین اُنکی شاعری کی حد اُن کے ہمعصرون سے بالکل الگ ہوجاتی ہے۔ انسانی جذبات کی سیکڑون قسمین ہین۔ اور پھر ہر ایک کے مختلف مراتب اور مدارج ہین۔ مثلاً جذبات انسانی کی ایک قسم محبت ہے۔ لیکن محبت کے بھی مختلف اقسام اور مدارج ہین۔ باپ بیٹے کی محبت۔ بھائی بہائی کی محبت۔ یار آشنا کی محبت۔ آقا اور غلام کی محبت وغیرہ وغیرہ۔ میرانیس کے مرثیون مین نہایت کثرت سے ان جذبات، اور ان کے مختلف مدارج کا ذکر ہے، لیکن جس جگہ جس چیز کو لیا ہے اس کمال کے ساتھہ اسکی تصویر کھینچی ہے کہ اسکا پورا نقشہ آنکھون کے سامنے پھرجاتا ہے۔

مثال ا۔ حضرت امام علیہ السلام نے مدینہ سے جب سفر کیا تو تمام کنبہ ساتھہ تھا۔ لیکن حضرت صغرا چونکہ بیمار تھین، اس لئے انکو ساتھہ نہین لیا ہے۔ رخصت کے وقت جب گھر مین تشریف لائے تو چاہتے ہین کہ صغرا پر یہ راز ظاہر نہ ہونے پائے۔ لیکن یہ راز کب چھپ سکتا تھا۔ بہرحال حضرت امام حسینؑ خود صغرا سے رخصت ہونے کیلئے انکے پاس تشریف لے گئے صغرا کو اصرار ہے کہ مین تنہا نہین رہ سکتی، حضرت سمجھاتے ہین کہ تم اس بیماری کی حالت مین کیونکر چل سکتی ہو۔ وہ نہین مانتین۔ اسوقت باپ۔ بیٹی ماں۔ بھائی۔ بہنون پر محبت کا جو اثر ہے، اور جس طرح اسکا اظہار ہوا ہے اسکی تصویر اسطرح کھینچی ہے ۵

یہ کہتی تھی زینب کہ پکارے شہ عادل	تیار ہین در وا رنے پہ سب ہودج و محمل
سطے شام تلک ہوگی کہین آج کی منزل	رخصت کرو لوگو نکو بس اب رونے سے حاصل

چلتی ہے ہوا سرد ابھی وقتِ سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہین گرمی کا سفر ہے

رخصت کرو اُن کو کہ جو ہین ملنے کو آئے	کہدو کوئی گہوارۂ اصغرؑ کو بھی لائے
تادان سکینہؑ کہین آنسو نہ بہائے	جانے کی خبر میری نہ صغرا کہین پائے

ڈر ہے کہین گھبرا کے دم اُسکا نہ نکل جائے

باتین کرو ایسی کہ وہ بیمار بہلجائے

سنکر یہ سخن بانو نے ناشاد پکاری
غش ہوگئی ہے فاطمہ صغرا مری پیاری
مین لٹتی ہون کیسا سفر اور کیسی سواری
یہ کس کے لئے کرتے ہین سب گریہ وزاری
اب کس پہ مین اس صاحب آزار کو چھوڑون
اس حال مین کسطرح سے بیمار کو چھوڑون

مان ہون مین کلیجہ نہین سینہ مین سنبھلتا
مین تو اُسے لے چلتی پہ کچھ بس نہین چلتا
صاحب مرے دلکو ہے کوئی ہاتھون سے ملتا
رہ جاتین جو بہنین بھی تو دم اُسکا بہلتا
دروازے پہ تیار سواری تو کھڑی ہے
پر اب تو مجھے جان کی صغرا کی پڑی ہے

چلاتی تھی کبرا کہ بہن آنکھین تو کھولو
ہم جاتے ہین تم اُٹھ کے بغلگیر تو ہو لو
کہتی تھی سکینہ کہ ذرا مُنہ سے تو بولو
چھاتی سے لگو باپ کی دل کھول کے رو لو
تم جنکی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا
پھر گھر مین جو ڈھونڈھوگی تو اکبر نہ ملے گا

ہشیار ہو کیا صبح سے بیہوش ہو خواہر
چھاتی سے لگو اُٹھ کے کھڑی روتی ہین مادر
اصغر کو کرو پیار کلیجے سے لگا کر
ہم روتے ہین دیکھو تو ذرا آنکھ اُٹھا کر
افسوس اسی طور سے غفلت مین رہو گی
کیا آخری بابا کی زیارت نہ کرو گی

سنکر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے
مُنہ دیکھ کے بانو کا سخن لب پہ یہ لائے
بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اسکو بچائے

جس صاحب آزار کا یہ حال ہو گھر مین
دانستہ مین کیونکر اُسے لیجاؤن سفر مین

کہکر یہ سخن بیٹھ گئے سید خوشخو
بیمار نے پائی گل زہرا کی جو خوشبو
اور سورۂ الحمد پڑھا تھام کے بازو
آنکھونکو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو

مان سے کہا مجھ مین جو حواس آئے ہین امان
کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہین امان

مان نے کہا ہان ہان وہی آئے ہین مرجان
دیکھو تو ادہر روتے ہین بی بی شہ ذیشان
جو کہنا ہے کہہ لو کہ یہان اور ہے سامان
صغرا نے کہا اُنکی محبت کے مین قربان

وہ کون سا سامان ہے جو یون روتے ہین بابا
کھل کر کہو کیا مجھسے جدا ہوتے ہین بابا

یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لئے باہر
دالان سے کیا ہو گیا گہوارۂ اصغر
نہ فرش شہ ہے مسند فرزند پیمبر
اُجڑا ہوا لوگو نظر آتا ہے مجھے گھر

کچھ مُنہ سے تو بولو مرا دم گھٹتا ہے امان
کیا سبط پیغمبر سے وطن چھٹتا ہے امان

شبیر کا مُنہ تکنے لگی بانوے مغموم
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سید مظلوم
صغرا کے لئے رونے لگین زینب و کلثوم
پردہ رہا اب کیا تمھین خود ہو گیا معلوم

تم چھٹتی ہو اسواسطے سب روتے ہین صغرا
ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہین صغرا

اب شہر مین اک دم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار
مین پا بہ رکاب اور ہو تم صاحب آزار

پھر آتا ہے وہ گھر مین سفر مین جو ہو بیمار
تکلیف تمھین دون یہ مناسب نہین زنہار

غربت مین بشر کے لئے سو طرح کا ڈر ہے
میرا تو سفر رنج و مصیبت کا سفر ہے

لون چلتی ہے خاک اُڑتی ہے گرمی کے ہین ایام
جنگل مین نہ راحت نہ کہین راہ مین آرام
بستی مین کہین صبح تو جنگل مین کہین شام
دریا کہین حائل کہین پانی کا نہین نام

صحت مین گوارا ہے جو تکلیف گزر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

صغرا نے کہا کھانے سے خود ہی مجھے انکار
پانی جو کہین راہ مین مانگون تو گنہگار
کچھ بھوک کا شکوہ نہین کرنے کی یہ بیمار
تبرید فقط آپ کا ہے شربت دیدار

گرمی مین بھی راحت سے گزر جائے گی بابا
آئے گا پسینہ تپ اُتر جائے گی بابا

کیا تاب اگر مُنہ سے کہون درد ہے سر مین
اُف تک نہ کرون بھڑکے اگر آگ جگر مین
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہونگی سفر مین
قربان گئی چھوڑ نجاؤ مجھے گھر مین

ہو جانا خفا راہ مین گر روئے گی صغرا
یان نیند کب آتی ہے جو وان سوئیگی صغرا

وہ بات نہوگی کہ جو بے چین ہون مادر
ہر صبح مین پی لون گی دوا آپ بنا کر
دن بھر مری گودی مین رہین گے علی اصغر
لونڈی ہون سکینہ کی نہ سمجھو مجھے دختر

مین یہ نہین کہتی کہ عماری مین بٹھا دو
بابا مجھے فضہ کی سواری مین بٹھا دو

شہ بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ
مین کہہ نہین سکتا مجھے درپیش ہے جو راہ
کھلجائے گا یہ راز بھی گو تم نہین آگاہ
ایسا بھی کوئی ہے جسے بیٹی کی نہو چاہ
ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہون صغرا
ہے مصلحتِ حق یہی جو کہتا ہون صغرا

اے نورِ بصر آنکھون پہ لیکر تجھے چلتا
تو مجھسے بہلتی مرا دل تجھ سے بہلتا
تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا
یہ ضعف کہ دم تک نہین سینے مین سنبھلتا
جز ہجر علاج اور کوئی ہو نہین سکتا
دانستہ تمھین ہاتھ سے مین کھو نہین سکتا

مُنہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم
چتون سے عیان تھا کہ چلین آپ موے ہم
ماں کہتی تھی مختار ہین بی بی شہِ عالم
میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اسدم
وہ درد ہے جس درد کی چارا نہین صغرا
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہین صغرا

صغرا نے کہا کوئی کسی کا نہین زنہار
سب کی یہی مرضی ہے کہ مرجاے یہ بیمار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار
اک ہم ہین کہ ہین سب پہ فدا سب کے ہین غمخوار
بیزار ہین سب ایک بھی شفقت نہین کرتا
سچ ہے کوئی مردے سے محبت نہین کرتا

ہمشیر کے عاشق ہین سلامت رہین اکبر
اتنا نہ کہا مرگئی یا جیتی ہے خواہر
مین گھر مین تڑپتی ہون وہ ہین صبح سے باہر
وہ کیا کرین برگشتہ ہے اپنا ہی مقدر
پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے

نہ بھائیوں کو دھیان نہ بہنوں کو خبر ہے

کیا ان کو پڑی تھی جو وہ غم کھانے کو آتے — مین کون؟ جو صورت مجھے دکھلانے کو آتے
ہوتی جو غرض چھاتی سے لپٹانے کو آتے — زلفین جو اُلجھتین تو سلجھوانے کو آتے
کل تک تو مرے حال پریشان پہ نظر تھی
تقدیر کے اس پیچ کی مجھکو نہ خبر تھی

مانوس سکینہؑ سے ہین عباسؑ دلاور — مین کون ہون؟ جو میری خبر پوچھتے آکر
سرسبز رہے خلق مین نوبادۂ شبّرؑ — شادی مین بلائین مجھے یہ بھی نہین باور
بے دولہا بنے مُنہ کو چھپاتے ہین ابھی سے
مین جیتی ہون اور آنکھ چُراتے ہین ابھی سے

کس سے کہون اس درد کو مین بیکس و رنجور — بہنین بھی الگ مجھسے ہین اور بھائی بھی ہین دور
اماں کا سخن یہ ہے کہ بیٹی مین ہون مجبور — ہمراہی بیمار کسیکو نہین منظور
دنیا سے سفر رنج و مصیبت مین لکھا تھا
تنہائی کا مرنا مری قسمت مین لکھا تھا

سب بیبیان رونے لگین سُن سُن کے یہ تقریر — چھاتی سے لگا کر اُسے کہنے لگے شبیرؑ
لو صبر کرو کوچ مین اب ہوتی ہے تاخیر — مُنہ دیکھ کے چپ رہگئی وہ بیکس و دلگیر
نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
اچھا تو کہا مُنہ سے پہ آنسو نکل آئے

بانو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ — اکبرؑ کو بلاؤ علی اصغر کو بھی لاؤ
آئے علی اکبر تو کہا شاہ نے آؤ — روٹھی ہے بہن تمسے گلے اُس کو لگاؤ

چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
لینے انہین کب آؤ گے اقرار تو کر لو

پاس آن کے اکبرؑ نے یہ کی پیار کی تقریر
کیا مجھ سے خفا ہو گئین صغراؑ مری تقصیر
چلّانے لگی چھاتی پہ منھ رکھکے وہ دلگیر
محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر
صدقے ترے سر پر سے اُتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفون پہ وارے مجھے کوئی

رخسارون پہ سبزے کے نکلنے کے مین صدقے
تلوار لئے شان سے چلنے کے مین صدقے
افسوس سے ان ہاتھون کے ملنے کے مین صدقے
کیون روتے ہو اشک آنکھون کے ڈھلنے کے مین صدقے
جلد آن کے بہنا کی خبر لیجیو بھائی
بے میرے کہین بیاہ نہ کر لیجیو بھائی

پیارے مرے بیمار کے مہ رُو علی اکبرؑ
چھپ جائینگے آنکھون سے یہ گیسو علی اکبرؑ
یاد آئیگی یہ جسم کی خوشبو علی اکبرؑ
ڈھونڈھین گی یہ آنکھین تمھین ہر سو علی اکبرؑ
دل سینے مین کیونکر تہ و بالا نہ رہے گا
جب چاند چھپے گا تو اوجالا نہ رہے گا

کیا گزرے گی جب گھر سے چلے جاؤ گے بھائی
کیسے مجھے ہر رات مین یاد آؤ گے بھائی
تشریف خدا جانے کب لاؤ گے بھائی
کی دیر تو جیتا نہ ہمین پاؤ گے بھائی
کیا دم کا بھروسہ کہ چراغ سحری ہین
تم آج مسافر ہو تو ہم کل سفری ہین

ہان سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہین جانا
صحت سے جو ہین اُن مین کہان میرا ٹھکانا

بھیّا جو اب آنا تو مری قبر پہ آنا
ہم گور کی منزل کی طرف ہونگے روانا

کیا لطف کسی کو نہین گر چاہ ہماری
وہ راہ تمھاری ہے تو یہ راہ ہماری

مان بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قربان
گھبرا کے نہ اب تن سے نکلجاے مری جان
بے کس مری بچی ترا اللہ نگہبان
صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن

کیا بھائی جدا بہنون سے ہوتے نہین بیٹا
کنبہ کے لئے جان کو کھوتے نہین بیٹا

مین صدقے گئی بس نہ کرو گریہ و زاری
اصغر مرا روتا ہے صدا سُن کے تمہاری
وہ کانپتے ہاتھون کو اُٹھا کر یہ پکاری
آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
اصغر مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہین سکتی
تپ ہے تمہین چھاتی سے مین لپٹا نہین سکتی
جو دل مین ہے لب پر وہ سخن لا نہین سکتی
رکھلون تمھین امان کو بھی سمجھا نہین سکتی

بے کس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے
تم ہو سو تمھین طاقت گفتار نہین ہے

معصوم نے جدم یہ سُنی درد کی گفتار
صغرا کی طرف ہاتھون کو لٹکا دیا اک بار
لے لے کے بلائین یہ لگی کہنے وہ بیمار
جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار

دنیا سے کوئی دن مین گذر جائیگی صغرا
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مرجائے گی صغرا

مثال ۲- انھی واقعات کو ایک اور موقع پر لکھا ہے ؎

باتیں یہ ابھی تھین کہ شہ بحر و بر آئے
مان بیٹھی تھی صغرا کو جو چھاتی سے لگائے
دیکھا رخِ ہمشیر کو اور اشک بہائے
روتے ہوئے تشریف شہ دین وہین لائے
بیٹی شہ ذیجاہ کی تعظیم کو اُٹھی
بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اُٹھی

جلد اُسکے قریب آکے یہ کہنے لگے حضرت
اک ضعف کی تصویر ہو ایسی ہے نقاہت
بیٹھو کہ ابھی اُٹھنے کی تم مین نہین طاقت
کیون رات کو کیسی رہی بی بی کی طبیعت
تپ مین جو کراہی تھین تو گھبرائے تھے صغرا
بیہوش تھین تم شب کو بھی ہم آئے تھے صغرا

صحت دے تمہین حق یہی بابا کی دعا ہے
اب بادیہ پیمائی ہے ایذا ہے بلا ہے
اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزا ہے
کیا جانئے شبیر کی تقدیر مین کیا ہے
دل جلتا ہے جب تپ مین تمہین پاتا ہون صغرا
اس رنج سے مین اور گھلا جاتا ہون صغرا

ایسا سفرِ صعب اور اس طرح کا بیمار
کیا نرگسی آنکھون سے نقاہت ہے نمودار
ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہین راہ مین آزار
سب زرد ہے از مانِ حرارت سے تن زار
چہرے پہ کسی روز بحالی نہین پاتا
سرعت سے کبھی نبض کو خالی نہین پاتا

دم چڑھتا ہے بستر سے اُٹھاتی ہو اگر سر
گھر مین تمہین پانی کی بھڑک رہتی ہے دن بھر
بی بی کہو محمل مین چڑھا جائے گا کیونکر
پھر کیا ہو کسی دن جو نہ پانی ہو میسر ؎

تم جانے کے قابل نہین مین رہ نہین سکتا
شب سے ہے وہ تشویش کہ کچھ کہہ نہین سکتا

گھر مین تمہین چھوڑون یہ نہین دل کو گوارا
بچون مین کوئی تمسے زیادہ نہین پیارا
لیجاؤن تو بچنا نہین ممکن ہے تمھارا
مجبور ہون بے ہجر نہین اب کوئی چارا

فرقت مین سدا نالۂ و فریاد کرون گا
اُترون گا جو منزل پہ تمہین یاد کرون گا

صغرا نے کہا آپ کی الفت کے مین قربان
صدقے گئی صحت کا بھی ہوجائیگا سامان
پھر کس کو ہو گر آپ کو لونڈی کا نہ ہو دہیان
مولا کی توجہ ہے ہر اک درد کا درمان

جس پر نظرِ لطف مسیح دوسرا ہو
برسون کا ہو بیمار تو اک دم مین شفا ہو

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت
بستر سے مین خود اُٹھ کے ٹہلتی بھی ہون حضرت
تپ کی بھی ہے شدت مین کمی روز سے خفت
پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت

حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو مرے مُنہ کا بھی مزا تلخ نہین ہے

کیون روتے ہو بابا یہ تردد کی نہین جا
پہلے سے کہے دیتی ہون اے سید والا
سب سہل ہے کچھ مجکو نہین ہونے کی ایذا
مین خانۂ ویران مین نہین رہنے کی تنہا

اب روح مرے جسم مین گھبراتی ہے بابا
ان باتون سے کچھ بوئے فراق آتی ہے بابا

مرجاؤنگی بچھڑی جو مسیح دوسرا سے
صحت مجھے ہوجائیگی حضرت کی دعا سے

کٹ جائیگا اندوہ سفر فضل خدا سے ۔۔۔ بیماری مین جان آئیگی جنگل کی ہوا سے

سب ساتھ ہین روؤنگی نہ غم کھاؤن گی بابا
لیٹی ہوئی محمل مین چلی جاؤن گی بابا

شہ نے کہا تم حال سے میرے نہین آگاہ ۔۔۔ مجبور نکلتا ہون مین اس شہر سے واللہ
آفت کا ہے بی بی یہ سفر خوف کی ہے راہ ۔۔۔ بیمار ہو کس طرح سے لیجاؤن تمہین آہ

آزار رسیدہ ہون گرفتار بلا ہون +
گھر چھوڑ کے جلاد دن کی سرحد مین چلا ہون

وہ صعب پہاڑون کا سفر اور وہ کڑے کوس ۔۔۔ دن رات مسافر پہ کبھی دھوپ کبھی اوس
ایک ایک قدم رنج والم حسرت وافسوس ۔۔۔ ہوتا نہین جز خار کوئی آکے قدمبوس

آرام کہین راہ مین جانی نہین ملتا
جنگل ہین وہ پرہول کہ پانی نہین ملتا

تھوڑے ہی دنون ہوگی کنبے سے جدائی ۔۔۔ پردیس سے آکر تمہین لیجائینگے بھائی
کی مجھسے نہ گر کوفے کی خلقت نے برائی ۔۔۔ ممکن ہے کہ مین اور نکرون وعدہ وفائی

خوش ہون گا تم اب دل پہ اگر جبر کرو گی
مرجاون گا جب مین تو نہ کیا صبر کرو گی

ثابت ہوا صغرا یہ کہ اب ہم رہے گھر مین ۔۔۔ بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر مین
اک جوش ہوا آنسوؤن کا دیدۂ تر مین ۔۔۔ صدمے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر مین

شکل اپنی شب ہجر جو دکھلا گئی اُس کو
کانپا یہ تن زار کہ تپ آگئی اُسکو

تھراتی ہوئی اُٹھہ کے گری شہ کے قدم پر
تنہائی مین بابا مرا دل بہلے گا کیونکر
کی عرض کہ مرجاؤن گی یا سبط پیمبر
سب بیٹیان ہین کیا مین نہین آپکی دختر

بے آپکے اس گھر مین نہ یا شاہ رہون گی
اچھا مین کنیزون ہی کے ہمراہ رہون گی

سب رونے لگے سُنکے یہ بیمار کی تقریر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے حضرت شبیرؑ
چلائی سکینہؑ کہ مین صدقے مری ہمشیر
تم بیٹی کو سمجھاؤ کچھہ اے بانوئے دلگیر

کم سن ہین مسافر مجھے تشویش بڑی ہے
دن چڑھتا ہے اور آج کی منزل ہی کڑی ہے

یہ سنتے ہی بس مان کی تو چھاتی اُمنڈ آئی
زینبؑ نے کہا گھر سے نکلتا ہے یہ بھائی
چلائی وہ ناشاد کہ ہے ہے مری جائی
مرجانے سے کچھہ کم نہین صغرؑا کی جدائی

گھر لٹتا ہے کس طرح قیامت نہ بپا ہو
پہلا ہے یہ غم آگے خدا جانئے کیا ہو

آغاز سفر مین تو یہ ماتم ہے یہ کہرام
جنگل ہو کہ بستی ہو کہان راحت و آرام
کیا دیکھین دکھاتا ہے اس آغاز کا انجام
مان روئے گی بیٹی سے بچھڑ کر سحر و شام

بستی بھی ہے جنگل جو کلیجہ نہو بر مین
بھولے گی یہ وہ چھوڑینگے اکیلا جسے گھر مین

صغرؑا نے کہا آپ کی باتون کے مین قربان
بیٹی ہو علیؑ کی مری مشکل کرو آسان
تم جان بچالو کہ مین لونڈی ہون ہو بھی جان
جیتی رہی صغرؑا تو نہ بھولے گی یہ احسان

کچھہ بات بجز گریہ و زاری نہین کرتین

امان توسفارش بھی ہماری نہین کرتین

پیاری ہین جو دو بیٹیان وہ جائین گی ہمراہ
باباکو نہ امان کو نہ بہنون کو مری چاہ

کیا انس کہ مین گور کنارے بھی تو ہون آہ
سب جیتے رہین خیر ہمارا بھی ہے اللہ

چھوٹے سے نہ اب خاطر ناشاد کرین گے
مین قبر مین جب ہونگی تو سب یاد کرینگے

کیا خلق مین لوگو کوئی ہوتا نہین بیمار
زندہ ہون پہ مردے کی طرح ہوگئی ناچار

ہے کونسی تقصیر کہ سب ہوگئے بیزار
کیون بھاگتے ہین سب مجھے ہے کونسا آزار

حیرت مین ہون باعث مجھے کھلتا نہین اسکا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے مُنہ تکتی ہون جس کا

تپ کیا مجھے آئی کہ پیام اجل آیا
چھوڑا مجھے سب نے جو سفر کا محل آیا

ہے ہے مری راحت کی بنا مین خلل آیا
کیا خوب مرے نخل تمنا مین پھل آیا

دل سخت کیا مان نے مجھے غم ہے اسی کا
سچ ہے کہ زمانے مین نہین کوئی کسیکا

وہ جانے والا ہے مصیبت مین جو کام آئے
اس راہ مین ہمراہ کنیزین تو ہون اے وائے

مین سب کی ہوئی اور کوئی میرا نہوا ہائے
کنبے کی جو ہو جانے والی وہی رہ جائے

ہمیاری مرض مین دوا خوب ہوئی ہے
تجویز مرے واسطے کیا خوب ہوئی ہے

تنہائی مین رونے سے اُتر جائیگی یہ تپ
تڑپونگی تو جائیگی یہ اعضاشکنی سب

ہان درد بھی سر مین مرے ہویگا نہین اب
بہتر یہی ترکیب ہے نسخہ یہی انسب

کم ہوگی حرارت الم و رنج و محن مین ٭
غم کہانے سے آجائیگی طاقت مرے تن مین

تنہائی مین شدت بہی ہوگی خفقان کی
تڑپونگی نہ فرقت مین امامِ دوجہان کی
بیمار کا دل بہلے گا وحشت سے مکان کی
شفقت مجہے یاد آئے گی بہنون کی ماں کی

فرقت مین مری طرح جگر کس سے سنبہلتا
مین گہر مین نہوتی تو یہ گہر کس سے سنبہلتا

سب چاہنے والے ہین کرون کس کی شکایت
چہوڑا ہے مین بس دیکہلی اماں کی محبت
بابا کی یہ تقریر ہے بہنونکی یہ صورت
بولین نہ پہوپہی جان بہی کچہہ واہ ری قسمت

فرقت کا الم مرے کلیجہ کو چہری ہے
سب اچہے ہین لوگو مری تقدیر بُری ہے

عاشق مرے مشہور ہین بہیا کے مین واری
قاسم کو غرض کیا جو سنین گریہ و زاری
دو دن سے خبر بہی نہین لی آکے ہماری
مین کون ہو سکینہ ہے چچا جان کو پیاری

اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہین ہے
مٹی مری کچہہ قبر کو دشوار نہین ہے

اُسوقت محبت مری ہوجائے گی خالی
لو مر گئی کہنے کی جو تہی چاہنے والی ٭
جب راہ مین خط پڑہ کے کہین گے شہ عالی
آباد جو حجرہ تہا وہ اب ہوگیا خالی

قسمت نے سنائی خبر مرگ سفر مین
وہ قبر مین سوئی جسے چہوڑ آئے تہے گہر مین

پہر ہم نہین ملنے کے کوئی لاکہہ ہو جویا
سب رو کے کہین گے کہ اُسے ہاتہ سے کہویا

عالم سے وہ بیگانہ ہے جو قبر مین سویا | کیا نفع اُسے کوئی کڑھا یا کوئی رویا

پرسے کے لئے جمع ہوے لوگ تو پھر کیا
پردیس مین کنبے نے رکھا سوگ تو پھر کیا

یان ذکر یہ تھا آئے جو روتے ہوئے اکبرؑ | سرخ آنکھین تھین اور زرد تھا غم سے رخ انور
چلائی بہن بہائی کی چہاتی سے لپٹ کر | اس سینے کے ان ہاتھونکے قربان یہ خواہر

فریاد ہے بے موت بہن مرتی ہے بھائی
تقدیر ہمین تمسے جدا کرتی ہے بھائی

بھیا مری تنہائی پہ آنسو نہ بہاؤ | وہ دن ہون کہ پہر خیر سے اس شہر مین آؤ
ہرچند یہ مشکل ہے کہ جیتا ہمین پاؤ | صدقے گئی پہر آنے کا وعدہ کئے جاؤ

عرصہ ہو تو خط لکھہ کے طلب کیجیو بھائی
اب بیاہ مین مجھکو نہ بھُلا دیجیو بھائی

رونے کا اودھر غل تھا کہ فضہ یہ پکاری | تیار ہے ناموس محمدؐ کی سواری
دروازے کے نزدیک ہے زینبؑ کی عماری | کیا دیر ہے اب آے ید اللہ کی پیاری

ہر بار قناتون کے قریب آتے ہین عباسؑ
اب جلد سواری ہو یہ فرماتے ہین عباسؑ

شبیرؑ نے رو کر کہا لو جاتے ہین صغرؑا | جلد آتے ہین یا خود تمھین بلواتے ہین صغرؑا
ہم سب تری تنہائی کا غم کہاتے ہین صغرؑا | جان اپنی نہ کہونا تمھین سمجھاتے ہین صغرؑا

قربان پدر آب و غذا ترک نہ کیجیو +
بڑہ جائے گا آزار دوا ترک نہ کیجیو

بیٹی سے یہ فرما کے چلے قبلۂ عالم
صغرا ابھی چلی جاتی تھی روتی ہوئی باہم
ناموس محمد بھی چلے ساتھ بصد غم
ہمسائیان باندھے ہوئے تھیں حلقۂ ماتم

راحت تھی جو سب گوشہ نوبجاہ کے دم سے
اک بیٹی تھی ایک لپٹی تھی قدم سے

غل تھا شہ ابرار خدا حافظ و ناصر
اے خلق کے سردار خدا حافظ و ناصر
رانڈون کے مددگار خدا حافظ و ناصر
محتاجون کے غمخوار خدا حافظ و ناصر

دُکھ فاقون کی غربت کے الم کس سے کہینگے
مشکل کوئی اب ہوگی تو ہم کس سے کہینگے

صغرا کو نقاہت سے نہ تھی طاقت رفتار
جس ناقے پہ تھی بانوے ناشاد دل افگار
اُٹھی کئی بار اور گری در پہ کئی بار
اُس ناقے کے پاس آکے یہ چلائی وہ بیمار

قربان گئی آخری دیدار دکھا دو
اماں مجھے اصغر کو پھر اک بار دکھا دو

مضطر ہوئی سُنکر یہ سخن بانوے بے پر
بیٹی سے کہا دست پسر ماتھے پہ رکھکر
پردے سے جگربند کا مُنہ کر دیا باہر
لو آخری تسلیم بجا لاتے ہین اصغر

مُنہ زرد ہے رخسارون پہ آنسو بھی بہے ہین
یہ نرگسی آنکھون سے تمہین دیکھ رہے ہین

تھراتے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر وہ پکاری
آخر کوئی دن مین ہے بس اب موت ہماری
اس ہاتھ کے اس چاند سے ماتھے کے مین واری
بھیا نہین جینے کی مین فرقت مین تمھاری

جب آکے پھر اس جھولے کو آباد کروگے

تم بھی مری گودی کو بہت یاد کروگے

عباسؑ سے شہ نے کہا اے ثانی حیدرؑ
مرجائیگی اب فاطمہ صغراؑ مری دختر
حمالون سے کہدو کہ بڑھین اونٹون کو لیکر
اسوار یون کے ساتھ رہین قاسمؑ و اکبرؑ

احباب جو روتے ہین تو غم کھاتے ہین ہم بھی
سب شہر کے ناکے پہ پھین آتے ہین ہم بھی

مثال ۳۔ حضرت علی اکبرؑ کی رخصت اور باپ مان کی حالت ۵

ہمنو مرنے کو ہمشکل نبیؐ جاتا ہے
دولت بانوؑ بیکس پہ زوال آتا ہے
کیا الم ہے کہ جگر سینے مین بھر آتا ہے
داغ بیٹے کا فلک باپ کو دکھلاتا ہے

مان تڑپتی ہے شہ جن وبشر روتے ہین
کس جوان بیٹے سے مان باپ جدا ہوتے ہین

بیٹا کیا جاتا ہے ہوتا ہے بھرا گھر برباد
ہوتی ہے دولت فرزند پیمبر برباد
کرتے ہین اپنی جوانی علی اکبرؑ برباد
جان کھوتا ہے پدر ہوتی ہے مادر برباد

داغ اولاد ہے یان صبر کا مقدور نہین
پہلے فرزند سے مرجائین تو کچھ دور نہین

ایسا بیٹا جسے اٹھارہ برس پالا ہے
گھر سے جاتا ہے وہی گھر کا جو اوجیالا ہے
تفرقہ چرخ ستمگر نے عجب ڈالا ہے
کیا کرین صبر کلیجہ ہی تہ وبالا ہے

دل کی بیتابی ہر اک آن سوا ہوتی ہے
روح مان باپ کے قالب سے جدا ہوتی ہے

داغِ اولاد نہین آہ اٹھایا جاتا
ایسا بیٹا نہین ہاتھون سے گنوایا جاتا

درد وہ ہے کہ زبان پر نہین لایا جاتا
زخم وہ ہے کہ جگر پر نہین کھایا جاتا

داغ فرزند حسینؑ ابن علیؑ سے پوچھو
نوجوان بیٹے کا غم باپ کے جی سے پوچھو

سوچین سب صاحب اولاد کہ کیا مشکل ہے
تا کجا صبر کہ مان باپ کا آخر دل ہے
پہلے فرزند سے بابا کا جگر گھائل ہے
زخم اکبرؑ نے نہین کھائے یہ مان بسمل ہے

پار جب سینے سے برچھی کی انی ہووے گی
کیا غضب ہووے گا کیا سینہ زنی ہووےگی

باندھتا ہے وہ کمر اور کمر شاہ ہے خم
تیغ سجتا ہے پسر باپ کے دم مین نہین دم
شان سے شانے پہ رکھتا ہی کمان وہ ضیغم
تیر غم لگتے ہین مادر کے جگر پر پیہم

تن پہ چار آئینہ سجنے کا وہان سامان ہے
چار پارا ہے جگر مان کا پدر حیران ہے

واقعی دولت اولاد عجب دولت ہے
اُسکو راحت ہے تو مان باپ کو بھی راحت ہے
نوجوان بیٹے کا مرنا ہی بڑی آفت ہے
زندگی تلخ ہے پھر جینے کی کیا لذت ہے

اُسکا دل دیکھو چھٹے باپ سے جس کا بیٹا
اور بیٹا بھی تو ہمشکل نبیؐ سا بیٹا

ہین مسین بھیگتی اٹھارہ برس کا ہے سن
منتین مانی ہین مادر نے مرادون کے ہین دن
رنج مین کاٹی ہین دکھ درد کی راتین گن گن
پالنے والی کو چین آئے گا کیونکر اُس بن

مان کو حسرت ہے دلہن بیاہ کے گھر لانے کی
فکریان عین جوانی مین ہے مرجانے کی

ماں کو منظور ہے جاوے نہ کہیں نورِ نظر
باپ کو غم ہے کہ چھٹتا ہے برابر کا پسر
اور فرزند کو درپیش ہے دنیا سے سفر
سیدھی ہو سکتی نہیں خم ہوی جاتی ہے کمر
بھائی کے واسطے قاسم کی دُلہن روتی ہے
پکڑے دامانِ قبا چھوٹی بہن روتی ہے

رن کو جانے کیلئے بانو کے جائے ہیں کھڑے
ہاتھ جوڑے ہوئے گردن کو جھکائے ہیں کھڑے
شوق سے جنگ کا ہتیار لگائے ہیں کھڑے
ماں سے مرنے کیلئے آنکھ چرائے ہیں کھڑے
شاہ خاموش ہیں پر بول نہیں سکتے ہیں
کبھی بانو کا کبھی بیٹے کا مُنہ تکتے ہیں

دل سے فرماتے ہیں یہ دیکھئے اب ہوتا ہے کیا
صبر کی جا نہیں ہوتا ہے پسر ماں سے جدا
بانو دیتی ہے کہ بیٹے کو نہیں دیتی رضا
اب خدا خیر کرے ہے یہی مرجانے کی جا
جسم کانپے گا قلق ہوگا غش آجائے گا
حرفِ رخصت کا نہ بانو سے سُنا جائے گا

بانو کہتی ہے کہ کیا کہتے ہیں اکبر یا شاہ
دیکھتی ہوں میں کہ حضرت کی بھی حالت ہے تباہ
انکے جو دل میں ہے کچھ آپ ہیں اُس سے آگاہ
ماجرا کیا ہے یہ کچھ مجھسے تو کہیئے للہ
مُنہ سے کچھ کہتے نہیں پاسِ ادب کرتے ہیں
کون سی چیز ہے جو ماں سے طلب کرتے ہیں

شاہ فرماتے ہیں بانو سے کہ ای نیک نہاد
پوچھو اکبر سے کہیں گے جو کچھ انکی ہے مراد
رازداں ہوتی ہے ماں بیٹے کی یا سیدِ زُہاد
حق نہ ماں باپ کو دکھلائے فراقِ اولاد
تھا مقدر میں کہ سب ہوویں جدا ہم دیکھیں

اب بہی اُٹھہ جائین جہان سے تو نہ یہ غم دیکھین

سُنکے یہ بانُو نے فرزند سے پوچھا رو رو
کیا کہا چاہتے ہو ماں سے تو اے لال کہو
ہاتہہ کیون جوڑے ہوان ہاتہون کے میں صدقے ہو
کہا اکبرؑ نے رضا مرنے کی اماں ہمین دو

صبر فرماؤ کہ اب تم سے جدا ہون گے ہم
دودہ بخشو ہمین بابا پہ فدا ہون گے ہم

یہ سخن سنتے ہی فرزند سے ماں ہوگئی زرد
دہیان آیا کہ چلا ہائے پسر بہر نبرد
مردنی پہر گئی چہرے پہ اُٹھا دل مین درد
دیکہہ مُنہ بیٹے کا کہنے لگی بھر کر دم سرد

تم سے بچہڑون گی تو واری مین کدہر جاؤنگی
پہر نہ رخصت کا سخن کہنا کہ مر جاؤن گی

کہا اکبرؑ نے کہ بہتر ہے نہ دیجیے رخصت
خیر مرنے کو نہ جاوین گے نہ کیجے رخصت
میرے بابا سے ہوئے بہائی بہتیجے رخصت
مجکو بہی دہیان یہ تہا آپ سے لیجے رخصت

ماں سے فرزند کو تکرار کا یارا کیا ہے
تابع حکم ہین ہم زور ہمارا کیا ہے

سب نے قربان کئے زہراؑ کے پسر پر فرزند
کٹ گئے تیغون سے کس کس کے جگر کے پیوند
مین نے چاہا تہا کہ ہو آپ کا بہی نام بلند
پر تعجب ہے کہ آئی نہ مری عرض پسند

مدعا طلبی

آپ کہتی ہین بچاؤ تو بچا دین گے ہم
اپنے ہم چشمون کو پہر مُنہ نہ دکہا دین گے ہم

جائیے گا سوے یثرب تو بچائے گا غلام
کام بابا کے نہ آئے تو وطن سے کیا کام
خیمے کے لوٹنے کو آئے گا جب لشکر شام
قید ہم ہون گے کہ لڑنے کا بہی ہے ہنگام

آبرو پاتے جو سر تیغ سے کٹواتے ہم
طوق و زنجیر کی ایذا سے بھی چھٹ جاتے ہم

آج جو مرتے تو داخل شہدا مین ہوتے
لاش پر کہتے ملک ہائے علیؑ کے پوتے
پائینتی باپ کے آرام سے رن مین سوتے
حشر تک ہم کو عزادار جہان مین روتے

جو ہے منظور ہمین آپ کو منظور نہین
اب بھی فرماؤ تو میدانِ وغا دور نہین

بولی ماں ہو گئے آزردہ مین واری بیٹا
باپ پیارا ہے تمہین ماں نہین پیاری بیٹا
گلہ آمیز یہ باتین ہین تمھاری بیٹا
دھیان اپنا ہے نہین فکر ہماری بیٹا

پہلو بابا کا تو آباد کیا چاہتے ہو
پالنے والی کو برباد کیا چاہتے ہو

علی اکبر میری محنت کی طرف دھیان کرو
چھوڑ کر ماں کو نہ تم کوچ کا سامان کرو
ماں واری مری بستی کو نہ ویران کرو
پھر فدا ہوجیو پہلے مجھے قربان کرو

مرے جیتے نہ قدم گھر سے نکالو بیٹا
اپنی مادر کا جنازہ تو اٹھا لو بیٹا

ماں کی تقریر سے مایوس ہوئے جب اکبرؑ
رکھدی تلوار لگے کھولنے ہاتھون سے کمر
اشک آنکھون سے بہے چاند سے رخسارون پر
بانو گھبرا گئی ٹکڑے ہوا زینبؑ کا جگر

لے کے بیٹے کی بلائین کہا کیون روتے ہو
لو نہ دو گی مین کا ہے کو خفا ہوتے ہو

رو کے کہنے لگے بیٹے سے امامِ خوشخو
ماں تو دیتی ہے رضا مرنے کی آزردہ نہو

پہر کہا بانو سے اب مرنیکی رخصت انہین دو
تہا مقدر مین یہی صبر کرو شکر کرو
یہ دعا مانگو کہ تڑپے نہ کلیجا میرا
آزماتا ہے مرے صبر کو مولا میرا

تمنے اٹہارہ برس کہینچے ہین گو رنج و تعب
اس کا مین کون ہون تم کون ہو جو مرضی رب
بانو پر خواہشِ تقدیر سے ناچار ہین سب
زور کیا؟ جسکی امانت تہی وہ کرتا ہے طلب
اب نہین جینے کے عمر اتنی ہی یہ لائے تہے
خلق مین داغ دکہانے کو ہمین آئے تہے

شہ نے سمجہایا تو بانو نے کہا یہ رو کر
مان سے چلتے ہوئے آزردہ نجاؤ اکبر
کیون کر کہو لتے ہو غصے سے صدقے اوپر
خیر جو مرضی ہے اچہا کرو دنیا سے سفر
اب تو راضی ہوئے مادر سے مین واری بیٹا
آگے آؤ کہ بلائین لون تمہاری بیٹا

سنکے مان سے یہ سخن قدمون پہ فرزند گرا
مان نے چہاتی سے لگا کر کہا صدقے بیٹا
عرض کی آپ سے روٹہون مرا مقدور ہے کیا
جاؤ رخصت بہی کیا دودہ بہی تمکو بخشا
غم نہ کہانا کہ یہ مان رو رو کے مرجائے گی
ساتہہ دو باپ کا مان کی بہی گذر جائیگی

سنکے یہ روئی جوان بیٹے کو چہاتی سے لگا
خاک پر سید سجاؑد نے سر دے پٹکا
غل ہوا بانو نے دی مرنے کی اکبر کو رضا
رو کے چلانے لگین بہنین کہ ہے ہے بہیا
کچہہ زبان سے علی اصغر جو نہ کہہ سکتا تہا
جہولے سے رو رو کے بہائی کی طرف تکتا تہا

کہتی تھی پیٹ کے سر زینب مضطر ہے ہے
بانو لوٹی گئی برباد ہوا گھر ہے ہے

نوجوان مرنے چلا بھائی کا دلبر ہے ہے
ہمسے پردیس مین چھوٹے علی اکبر ہے ہے

پاس کوئی نہین تنہا شہ مظلوم ہوئے
ہائے نانا کی زیارت سے بھی محروم ہوئے

چھوڑ کر روتا اُنہین خیمے سے اکبرؑ نکلے
پر عجب حال سے ہمشکل پیمبر نکلے +

پیچھے فرزند کے روتے ہوئے سرور نکلے
مُڑ کے تکتے تھے کہ خیمے سے نہ مادر نکلے

ماں کے رونے کی جو کانون مین صدا آتی تھی
ٹکڑے ہوتا تھا جگر چھاتی پھٹی جاتی تھی +

در پہ موجود سواری کو جو تھا اسپ عقاب
فدوی اسوار ہو لیجائین جو تشریف جناب

جوڑ کر ہات کہا شاہ سے باچشم پُر آب
بولے شہ تم چڑہو گھوڑے پہ مین تھامونگا رکاب

باپ نے پاؤن کو گر ہاتھ لگایا تو کیا
کاندہے پر چڑہتے تھے گھوڑے پہ چڑہایا تو کیا

مثال ۴ - حضرت امام زین العابدینؑ اپنے بھائی علی اکبرؑ کو رخصت کر رہے ہین

فِضّہ سے کہا، کیا ہوا؟ کیسی ہے یہ زاری
شبّیر اکیلے ہین، غضب ہو گیا، واری

سر پیٹ کے وہ خادمۂ خاص پکاری
اب جاتی ہے رن کو علی اکبرؑ کی سواری

ماں خاک اُڑاتی ہے، پھوپی غش مین پڑی ہین
سب بی بیان حلقہ کیئے گرد اُنکے کھڑی ہین

فرمایا عصا لاؤ کہ برادر سے مل آئین
دریائے شہادت کے شناور سے مل آئین

غازی سے مجاہد سے دلاور سے مل آئین
شبّیر کے پیارے علی اکبرؑ سے مل آئین

بھائی کا نہین کوچ یہ رخصت ہے نبیؐ کی
ہم آپ چلین گے کہ زیارت ہے نبیؐ کی

فضہ نے عصا دے کے، جو بازو کو سنبھالا — بستر سے اُٹھا کانپ کے وہ گیسوؤن والا
خم ہوگیا تھا، درد کمر سے قد والا — تھرّا کے پڑا پاؤن کہین، اور کہین ڈالا
اشک آنکھون سے بہتے تھے، گریبان قبا پر
ہر بار ٹھہر جاتے تھے، سر رکھ کے عصا پر

آواز حزین تھی کہ میری جان برادر — بیمار برادر، ترے قربان برادر
ہم آتے ہین ٹھہرے رہو، اک آن برادر — ذی قدر برادر، مرے ذیشان برادر
بھائی سے بغلگیر تو ہوتے ہوئے جاؤ
ہم روئین تمھین، تم ہمین روتے ہوئے جاؤ

عابدؑ کی طرف دیکھ کے دوڑے علی اکبرؑ — آنکھون کو ملا ہاتھون سے قدمون پہ رکھا سر
سجادؑ نے فرمایا کلیجے سے لگا کر — گردن مین، مرے ڈال دو باہون کو برادر
شانے کے قرین، زلف معنبر رہے، بھائی
چہرہ مرے چہرہ کے برابر رہے، بھائی

اے روشنی خانۂ زہرا ترے صدقے — اے باپ کے عاشق، مرے شیدا ترے صدقے
اے تشنہ لب، اے بیکس و تنہا ترے صدقے — اے رہرو فردوس معلا، ترے صدقے
گھر آج اُجڑتا ہے، لٹے جاتے ہین بھائی
ہم قافلہ والون سے چھٹے جاتے ہین بھائی

مثال ۵۔ حضرت امام حسینؑ بہن، بیٹی، اور بیوی سے رخصت ہوتے ہین۔

روتے ہوئے حرم مین گئے قبلۂ انام
تر تہی لہو سے لخت جگر کی قبا تمام
رخ زرد دل مین درد بدن سرو تشنہ کام
طاقت نہ قلب مین نہ بدن مین لہو کا نام
یہ درد تہا بکا مین کہ دل ٹکڑے ہوتے تہے
یہ حال تہا کہ رونے پہ دشمن بہی روتے تہے

پیارے نہ تہے حسینؑ علیہ السلام کے
لائی حرم سرا مین ہن ہاتہ تہام کے
تہرا رہے تہے پاؤن شہ تشنہ کام کے
ہر دوش پر تہا زینبؑ عالی مقام کے
فرماتے تہے ہن علی اکبرؑ گذر گئے
ہم ایسے سخت جان تہے کہ ابتک نہ مر گئے

پرسا تمہین شہید کا دینے کو آئے ہین
کس کس کے داغ آج جگر پر اٹہائے ہین
پیٹتے ہین خاک اڑائی ہے آنسو بہائے ہین
یہ ہم تمہارے لال کے خون مین نہائے ہین
سر تہا حسینؑ بیکس و تنہا کی گود مین
بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود مین +

سر بار دوش ہے ہمین رخصت کرو بہن
اب عنقریب خیمہ عصمت ہین تیغزن +
مردے پڑے ہوئے ہین عزیزون کے بے کفن
پامال ہو نہ لاشہ فرزند صف شکن
محجوب ہم ہین قاسمؑ بے پر کی روح سے
شرمندگی ہو علی اکبرؑ کی روح سے

یہ سنکے بی بیون کے جگر پر چہری چلی
زینبؑ زمین پہ گر کے پکاری کہ یا علیؑ
سرِّ خفی جہان کے ہین سب آپ پر جلی
جاتا ہے سرکشون مین یہ کونین کا ولی
بیکس کو آسرا ہے پسر کا نہ بہائی کا

آقا یہی تو وقت ہے مشکل کشائی کا

صدقے گئی پسر کے بچانے مین کد کرو
دریا کو چہین لو حق زہرا اسند کرو
فرزند فاطمہؑ کی بلاؤن کو رد کرو
یا شیر حق مقام مدد ہے مدد کرو
پانی پہ جنگ آگ لگی ہے یہ دہر مین
حصّہ پسر کا کیا نہین مادر کے مہر مین

یا مصطفےٰ بلا مین پہنسا ہے تمہارا لال
یا فاطمہؑ مین لٹتی ہون بکہراؤ سر کے بال
یا شیر ذو الجلال دکہاؤ انہین جلال
یا رب اُلٹ دے آج یہ سب عرصۂ قتال
پہر کیا کسی سے کام ہے سب سے جدا ہون
بہائی کو اپنے لے کے مین جنگل مین جا رہون

فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیئے تمہین
لب پر رضا رضا کا سخن چاہیئے تمہین
خالق کی یاد ستر و علن[۱] چاہیئے تمہین
جو ماں کا تہا چلن وہ چلن چاہیئے تمہین
ہر بار پوچہتے تہے سبب آہِ سرد کا
شکوہ کیا علیؑ سے نہ پہلو کے درد کا

یہ سچ کہ تمکو مجہسے محبت ہے اے بہن
پیارے تمہارے بہائی کی رخصت ہے اے بہن
کیا کیجے ناگزیر یہ فرقت ہے اے بہن
دنیا مقام رنج و مصیبت ہے اے بہن
بہولے نہ یاد حق کبہی گو حال غیر ہو
اُسکی ظفر ہے خاتمہ جس کا بخیر ہو

دیکہا یہ کہلے بال سکینہؑ کو پاس سے
لپٹی وہ دوڑ کر شہ گردون اساس سے

[۱] یعنی پوشیدہ و ظاہر ۱۲

طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے
بولی وہ تشنہ کام شہ حق شناس سے
کیا اس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہے
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

فرمایا شہ نے ہان سفر ناگزیر ہے
آوٴ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہے
اب آرزوے قرب خداے قدیر ہے
تنہا ہین ہم سپاہ مخالف کثیر ہے
طے ہو یہ مرحلہ جو اعانت خدا کرے
جسکا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

سُنکر مصیبتِ پدر بیکس و حزین
بولی بلائین باپ کی لیکر وہ مہ جبین
نکلو بلا کے بن سے کہین یا امام دین
آقا سوا حضور کے میرا کوئی نہین
صدقے گئی مدینے چلو یا نجف چلو
للہ ساتھ لے لو مجھے جس طرف چلو

شہ نے کہا کہ بند ہین راہین پدر نثار
پھیلی ہوئی ہے چار طرف فوج نابکار
پیدل نکلنے پاتا ہے ناکون سے نہ سوار
اس دشت کین مین قید ہے احمدؐ کا یادگار
قاصد جو میرے نام کا خط لیکے آتے ہین
سر کاٹ کر درختون مین لٹکائے جاتے ہین

عمو تمھارے چھوڑ گئے ہمکو جان بلب
بی بی قدم پہ گر کے ہمین کون روکے اب؟
تلوارین چل گئین بنے قاسمؑ پہ بے سبب
مرنا شباب مین علی اکبرؑ کا ہے غضب
تھے جتنے زندگی کے حلاوت وہ چھٹ گئے
دو تین گھر بھرے ہوئے اکدم مین لٹ گئے

بی بی یہان سے اہل وطن ہین قریب تر
بھیجے ہین شیعیان مین نے بہی نامہ بر
پر میری بیکسی کی نہین ایک کو خبر
لیکن حسینؑ تک نہوا ایک کا گذر

قریون سے بہی مدد کو جو نکلا وہ گھر گیا
لشکر بنی اسد کا قریب آکے پہر گیا

گھیرا ہے اس لئے مجہے اس بن مین بیگناہ
نہ دوست نہ عزیز نہ غمخوار نہ سپاہ
تا مجہہ تک آسکے نہ کوئی میرا خیر خواہ
ہمراہی سب عدم مین وطن دور گہر تباہ

مجہسا بہی کوئی بیکس و بے پر بشر نہو
مر کر نہ دفن ہون تو کسیکو خبر نہو

جانا ہے دور شب کو جو آنا نہو ادہر
پہلے پہل ہے آج شب فرقت پدر
ضد کرکے رویئو نہ ہمین چاہتی ہو گر
سو رہیو مان کی چہاتی پہ غربت سے رکہکے سر

راحت کے دن گذر گئے یہ فصل اور ہے
اب یون بسر کرو جو یتیمون کا طور ہے

ننہے سے ہاتہہ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام
آنکہون سے خون بہا کے یہ کہنے لگے امام
بتلایئے مجہے کہ یتیمی ہے کسکا نام
کہل جائیگا یہ درد و الم تم پہ تا بہ شام

بی بی نہ پوچہو کچہہ یہ مصیبت عظیم ہے
مرجائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے

بُندے اُتار و طوق بڑہاؤ پدر نثار
چلائیو نہ این ابی کہہ کے بار بار
چہپنا کہین جو لوٹنے آئین ستم شعار
دشمن ہمارے نام کا ہے شمر نابکار

لو الوداع جاتے ہین اب قتل گاہ مین

سونپا تمھین خدا و نبیؐ کی پناہ مین

یہ کہہ کے پیاری بیٹی سے دیکھا اِدہر اُدہر
پوچھا کدہر ہین بانوے ناشاد نوحہ گر
فضہ نے عرض کی کہ اُدہر پیٹتی ہین سر
رخصت کی ہی حضور کے اُنکو نہین خبر

لب پہ ہر گھڑی علی اکبرؑ کا نام ہے
چلیے ذرا کہ کام اب اُن کا تمام ہے

رکھی تھی لا کے لاش پسر آپنے جہان
مُنہ اُس زمین پہ ملتی ہین اور ہی لبون پہ جان
کرتی ہین اُٹھہ کے آہ تو ہلتا ہے آسمان
نعرہ یہ ہے کہ ہاے علی اکبرؑ جوان

واری گئے نہ قبر مین امان کو گاڑ کے
جنگل بسا دیا مری بستی اُجاڑ کے

روتے ہوئے وہان جو گئے شاہِ خوشخصال
دیکھا کہ غش ہین خاک پہ بکھرے ہوئے ہین بال
شبیرؑ بیٹھہ کر یہ پکارے بصد ملال
اے شہربانوؑ ہوش مین آؤ یہ کیا ہے حال

سچ ہے فلک نے تم کو بڑے دکھہ دکھائے ہین
صاحب اُٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہین

سنکر صدا حسینؑ کی چونکی وہ نوحہ گر
کی عرض سر جھکا کے قدم پر بچشم تر
تنہا حضور آئے ہین باندہے ہوئے کمر
صاحب کہان ہے منتون والا مرا پسر

ایسے نہین وہ دکھہ مین جدا ہون جو باپ سے
اپنے مرادون والے کو مین لونگی آپ سے

اے جانِ فاطمہؑ مرا پیارا کہان گیا
امان کی زندگی کا سہارا کہان گیا
وہ تین دن کے پیاس کا مارا کہان گیا
سیدانیون کی آنکھون کا تارا کہان گیا

مرتی ہون اپنے سروسہی قدکو دیکھ لون
اک بار پھر شبیہ محمدؐ کو دیکھ لون

وہ گورا گورا چاند سا مکھڑا دکھائین پھر
مجھکو تو خیریت سے غرض ہے نہ آئین پھر
لے لون مین گیسوؤن کی بلائین تو جائین پھر
خوشبو مین تن کی سونگھ لون جنگل بسائین پھر

تڑپے گا دل تو لے کے اجازت حضور سے
مین دیکھ لون گی در پہ کھڑی ہو کے دور سے

بیخود تھی مین جب آئے تھے میدان سے ادھر
سنبھلا ذرا جو دل تو پھر کنے لگا جگر
کیا دیکھتی مجھے تو کچھ آتا نہ تھا نظر
کب آئے کب گئے مجھے مطلق نہین خبر

آئے تو چپکے آئے گئے بے ملے ہوئے
باتین نہ پیار کی ہوئین نہ کچھ گلے ہوئے

گر ہین خفا تو آئین مین اُٹھ کر نثار ہون
دائی ہون اُنکی آپ کی خدمت گذار ہون
اُنکی خطا نہین ہے مین تقصیر وار ہون
اب رحم کیجیے کہ بہت بیقرار ہون

تکلیف گرچہ ہو گی شہ مشرقین کو
لے آئیے منا کے مرے نور عین کو

باتین یہ سُنکے کہنے لگے شاہ بحر و بر
بانوؑ کسے بُلاؤن کہان ہے وہ سیمبر
یارب جدا نہو کسی مان سے جوان پسر
ہمشکل مصطفیٰؐ تو گئے فاطمہؑ کے گھر

ہر دکھ مین صبر کرتے ہین جو حق شناس ہین
جس نے تمھین دیا تھا وہ اب اُسکے پاس ہین

جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آ گئی اُنہین
ہے ہے منافقون کی نظر کھا گئی اُنہین

مخفی بہت کیا پہ اجل پا گئی اُنہین
صحراے کربلا کی فضا بہا گئی اُنہین
زندہ نہو گا لال اگر مربھی جاؤ گی
اب تو کوئی گھڑی مین ہمین بھی نہ پاؤ گی

جاتے ہین ہم وہین کہ جہان ہے وہ لالہ فام
سُنکر یہ ذکر ہوش مین آئی وہ تشنہ کام
دے دو جو اپنے لال کو دینا ہو کچھ پیام
سمجھی کہ گھر تباہ ہوا اب چلے امام
خنجر سے حلق شاہ کے کٹنے کا طور ہے
بستی اُجڑ کے تخت اُلٹنے کا طور ہے

دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دلفگار
بعد آپ کے جو لوٹنے آئین ستم شعار
اے ابن فاطمہ یہ کنیز آپ کے نثار
بیٹھے کہان یہ بیکس و غمگین و سوگوار
کچھ حق مین اس کنیز کے فرما کے جائیے
صاحب کسی جگہ مجھے بٹھلا کے جائیے

مین وہ ہون جو کہ قید مین آئی تھی یا امام
پاس آپکے ہے نانا کا اے قبلۂ انام
مشہور ہون کنیز امام فلک مقام
گر قید ہوگئی تو کہین گے یہ خاص و عام
بندی چلی ہے شام کو آل رسولؐ کی
دیکھو یہی بہو ہے علیؑ و بتولؑ کی

فرمایا شہ نے حافظ و حامی ہے ذوالجلال
زینبؑ کو دیکھو سر پہ بہائی نہ دو نو لال
زہرؑا کی بیٹیون کی رہو تم شریک حال
صاحب تمہارے ساتھ ہر عائد سا خوشخصال
بے وارثون کا وارث و والی آلہ ہے
دیکھو ڈگے نہ پاؤن کہ مشکل کی راہ ہے

لو الوداع لاش پہ اب آکے رو لیو
زانو پہ سر کو شرم سے نہوڑا کے رو لیو
لیکن نہ خاک اُڑا کے نہ چلّا کے رو لیو
قبرِ رسولؐ پاک پہ ہان جا کے رو لیو

لُٹنے مین صبر شکر تباہی مین چاہیئے
رونا بشر کو خوف الٰہی مین چاہیئے

مثال ۵، حضرت امام حسین علیہ السلام، اپنے بہائی عباسؑ کے مرنے کی خبر سنکر رزمگاہ مین جاتے ہین [۵]

دریا پہ سر برہنہ، شہ بحر و بر چلے
اکبرؑ سبنہالے باپ کو باچشمِ تر چلے
صدمہ یہ تہا کہ ہاتون سے تہامے کمر چلے
یہ بھی اُدہر چلے، شہ والا جدہر چلے

صدمہ ہے، ضرب غم سے دل پاش پاش پر
رونے کو بہائی جاتا ہے، بہائی کی لاش پر

صورت یہ شاہ کی ہے کہ زلفون پہ خاک ہے
سوکہے لبون پہ نالۂ روحی فداک ہے
آلودۂ غبار الم روے پاک ہے
اور تا کمر قبا کا گریبان چاک ہے

دست یسار بیٹے کے گرون مین ڈالے ہین
شہ کو جُہکے ہوئے علی اکبرؑ سبنہالے ہین

جب پانون کانپتے تہے تو کہتے تہے رو کے شاہؑ
دریا نہ اتنا دور تہا اے میرے رشکِ ماہ
طاقت بدن کی لے گئے عباسؑ آہ آہ
رستہ غلط کیا ہے کہ کچھ بڑہ گئی ہے راہ

ہے دور یان سے یا مرا بہائی قریب ہے
کہتے ہین، وہ "حضور! ترائی قریب ہے"

القصہ لائے باپ کو اکبرؑ ترائی مین
پائی جو بوے خون برادر ترائی مین
زخمی طلاوہ شیر دلاور ترائی مین
لاشے کے پاس گر پڑے سرور ترائی مین

گذرہی تھی عمر ہاتھ جسے جوڑتے ہوئے +
دیکھا اُسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے +

مُنہ رکھکے مُنہ پہ بہائی کے بہائی نے دی صدا
کیون ہنلیان پہراتے ہو بہائی یہ کیا کیا
اے شیر اے دلیر یہ بیکس ترے فدا
عباسؑ مین حسینؑ ہون دیکھو مجھے ذرا

میرا بھی حلق خشک ہے خنجر کے واسطے
بہائی کو چھوڑے جاتے ہو دم بھر کے واسطے

ٹھہرو عنانِ توسنِ عمر رواں نہ لو
کروٹ کراہ کر مرے آرام جان نہ لو
ساتھی تھکا ہوا ہے رہِ کاروان نہ لو
لگتی ہے چوٹ دل پہ مرے ہچکیان نہ لو

مرجاؤن گا مین ساتھ اگر چھوٹ جائے گا +
بھائی مرا تو رشتۂ جان ٹوٹ جائے گا

بولے یہ آنکھ کھول کے عباسؑ نامدار
یہ موت زندگی سے ہے زہے فخر و افتخار
آقا ہزار جان گرامی ترے نثار
نکلے جو گُل کے سامنے بلبل کی جان زار

دیدار دیکھنے مین نہ آتا تو موت تھی
پروانہ شمع کو جو نہ پاتا تو موت تھی

زانوے پاک نور خدا اور سرِ حقیر
ذرّے کو مہر کرو یا اے آسمان سریر
عالم کا بادشاہ کجا اور کجا فقیر
تکیہ کسی کو بھی یہ ملا ہے دمِ اخیر

پایا یہ اوج ماں کی نہ بابا کی گود مین
معراج مل گئی شہِ والا کی گود مین

رحمت نے رخ کیا مری جانب حضور آئے
لیکر رسولؐ جامِ شرابِ طہور آئے

روشن ہو کیون نہ چشم جو خالق کا نور آئے
ایسا نہو سرور جو بالین پہ حور آئے

عشاق مر بہی جاتے ہین زخمی بہی ہوتے ہین
مین اب تو تندرست ہون کیون آپ روتے ہین

شہ نے کہا کہ لینے کو آئے ہین ہمکو سب
عباسؑ چھوڑ جاؤ گے اب ہمکو ہی غضب
سر خاک پر پٹک کے یہ بولا وہ جان بلب
اے جانِ فاطمہؑ جگر سیّدِ عرب

کس کس کو روئیے کہ یہ اعدا کے ریلے ہین
صدمہ بڑا یہی ہے کہ حضرت اکیلے ہین

راحت کی راہ ہے سفرِ گلشنِ ارم
صدمہ مگر ہے روح پہ اے قبلۂ اُمم
اب تک تو کب کے مر گئے ہوتے تڑپ کے ہم
الفت پہ آپ کی ہے کہ اٹکا ہوا ہے دم

دنیا سے کوچ کرنے کو جی چاہتا نہین
اے بہائی جان مرنے کو جی چاہتا نہین

یہ کہکے چپ ہوئے تھے کہ اٹھا جگر مین درد
رخسار سرخ سرخ جو تھے ہو گئے وہ زرد
لین کروٹین تو بھر گئی زخمون مین رن کی گرد
مُنہ رکھکے شہ کے پانون پہ کھینچی اک آہِ سرد

دنیا سے انتقال علمدار ہو گیا
سردار فوج بے کس و بے یار ہو گیا

بہائی کے آگے بھائی تڑپ کر جو مر گیا
صدمہ غضب کا سبط نبیؐ پر گذر گیا
خنجر الم کا دل سے جگر تک اُتر گیا
چلاتے تھے کہ شیر ہمارا کدھر گیا

لیتے تھے بوسے جھک کے تن پاش پاش کے
اُٹھہ اُٹھہ کے گرد پھرتے تھے بھائی کی لاش کے

جھک کر پکارتے تھے کہ بھیّا صدا سناؤ | سر رکھ لو میرے زانو پہ گردن ذرا اُٹھاؤ
زینبؑ تمھین بلاتی ہین خیمے کے در پہ جاؤ | کب سے بلک رہی ہے سکینہؑ کو دیکھ آؤ

باتون مین پیار کی کہین تم سے گلا نہو
دریا پہ سو گئے ہو سکینہؑ خفا نہو

کیا ہے جو آنکھ بند کئے ہو حیا سے تم | کیا کچھ خفا ہو سبط رسولؐ خدا سے تم
اکثر ہمین بچاتے تھے لو مین ہوا سے تم | ہم اَٹ گئے ہین گرد تو جھاڑو قبا سے تم

ہے دوپہر کا وقت برادر پہ دھوپ ہے
سایہ کرو علم کا مرے سر پہ دھوپ ہے

اکبرؑ نے رو کے عرض یہ کی اے شہ زمان | رونے سے اب ملینگے نہ حضرت کے بھائی جان
لے چلیئے گھر مین لاش علمدار نوجوان | ایسا نہو نکل پڑین خیمہ سے بی بیان

دریا پہ ننگے سر کہین بنت علیؑ نہ آئے
فضہ کو ساتھ لے کے سکینہؑ چلی نہ آئے

اکبرؑ نے عرض کی کہ چلین اب شہ زمان | رو کر امام دین نے کہا جائین اب کہان
وان بھی مرے لئے وہی رونا ہے جو یہان | اپنا بھی گھر ہے اب وہی بھائی رہے جہان

اُٹھتے نہ تھے حسینؑ برادر کو چھوڑ کر
رکھا پسر نے پانون پہ سر ہاتھ جوڑ کر

فضہ کھڑی تھی خیمہ کے باہر جو بے خبر | حضرت کو اُس نے دور سے دیکھا برہنہ سر
پردہ اُلٹ کے خیمہ کا بولی وہ نوحہ گر | سیدانیو اُٹھو علم آتا ہے خون مین تر

اکبرؑ علم لئے ہین علیؑ کا نشان نہین

کوتل فرس تو آتا ہے وہ نوجوان نہین

ناگاہ سب کو دور سے آیا نظر نشان
تہا خاک سے بہرا ہوا وہ جلوہ گر نشان
گویا کہ تہا شبیہ الم سر بسر نشان
ڈوبا تہا خون سے پنجہ پُر نور او ر نشان

چپ جاتا تہا پھریرے مین یون کانپ کانپ کے
روتا ہے جس طرح کوئی مُنہ ڈہانپ ڈہانپ کے

سمجھے یہ سب کہ بازوے عباس کٹ گئے
سیدانیون کے غم سے لہو اور گھٹ گئے
بچون کے ننہے ننہے جگر غم سے پھٹ گئے
رنگ اُڑ گئے رگون سے کلیجے اُلٹ گئے

ہر دل پہ برق رنج و غم و یاس گر پڑی
بچون سمیت زوجۂ عباسؑ گر پڑی

اکبرؑ علم کو خیمے کے اندر جھکا کے لائے
سر اپنا پیٹتے ہوئے گہر مین حسینؑ آئے
چلاتے تہے کہ بہائی کو بہائی کہان سے پائے
عاشق نے ساتہ چھوڑ دیا ہاے اے ملے

چھینا اجل نے ہمکو ہمارے دلیر کو
لو بیبیو ترائی مین رو آئے شیر کو

لپٹی تو تہی علم سے سکینہؑ جگر فگار
ہے ہے علیؑ کے لعل کی رانڈ و نہین تہی بکار
پرچم پہ یون لچکتا تہا پنجہ وہ بار بار
سر پیٹے جس طرح کوئی مظلوم سوگوار

تصویر حسرت والم و یاس بن گیا
رایت بھی نخل ماتم عباسؑ بن گیا

زیر علم تہا زوجۂ عباسؑ کا یہ حال
ماتھا بھرا تہا خاک سے بکھرے ہوئے تہے بال
چلاتی تہی کہ اے اسد کبریا کے لال
مین سر کو پیٹتی ہون تمہین کچھ نہین خیال

جاتا ہے یون جہان سے کوئی آنکھ موڑ کے
مسکن کیا ترائی مین لونڈی کو چھوڑ کے

پُرخون علم کے پاس تھے عباسؑ کے پسر
مان نے جو طوق اُتارے تھے اور کان کے گہر
تکمے کھُلے تھے کرتون کے تھرانے تھے جگر
سہما ہوا تھا ایک تو اک پٹیا تھا سر

زلفون پہ گرد تھی تو رخون پر غبار تھا
چہرون سے درد بے پدری آشکار تھا

چھوٹا یہ شہ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا
آیا علم پر اُنکے نہ آنے کی وجہ کیا
بابا ہمارے گھر مین کب آئین گے اے چچا
چھوٹے سے رو کے تب یہ بڑے بھائی نے کہا

امان کی مانگ اُجڑ گئی صدمے گذر گئے
بھیا تمھین خبر نہین بابا تو مر گئے

دوڑا یہ سُنکے نہر کی جانب وہ بے پدر
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر
رو کر پکارے شاہ کہ بیٹا چلے کدھر
بابا کی لاش اُٹھانے کو جاتے ہین نہر پر

میت نہ اُٹھ سکے گی تو خالی نہ آئین گے
دامن مین ہم کٹے ہوے ہاتھون کو لائینگے

مثال ۶، علی اکبرؑ نزع کی حالت مین ہین، اور امام حسین علیہ السلام اُنکے پاس جاتے ہین ہ

جس دم سنی حسینؑ نے یہ جانگزا صدا
ہاتھون سے دل کو تھام کے دوڑے برہنہ پا
صابر اگرچہ تھے پہ کلیجہ اُلٹ گیا
نعرہ کیا کہ اے علی اکبرؑ کرون مین کیا

مل کر غریب و بیکس و تنہا سے جائیو
آئے ضعیف باپ تو دنیا سے جائیو

ہے ہے مرے شفیق پسر مہربان پسر
مادر کا چین باپ کا آرام جان پسر
خوشرو پسر سعید پسر قدردان پسر
گم گو پسر شہید پسر نوجوان پسر

مقتل کدہر ہے کوئی بتاتا نہین مجھے
اے نورعین کچہ نظر آتا نہین مجھے

مجکو غریب دشت بلا کہہ کے پھر پکار
اے شبیر سید الشہدا کہکے پھر پکار
اک بار یا تشنہ دوسرا کہہ کے پھر پکار
صدقے ہو باپ یا ابتا کہکے پھر پکار

میری بہی جان تن سے ترے ساتھ جائیگی
مرجاؤن گا یہین جو نہ آواز آئے گی

کچھ ہوش دست و پا کا نہین بیحواس ہون
غمگین ہون مردہ دل ہون حزین ہون اُداس ہون
زخمی ہے قلب کشتۂ اندوہ و یاس ہون
دم توڑ دو تم تو ہے غضب و مین نہ پاس ہون

کیونکر قرار آئے دلِ ناصبور کو
لاؤن کہان سے ڈہونڈ کے آنکھون کے نور کو

دوڑے یہ بات کہکے جو سلطان بحر و بر
اُٹھا یہ دل مین درد کہ خم ہو گئی کمر
بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو مین تر
دیکھا جو زخم مُنہ کے قریب آگیا جگر

تڑپے جو گر کے اور تڑپ کر ٹھہر گئے
غل پڑ گیا صفون مین کہ شبیر مر گئے

ہوش آیا تین ساعتِ کامل کے بعد جب
آنسو بہا کے رکھدیے بیٹے کے لب پہ لب
دیکھا کہ مٹ رہی ہے شبیہ رسولِ رب
چلاتے تھے کہ چھوڑ چلے ہمکو ہے غضب

دل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال دو

باہین اُٹھا کے باپ کی گردن مین ڈال دو

اکبرؑ نے آنکھین کھول کے دیکھا رخِ پدر
گالون پہ اشک آنکھون سے ٹپکے اِدہر اُدہر
فرمایا شہ نے زانو پہ رکھکر سرِ پسر
روتے ہو کسکے واسطے اے غیرتِ قمر

یان سے اُٹھا کے آلِ پیمبر مین لے چلین
غم مان کا ہے تو آؤ تمھین گھر مین لے چلین

کی عرض مہلت اتنی کہان اے شہِ اُمم
اب کیجیے قبلہ رو کہ نکلتا ہے تن سے دم
دولت ملی کہ دیکھ لئے آپ کے قدم
غیر از غمِ فراق مجھے کچھ نہین ہے غم

ساتھ آئے تھے جو چاہنے والے وہ دور ہین
روتا ہون اس لئے کہ اکیلے حضور ہین

شہ نے کہا مرے لئے بیٹا نہ رو وُ بس
ہوگا جہان سے جانے مین تھوڑا سا پیش و پس
دنیا کی آرزو ہے نہ جینے کی کچھ ہوس
میرے لئے ہے اب دمِ خنجر ہر اک نفس

اکبر ترے الم سے جگر چاک چاک ہے
جب تو نہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

یہ بات سُنکے لینے لگا ہچکیان پسر
سوکھی زبان دکھائی کہ پیاسا ہون اے پدر
زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر بسر
دو بار لی کراہ کی کروٹ اِدہر اُدہر

دنیا سے انتقال ہوا نورِ عین کا
ہنگام ظہر تھا کہ لٹا گھر حسینؑ کا

نکلی اِدہر تو جسم سے اکبرؑ کی جانِ زار
یان بیبیان ہوئین درِ خیمہ پہ بیقرار
فِضّہ پکاری ڈیوڑھی سے بڑھکر یہ ایک بار
اکبرؑ پہ کیا گذر گئی اے شاہِ نامدار

چھریان غم و الم کی کلیجے پہ چلتی ہین
جلد آیئے کہ حضرتِ زینبؑ نکلتی ہین

گھبرا کے شاہ دین نے اُٹھائی پسر کی لاش
لائے قریب خیمہ جو اُس سیمبر کی لاش
لپٹائے تھے کلیجے سے لختِ جگر کی لاش
غل پڑ گیا کہ آتی ہے رشکِ قمر کی لاش

زہرا کی بیٹیان جو کھلے سر نکل پڑین
سب بیبیان خیام سے باہر نکل پڑین

سر ننگے شہ کے گرد تھین سیدانیان تمام
بانوؑ پکارتی تھی کہ یا شاہِ تشنہ کام
تھے بیچ مین شہید کا لاشہ لئے امام
جیتا ہے یا جہان سے گیا میرا لالہ فام

منکا ڈھلا ہے ہونٹون پہ سوکھی زبان ہے
اے جانِ فاطمہؑ مرے بچے مین جان ہے؟

زینبؑ تڑپ تڑپ کے یہ کہتی تھی بار بار
طاقت نہین ہے آپ مین یا شاہِ نامدار
یہ لاش میری گود مین دیجے بہن نثار
صدقے گئی لرزتا ہے فاقون سے جسم زار

شہ کہتے تھے یہ کام ہے مجھ خستہ جان کا
تجھسے بہن اُٹھے گا نہ لاشہ جوان کا

لاشہ پسر کا خیمہ مین لائے امامِ پاک
شہ نے لٹا کے لاش جو کی آہِ دردناک
مسندِ رسولؐ حق کی بچھائی بروے خاک
دل بی بیون کے ہو گئے سینے مین چاک چاک

پہلے گمان تھا غش مین وغا کر کے آئے ہین
آخر یقین سب کو ہوا مر کے آئے ہین +

لاشے کے پاس ہائے پسر کہہ کے مان گری
ہاتھون سے دل پکڑ کے پھوپھی نیم جان گری

دل پر ہر اک کے برق غم نوجوان گری
غش ہو کے یان گری کوئی اور کوئی وان گری
چھوٹی بہن جو لاشے سے آکر لپٹ گئی
اک حشر ہو گیا صفِ ماتم اولٹ گئی

مثال ۷، حضرت علی اکبرؑ نزع کی حالت مین امام حسین علیہ السلام کو پکارتے ہین اور وہ بدحواس قتلگاہ کی طرف جاتے ہین۔ اُسوقت کی اضطرابی حرکات، اور باپ بیٹے کی گفتگو ؎

سُنکر یہ استغاثۂ فرزند خوشخصال
کھولے جناب فاطمہؑ کی بیٹیون نے بال
سیّد نے آہ کی کہ ہلا عرش ذوالجلال
بانوؑ پکاری خیر تو ہے اے علیؑ کے لال
ہے ہے پسر سے کونسی مادر بچھڑ گئی
صاحب بتاؤ کیا مری بستی اُجڑ گئی

نیزے سے کسکے لال کا؟ زخمی ہوا جگر
کہتا ہے کون رن مین تڑپ کر پدر پدر
کرتے ہین کسکی لاش کو پامال اہل شر
اب گھر سے مین نکلتی ہون ہے ہے مرا پسر
پروانہ مجھسے کیجیے سب جانتی ہون مین
آواز یہ اُسی کی ہے پہچانتی ہون مین

بانوؑ کو قسمین دے کے چلے شاہ نامدار
دل تھا اُلٹ پلٹ تو کلیجہ تھا بیقرار
وہ پیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ وہ اضطرار
اُٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار
چلاتے تھے شبیہ پیمبرؐ ہم آتے ہین
گھبرائیو نہ اے علی اکبرؑ ہم آتے ہین

آؤن کدھر کو اے علی اکبرؑ جواب دو
اکبرؑ برائے خالق اکبر جواب دو
چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر جواب دو
بیٹا جواب دو مرے دلبر جواب دو

کرتے ہین ہم ثواب کا ہاتھون سے کام لو
بیٹا ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو

کچھ سوجھتا نہین مین کدہر جاؤن کیا کرون
مضطر ہے جان و دل کسے سمجھاؤن کیا کرون

اے نور چشم تجکو کہان پاؤن کیا کرون
کیونکر پسر کو ڈھونڈ کے مین لاؤن کیا کرون

پایا تھا مدتون مین جسے خاک چھان کے
وہ لعل ہمنے کھو دیا جنگل مین آن کے

بس اب خبر حسینؑ کی لے جلد اے اجل
اے جان ناتوان، تن مجروح سے نکل

اے جسم زار زیست کا باقی نہین محل
ہان اے نفس چھری کیطرح سے گلے پہ چل

چھوٹے نہ اُسکا ساتھ جو پیری کی آس ہو
لاشہ بھی لاشۂ علی اکبرؑ کے پاس ہو

جنگل سے بیجواس بھرے نہر پر گئے
دوڑے کسی طرف تو کسی جا ٹھہر گئے

وان بھی جو وہ گُہر نملا سوے بر گئے
تہا لے ملے لہو کے برابر جدہر گئے

ٹپکا ہوا زمین پہ جگر کا لہو ملا
لیکن کہین نہ وہ پسر ماہرو ملا

جا کر صفون کے پاس پکارے باشک و آہ
اے ظالمون یہ شب ہے کہ دن ہوگیا سیاہ

ہے کسطرف مرے علی اکبرؑ کی قتل گاہ
کس ابر مین چھپا ہے مرا چودہوین کا ماہ

تبلاؤن جان ہے کہ نہین جسم زار مین
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار مین

لاش پسر کو ڈھونڈھتے تھے شاہ بحر و بر
سر پیٹنے کی جا ہے کہ ہنستے تھے اہل شر

کہتا تہا شمر اے پسر سید البشر
کس کو حضور ڈہونڈہتے ہین امر گیا پسر

خود ڈہونڈ ھ لیجیے جسد پاش پاش کو
بتلائین گے نہ ہم علی اکبرؑ کی لاش کو

یہ سُنکے کہینچ لی شہ والا نے ذوالفقار
شہ کو نظر پڑا علی اکبرؑ کا راہوار
چمکی جو برقِ تیغ تو بہاگے ستم شعار
چلائے اے عقاب کدہر ہے ترا سوار

دکھلا دے مجھکو لاش مرے نورِعین کی
کس دشت مین پڑی ہے بضاعت حسینؑ کی

ملنے دے ان رکابون کے حلقون سے چشم نم
بوسے تری لگام کے لون مین اسیر غم
ہے ہے اسی مین تہے مرے فرزند کے قدم
اکبرؑ کے ہاتھہ مین تہی یہی باگ ہے ستم

ہے ہے وہ ہاتہہ پاؤن مرے آفتاب کے
قربان تری لگام کے صدقے رکاب کے

گہوڑے نے ہنہنا کے سوے دشت کی نظر
جاتا تہا آگے آگے وہ تازی بچشم تر
یعنے کہ لاش آپکے پیارے کی ہے ادہر
گہوڑے کے پیچھے پیچھے تہے سلطان بحروبر

جنگل مین لاشۂ پسر نوجوان ملا
وہ مہ لقا ملا تو مگر نیم جان ملا

دیکھی عجیب حالتِ فرزند نوجوان
تن پر جراحتِ تبر و خنجر و سنان
پیکان گلے مین ہونٹون پہ نکلی ہوئی زبان
گردن تہی کج بھری ہوئی آنکھون مین تپلیان

ٹاپون سے مرکبون کے جراحت پہٹے ہوئے
چہرۂ سفید خاک مین گیسو اٹے ہوئے

ہچکی کے ساتھ کہتے ہین واکر کے چشم تر
اے موت بے وطن کی جوانی پہ رحم کر
اے جان جسم زار مین اور ایک دم ٹھہر
اے درد تھم ذرا کہ پھٹا جاتا ہے جگر
پھر ایک بار سیدۂ والا کو دیکھ لون
مہلت بس اتنی دے کہ مین بابا کو دیکھ لون

دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے
زندہ رہے یہ پیر جوان یون جہان سے جائے
حضرت زمین پہ گر کے پکارے کہ ہائے ہائے
اے لال تین روز کے فاقے مین زخم کھائے
شاید جگر کے زخم سے تم بیقرار ہو
زخمی تمھاری چھاتی پہ بابا نثار ہو

کیون کھینچتے ہو پاؤن کو اے میرے گلعذار
آنکھین تو کھولدو کہ مرا دل ہے بیقرار
کیون ہاتھ اٹھا اٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
بیٹا تمھاری مان کو تمھارا ہے انتظار
بہنین کھڑی ہین در پہ بڑے اشتیاق مین
اکبر تمھاری مان نہ جیے گی فراق مین

غش مین سنا جو ہین علی اکبر نے ان کا نام
سوکھی زبان دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام
کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوئے خیام
شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام
اب اور کوئی دم کا پسر میہمان ہے
امداد یا حسینؑ کہ پانی مین جان ہے

فرمایا شہ نے اے علی اکبر مین کیا کرون
گھیرے ہین نہر کو یہ ستمگر مین کیا کرون
پانی نہین ہے مجھکو میسر مین کیا کرون
کچھ بس نہین مرا مرے دلبر مین کیا کرون
اعدا نہ دینگے بوند اگر لاکھ کد کرین

بیٹا تمہاری ساقی کوثر مدد کریں

حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر
اتنی زبان ہلی کہ خدا حافظ اے پدر
ہچکی جو آئی تھام لیا ہاتھ سے جگر
انگڑائی لیکے رکھدیا شہ کے قدم پہ سر

آباد گھر لٹا شہ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے

لکھتا ہے ایک راوی غمگین و پر ملال
یعنی ادھر ہوا علی اکبرؑ کا انتقال
نکلی حرم سے ایک زن فاطمہؑ جمال
گویا جناب سیدہؑ کھولے ہوئے تھیں بال

تھی اس طرح سے رخ پہ ضیا اُس جناب کے
حلقہ ہو جیسے نور کا گرد آفتاب کے

چلاتی تھی ارے مرا پیارا ہے کس طرف
اے آسمان وہ عرش کا تارا ہے کس طرف
اے ابر شام چاند ہمارا ہے کس طرف
اے ارض کربلا وہ سدھارا ہے کس طرف

ہے ہے سنان سے جان گئی میہمان کی
میت کدھر کو ہے مرے کڑیل جوان کی

اے میرے لمبے گیسوؤں والے کدھر ہے تو
ہے ہے مرے غریبی کے پالے کدھر ہے تو
واری کمان لگے تجھے بھالے کدھر ہے تو
کیونکر پھوپھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو

اٹھارہ ان برس تھا کہ موت آگئی تجھے
اے نور عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

ہے ہے مرے سعید و رشید و متین جوان
خوشرو جوان غریب جوان مہ جبین جوان
صفدر جوان شکیل جوان نازنین جوان
کس نے تجھے مروڑ لیا اے حسین جوان

آغاز تھیں مسین ابھی ایسے مُسِن نہ تھے
بچے مرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

یہ بین کرتی جاتی تھی وہ سوختہ جگر
جاتی تھی بہو اس ادھر سے وہ نوحہ گر

سیدانیوں کا غول تھا پیچھے برہنہ سر
آئے اُدھر سے لاش لئے شاہ بحر و بر

دیکھا لہو رواں جو تنِ پاش پاش سے
سب بی بیاں لپٹ گئیں اکبرؑ کی لاش سے

مناظرِ قدرت

عربی اور فارسی مین مناظرِ قدرت پر بہت کم لکھا گیا ہے، اور اُردو مین تو گویا سرے سے اس کا وجود ہی نہ تھا، میرضمیر نے سب سے پہلے اس پر طبع آزمائی کی، لیکن وہ مضمون بندی اور استعارات کو کلام کا اصلی جوہر سمجھتے تھے، اسلئے اصلی حالت نہ ادا کر سکے، میر انیس نے اس صنف پر اگرچہ صرف دو تین مرثیے لکھے ہین، لیکن جو کچھ لکھا ہے، کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ہے -

صبح کا سمان،

طے کر چکا جو منزلِ شب، کاروانِ صبح
گردون سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح

ہونے لگا اُفق سے ہویدا نشانِ صبح
ھر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح

پنہان نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا
عالم، تمام مطلعِ انوار ہو گیا

خورشید نے جو رخ سے اُٹھائی نقابِ شب
انجم کی فرد فرد سے لے کر حسابِ شب

در کُھل گیا سحر کا، ہوا بند بابِ شب
دفتر کشائی صبح نے، اُلٹی کتابِ شب

گردون پہ رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا +
سلطانِ غرب وشرق کا نظم و نسق ہوا

یون گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے نہان
آئی بہار مین گل مہتاب پر خزان،
چُن لے چمن سے پھولونکو جسطرح باغبان
مُرجھا کے رہ گئے ثمر و شاخ کہکشان +

دکھلائے طور باد سحر نے سموم کے +
پژمردہ ہو کے، رہ گئے غنچے نجوم کے +

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا، وہ فضا وہ نور
یاد خدا مین زمزمہ پردازی طیور
خنکی ہو جس سے چشم کو، اور قلب کو سرور

انسان زمین پہ محو، ملک آسمان پر
جاری تھا، ذکر قدرتِ حق، ہر زبان پر

وہ سرخی شفق کی اُدھر چرخ پر بہار
شبنم کی وہ گلون پہ گہر ہائے آبدار
وہ بار ور درخت، وہ صحرا وہ سبزہ زار
پھولون سے، سب بھرا ہوا دامان کوہسار

نافے کھلے ہوے، وہ گلون کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

تھی دشتِ کربلا کی زمین رشکِ آسمان
چمکے ہوے ستارون کا ذرّون پہ تھا گمان
تھا دور دور تک شبِ مہتاب کا سمان
نہر فرات بیچ مین تھی مثل کہکشان

سبزہ جو درخت تھا وہ نخل طور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

ایک اور موقع پر لکھتے ہین ؎

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح
کرنے لگا فلک زر انجم نثار صبح
گلزار شب خزان ہوا آئی بہار صبح
سرگرم ذکر حق ہوئے طاعت گزار صبح
تھا چرخ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن مین گلاب کا

چلنا وہ باد صبح کے جھونکون کا دمبدم
وہ آب و تاب نہر وہ موجون کا پیچ و خم
مرغان باغ کی وہ خوش الحانیان بہم
سردی ہوا مین پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
چلنا نسیم صبح کا رہ رہ کے بار بار
تھے طائرونکے غول درختون پہ بیشمار
کوکو وہ قمریونکی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغ بہشت نعیم کے
ہر سو روان تھے دشت مین جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سمان
ذرّون کی روشنی پہ ستارونکا تھا گمان
تھا جسکی ضو سے وجد مین طاؤس آسمان
نہر فرات بیچ مین تھی مثل کہکشان
ہر نخل پر ضیائے سر کوہ طور تھی
گویا فلک سے بارش باران نور تھی

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد
مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
یہ خوف تھا کہ دامن گل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا

سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

ایک اور موقع پر بھی یہی سمان باندھتے ہیں ؎

وہ صبح اور وہ چھانون ستارون کی اور وہ نور — دیکھے تو غش کرے، ارنی گوی اوج طور
پیدا گلون سے قدرت اللہ کا ظہور — وہ جا بجا درختون پہ تسبیح خوان طیور

گلشن خجل تھے، وادی مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولون کی باس سے

ٹھنڈی ہوا مین سبزۂ صحرا کی وہ لہک — شرمائے جس سے اطلس زنگاری فلک
وہ جھومنا درختون کا، پھولون کی وہ مہک — ہر برگ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک

ہیرے خجل تھے، گوہر یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا، وہ فضا — دراج وکبک، وتیھو، طاؤس کی صدا
وہ جوش گل، وہ نالۂ مرغان خوش نوا — سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا

پھولون سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبد گلفروش تھے

وہ دشت، وہ نسیم کے جھونکے، وہ سبزہ زار — پھولون پہ جا بجا وہ گہر ہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخون کا بار بار — بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار

خواہان تھے زیب گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دئے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریون کا چار طرف سرو کے ہجوم — کو کو کا شور، نالۂ حق سرّہٗ کی دھوم

سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم | جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کی تھی رسوم

کچھ گُل فقط نہ کرتے تھے ربِ عُلا کی مدح
ھر خار کو بھی نوک زبان تھی خدا کی مدح

چیونٹی بھی ہاتھ اُٹھا کے، یہ کہتی تھی بار بار | اے دانہ کش ضعیفون کے رازق ترے نثار
یا حی و یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار | تسبیح تھی کہین، کہین تھلیل کردگار

طائر ہوا مین مست، ہرن سبزہ زار مین
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار مین

گرمی کا سمان — گرمی کا سمان شعرائے فارس نے باندھا ہے لیکن نہایت مبالغہ اور دور از کار خیالات سے کام لیا ہے۔طالب آملی کا ایک قصیدہ ہے جس مین قصیدہ کی تشبیب، گرمی کے بیان سے شروع کی ہے ؎

چنان بخار زمین تیرہ ساخت آبِ زلال | کہ قطرہ برلب جومی کند نیابتِ خال
ہوائے مہر ز تفسیدگی چنان گردید | کہ شعلہ را ز نسیم است بیم اضمحلال

مرزا صایب ایک قصیدہ مین گرمی کی شدت کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہین ؎

نیست این فوارہ ہر سو جلوہ گر در حوض ہا | کردہ است از تشنگی بیرون زبان خویش آب

ایک اور شاعر نے فرضی توجیہ خوب کی ہے ؎

گرد باد، از پے آن مے جہد از جا کہ براہ (بگون) | پا سے می سوزد ش از بسکہ زمین شد سوزان

میر انیس بھی، اگرچہ رواجِ عام کے اثر سے، نیچرل حالت سے، جابجا تجاوز کر گئے ہین تاہم ان کا اصلی جوہر بھی نمایان ہے، ؎

وہ لون، وہ آفتاب کی حدت، وہ تاب تپ | کالا تھا، رنگ، دہوپ سے دن کا مثالِ شب

خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب
خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب

اڑتی تھی خاک، خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا، دھوپ سے پانی فرات کا

آب رواں سے منہ نہ اُٹھاتے تھے جانور
جنگل مین چھپتے پھرتے تھے، طائر ادھر ادھر
مردم تھے سات پردون کے اندر عرق مین تر
خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر

گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ مین
پڑ جائین لاکھ آبلے، پائے نگاہ مین

کوسون، کسی شجر مین نہ گل تھے نہ برگ و بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا، صورت چنار
ہنستا تھا کوئی گل، نہ لہکتا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوئی تھی پھول کی، ہر شاخ باردار

گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتّے بھی مثل چہرۂ مدقوق زرد تھے

شیر اُٹھتے تھے نہ، دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
گردون کو تپ چڑھی تھی زمین کے بخار سے

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا، جو گرتا تھا، دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوّالہ کا گمان
انگارے تھے حباب تو پانی شررفشان
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان
تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان

پانی تھا آگ، گرمی روز حساب تھی،
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تپ کی تاب	چھپنے کو برق چاہتا تھا دامن سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجون کو اضطراب	کافور صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب

بھڑکی تھی آگ گنبد چرخ اثیر مین
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر مین

جو لوگ کہتے ہین کہ میر انیس کے ہان خیال آفرینی اور مضمون بندی نہین ہے، وہ ان اشعار مین سے اُن شعرون کو دیکھین، جہان نیچرل حالت سے ہٹ کر، مبالغہ اور تکلف پیدا ہو گیا ہے

منظر

(یعنی سین)

کسی خاص واقعہ یا کسی خاص حالت کی تصویر کھینچنا جسکو انگریزی مین **سین** کہتے ہین، واقعہ نگاری کی ایک قسم ہے،

عام واقعہ نگاری اور **سین** مین یہ فرق ہے کہ واقعہ نگاری مین ہر واقعہ انفرادی حیثیت رکھتا ہے بخلاف اسکے سین اس کیفیت کا نام ہے جو متعدد واقعات یا واقعہ کے متعدد جزئیات کے مجموعہ سے پیدا ہوتی ہے، مثلاً اس شعر مین ؎

لو چلتی ہے خاک اُڑتی ہے ظہر کا ہنگام	تنہا یہ چلی آتی ہے اُمنڈی سپہ شام

لو کا چلنا - خاک کا اُڑنا ظہر کا وقت ہونا، فوجون کا اُمنڈنا ہر چیز کو الگ الگ لیا جاے تو واقعہ ہے، اور ان سب کو مجموعی حیثیت سے دیکھا جاے تو **سین** ہے

میر انیس نے شاعری کے اس صنف کو جس کمال تک پہنچایا اردو کیا فارسی مین بھی اسکی بہت کم مثالین ملتی ہین، ہم چند مثالین ذیل مین درج کرتے ہین -

مثال ۱ - حُر نزع کی حالت مین ہے، امام حسین علیہ السلام اس کے سرہانے موجود ہین اسوقت کی حالت اور گفتگو

نزع کی حالت

قبلہ رو کیجیے لاشہ مرا اے قبلۂ دین
کوچ نزدیک ہے اے بادشہ عرش نشین

پڑہیے لیسین کہ اب ہے یہ دم بازپسین
لیجیے تن سے نکلتی ہی مری جان حزین

بات بہی اب تو زبان سے نہین کیجاتی ہے
کچھ اُٹھا دیجیے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود مین شبیر کے لی انگڑائی
شہ نے فرمایا ہمین چھوڑ چلے اے بھائی

آیا ماتھے پہ عرق، چہرہ پہ زردی چھائی
چل بسے حُرِّ جری پھر نہ کچھ آواز آئی

طایر روح نے پرواز کی طوبا کی طرف
پتلیان رہ گئین پھر کر شہ والا کی طرف

مثال ۲-

گرمی کی شدت مین لوگون کی حالت

وہ گرمیون کے دن وہ پہاڑون کی راہ سخت
ڈوبے ہوئے پسینون مین ہین غازیون کے رخت

پانی نہ منزلون، نہ کہین سایہ درخت
سونلا گئے ہین رنگ جوانان نیک بخت

راکب، عبائین چاند سے چہرون پہ ڈالے ہین
تو نسے ہوئے سمند زبانین نکالے ہین

وہ دن ہین جن دنون کوئی کرتا نہین سفر
رنج مسافرت مین ہین سلطان بحر و بر

صحرا کے جانور بہی نہین چھوڑتے ہین گھر
لب برگ گل سے خشک ہین، چہرے عرق مین تر

آتی ہے خاک اُڑ کے یمین و یسار سے

گیسوے مشکبار اَٹے ہین غبار سے

اہل حرم ہین ہودج و محمل مین بیقرار
بانو پکارتی ہے کہ اے شاہِ نامدار

معصوم پانی مانگتے ہین رو کے بار بار
گرمی سے جان بلب ہے ہر اطفل شیرخوار

کیونکر یہ دُکھ اُٹھے چھ مہینہ کی جان سے
گرمی ہے یا برستی ہے آگ آسمان سے

چلاتی ہے سکینہؑ کہ اے چچا مرے چچا
بابا سے کہدو اب کہین خیمہ کرین بپا

محمل مین گھٹ گئی مجھے گودی مین لو ذرا
ٹھنڈی ہوا مین لے کے چلو تم پہ مین فدا

سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوا مین ہو میری حالت خراب ہے

مثال ۳

صغیر السن بچہ نزع کی حالت مین

راوی نے یہ لکھا ہے کہ اسدم بحالِ زار
دن کو ہوا قرانِ مہ و مہر آشکار

لائے حسینؑ ہاتھون پہ اک طفلِ شیرخوار
مرجھا گیا تھا پیاس سے لیکن وہ گلعذار

تھا فرطِ غش سے ننھا سا منکا ڈھلا ہوا
باندھے ہوئے تھا مٹھیان اور منہ کھلا ہوا

چھوٹا سا ایک سبز عمامہ تھا دوش پر
جنتی ہوین وہ جن پہ تصدق دل پدر

ماتھا جھنڈولے بالون مین تاباں مین جون قمر
آنکھین تو نرگسی پہ نقاہت زیادہ تر

سایہ مین دامنِ خلفِ بوتراب کے
رخسار تھے کہ پھول کھلے تھے گلاب کے

پھیلا ہوا وہ آنکھون مین کاجل ادہر ادہر — خشکیدہ ہونٹھ موے مژہ آنسوؤن سے تر
باچھون سے تھا نمود جسے دودہ کا اثر — ہاتھون مین نیلے ڈورے تھے ہیکل تھی سینہ پر
ننھے سے دل کو مان کے بچھڑنے کا درد تھا
رن کی ہوائے گرم سے جسم اسکا سرد تھا

گرد بدن مین آتا تھا اس رنگ سے نظر — پڑتی ہے اوس پھولون پہ جیسے دم سحر
سینہ تھا صاف صورت آئینہ جلوہ گر — گرمی سے ہوگیا تھا شلوکہ عرق مین تر
چھاتی مین دمبدم جو دم اسکا اٹکتا تھا
گھبرا کے ننھے ہاتھون کو دیسے پٹکتا تھا

مثال ۴

فوجون کی آمد جنگ کی طیاری

ہے شور آمد فوج فلک سیر — فوجون کی ہر طرف سے چلی آتی ہے بھیر
دعوت کے واسطے ہین سنانین لئے شریر — حضرت کی پیشکش کو کمانین ہین اور تیر
پانی پہ چوکیان ستم آرا بٹھاتے ہین
دریا کے گھاٹ برچھیون سے روکے جاتے ہین

[illegible] لکھے گئے ہین شام کے حاکم کے جا بجا — ہر پرگنہ سے ہے طلب لشکر جفا
آکر اترتی جاتی ہین فوجین جدا جدا — لیتا ہے جایزہ عمر سعد بے حیا
غل ہے کرینگے قتل جو زہرا کے ماہ کو
انعام مین ملے گا وہ ماہ سپاہ کو

تیغین سلاح خانہ سے نکلی ہین بیشمار — ہے جا بجا درستی اسباب کارزار

ہوتے ہین لیس تیرون کے دستے کئی ہزار — خنجر ہوے ہین ذبح کو پیاسون کے آبدار

نوکین نکالی جاتی ہین تیرون کی سان پر
پھل برچھیون پہ چڑھتے ہین پرچم نشان پر

ولہ

نقارۂ وغا پہ لگی چوب، یک بیک — اُٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگے فلک
شہپور کی صدا سے ہراسان ہوے ملک — قرنا پھنکی کہ گونج اُٹھا دشت دور تک

شور دہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

حد سے فزون تھی کثرتِ افواجِ نابکار — نیزہ پہ نیزہ تیغ پہ تھی تیغ آبدار
ہر سمت تھی سنان پہ سنان مثل خار زار — ہر صف مین تھی سپر پہ سپر مثل لالہ زار

پیکان ہم تھے جیسے ہون گل بے کھلے ہوئے
گوشون سے تھے کمانون کے چلے ملے ہوئے

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل — تھے برچھیون کی صورت مقراض پھل پہ پھل
خنجر وہ جنکی آب مین ہے تلخی اجل — وہ گرز جنکے ڈر سے گرے دیو سر کے بل

ڈو ڈو تبر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
حلقون پہ تھے بچھے ہوے حلقے کمند کے،

مثال ۵۔

سفر کی طیاری

آراستہ ہین بہر سفر سرو قبا پوش — عمامے سرون پر ہین، عبائین بسرِ دوش

یارانِ وطن ہوتے ہین آپسمین ہم آغوش
حیران کوئی تصویر کی صورت کوئی خاموش

مُنہ ملتا ہے رو کر کوئی سرور کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبر کے قدم پر

ہم سنون کی وداعی ملاقات

عباس کا مُنہ دیکھکے کہتا ہے کوئی آہ
کہتے ہین گلے مل کے یہ قاسم کے ہوا خواہ
اب آنکھون سے چھپ جائیگی تصویر ید اللہ
واللہ دلون پر ہے عجب صدمۂ جان کاہ

ہم لوگون سے شیرین سخنی کون کرے گا
یہ اُنس یہ خلقِ حسنی کون کرے گا

روتے ہین وہ جو عون و محمد کے ہین ہم سن
اس داغ سے چین آئے ہمین یہ نہین ممکن
کہتے ہین کہ مکتب مین نہ جی بہلے گا تم بن
گرمی کا مہینہ ہے، سفر کے یہ نہین دن

تم حضرت شبیر کے سایہ مین پلے ہو
کیون دھوپ کی تکلیف اُٹھانے کو چلے ہو

ہم جولیون سے کہتے ہین وہ دونون برادر
پالا ہے ہمین شاہ نے ہم جائین نہ کیونکر
ہان بھائیو تم بھی ہمین یاد آؤ گے اکثر
ماموں رہین جنگل مین تو اپنا ہے وہی گھر

وہ دن ہو کہ ہم حقِ غلامی سے ادا ہون
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہون

رخصت کیلیئے لوگ چلے آتے ہین ہر دم
ایسا نہین گھر کوئی کہ جس مین نہین ماتم
ہر قلب حزین ہے تو ہر اک چشم ہے پر نم
غل ہے کہ چلا دلبرِ مخدومۂ عالم

خدام کھڑے پیٹتے ہین قبرِ نبی کے
روضہ پہ اُداسی ہے رسولِ عربی کے

سفر کی طیاری اور سواری کی تقسیم۔

تدبیر سفر میں ہے اُدھر سبط پیمبرؐ
گھر میں کبھی آتے ہیں کبھی جاتے ہیں باہر
اسباب نکلواتے ہیں عباسؑ دلاور
تقسیم سواری کے تردد میں ہیں اکبرؑ
شہ کو جنہیں لیجانا ہے وہ پاتے ہیں گھوڑے
خالی ہوا اصطبل چلے آتے ہیں گھوڑے

حاضر در دولت پہ ہیں سب یاور و انصار
کوئی تو کمر باندھتا ہے، اور کوئی ہتھیار
ہودج بھی کسے جاتے ہیں محمل بھی ہیں تیار
چلاتے ہیں درباں کوئی آئے نہ خبردار
ہر محمل و ہودج پہ گھٹا ٹوپ پڑے ہیں
پردے کی قناتیں لئے فراش کھڑے ہیں

عورتیں کیونکر رخصت ہوتی ہیں۔

عورات محلہ چلی آتی ہیں، بصد غم
کہتی ہیں، یہ دن رحلت زہراؑ سے نہیں کم
پُرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم
فرش اُٹھتا ہے کیا بچھتی ہے گویا صف ماتم
غل ہوتا ہے ہر سمت جدا ہوتی ہے زینبؑ
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینبؑ

عورتوں کا سمجھانا کہ یہ سفر کے دن نہیں۔

لے لے کے بلائیں یہی سب کرتی ہیں تقریر
اس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبیرؑ
سمجھاتی نہیں بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر
مسلم کا خط آئے تو کریں کوچ کی تدبیر
للہ ابھی قبر پیمبرؐ کو نہ چھوڑیں
گھر فاطمہؑ زہرا کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑیں

اُجڑے گا مدینہ جو یہ گھر ہوئے گا خالی
بربادیٔ یثرب کی بنا چرخ نے ڈالی
کیا جانیں کہ پھر آئیں نہ آئیں شہ عالی
حضرت کے سوا کون ہے اس شہر کا والی
زہراؑ ہیں نہ حیدرؑ نہ پیمبرؐ نہ حسنؑ ہیں

اب اُن کی جگہہ آپ ہین یا شاہِ زمن ہین

گرمی کے یہ دن اور پہاڑون کا سفر آہ — ان چھوٹے سے بچون کا نگہبان ہے اللہ
رستے کی مشقت سے کہان ہین کبھی آگاہ — ان کو تو نہ لیجائین سفر مین شہِ ذیجاہ
قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہین ملتا
کوسون تلک اس راہ مین پانی نہین ملتا

مُنہ دیکھہ کے صغرا کا چلا آتا ہے رونا — آرام سے مادر کی کہان گود مین سونا
جھولا یہ کہان اور کہان نرم بچھونا — لکھا تھا اسی سن مین مسافر نہین ہونا
کیا ہوگا جو میدان مین ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کُمھلائین گے مان ہاتھہ ملے گی

اُن بی بیون سے کہتی تھی یہ شاہ کی ہمشیر — بہنون ہمین یثرب سے لئے جاتی ہے تقدیر
اس شہر مین رہنا نہین ملتا کسی تدبیر — یہ خط پہ خط آئے ہین کہ مجبور ہین شبیر
مجھکو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھہ کہہ نہین سکتی
بھائی سے جدا ہوکے مگر رہ نہین سکتی

مثال ۶

گرمی اور گرمی کی شدت مین زن و مرد اور بچون کی حالت

گرمی کی شدت

مخفی تھے شررِ شدتِ گرما سے حجر مین — جلتی تھی یہ لون آگ بھڑکتی تھی جگر مین
نہ بحر مین راحت تھی کسی دل کو نہ بر مین — جھیلون مین نہ پانی تھا نہ پتے تھے شجر مین
پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے
سوتین بھی نہ آتی تھین، کنوین خشک پڑے تھے

پتھر کی چٹانون سے نکلتے تھے شرارے — نا ری تھی ہوا، سبز شجر زرد تھے سارے
ڈوبے تھے عرق مین اسد اللہ کے پیارے — دھڑکا تھا کہ یہ لون کسی بچّے کو نہ مارے
ہوش آتا نہ تھا اصغرِ معصوم کو غش سے
اودے تھے لبِ لعل سکینہؑ کے عطش سے

گرمی کی شدت سے ایک ایک شخص کی حالت۔

تھا مہر کی حدت سے یہ حالِ شہِ ابرار — ماتھے سے ٹپکتا تھا عرق، سرخ تھے رخسار
تحمید مین جنبان تھے لبِ لعل گُہر بار — بھر کر نفسِ سرد یہ فرماتے تھے ہر بار
اک پھول بھی زہراؑ کے چمن مین نہ ملے گا
کیا ہوگا جو پانی کسی بن مین نہ ملے گا

گرمی سے یہ تھا حضرت عباسؑ کا عالم — مُنہ سرخ تھا اور ہانپتے تھے صورتِ ضیغم
چہرہ بھی عرق ناک تھا، اور طبع بھی برہم — فرماتے تھے اشک آنکھون مین بھر کر شہِ عالم
تم شیر ہو راحت تمھین بھائی نہ ملے گی
جب تک کسی دریا کی ترائی نہ ملے گی

یون اکبرؑ مہرو تھے پسینے مین نہائے — جیسے تپِ محرق مین جوان کو عرق آئے
جب جھکنے لگا دل تو سخن لب پہ یہ لائے — ربِّ دو جہان حشر کی گرمی سے بچائے
گزرے گا ہر اک دم تپشِ دل سے قلق مین
سب تا بہ کمر ڈوبے ہوئے ہونگے عرق مین

حضرت کو سکینہؑ یہ صدا دیتی تھی پیہم — محمل مین گھٹا جاتا ہے، گرمی سے مرا دم
سب ڈوب گئی ہون یہ پسینے کا ہے عالم — برسے گی یون ہی آگ تو جینے کے نہین ہم
ہین ابرِ کرم آپ کرم کیجیے بابا

سایہ یہ کہین مل جاے تو دم لیجیے بابا

سُنکر یہ بھتیجی کی صدا حضرت عباسؑ
کہتے تھے چچا صدقے ہو، رو و نہ بصد یاس
لو پانی پیو تم کو لگی ہو جو بہت پیاس
دم گھٹتا ہے محمل مین تو آجاؤ مرے پاس

تکلیف تمہاری ہمین منظور نہین ہے
دن ڈھلتا ہے، منزل بھی بس اب دور نہین ہے

مشکین لیے سقے جو سواری کے تھے ہمراہ
بھرلاتے تھے پانی، اپے فوج شہ ذیجاہ
جسطرح کہ پیاسون کا ہو مجمع بسر راہ
پانی پہ گرے پڑتے تھے یون شہ کے ہوا خواہ

جنگل مین عطش کا جو تھا صدمہ کہ دمبدم
چہرے پہ چھڑکتا تھا، کوئی کوئی زرہ پر

گرمی سے بچنے کی تدبیرین

بھرتا تھا دم سرد، پریشان کوئی ہو کے
دامن سے ہوا دیتا تھا مُنہ کو کوئی دھو کے
بجھتا تھا کوئی لُون سے، ردا چہرے پہ رو کے
رکھ لیتا تھا سر پہ کوئی رومال بھگو کے

پڑتی تھین جو چھینٹین تو مزا دیتا تھا پانی
جھک کر کوئی چلّو ہی سے پی لیتا تھا پانی

کہتے تھے قرین ناقون کے آکر شہ ابرار
حاضر ہے جو پانی کسی بی بی کو ہو درکار
آندھی ہے گھٹا ٹوپ اُڑے جاتے ہین ہربار
اے بنت یداللہ سکینہؑ سے خبردار

رستا یہ پہاڑون کا ہے منزل یہ کڑی ہے
بچون کو چھپائے رہو، لون آج بڑی ہے

محمل سے نظر کرکے یداللہ کی جائی
کہتی تھی کہ اللہ نے یہ شکل دکھائی
جس دن سے چھٹا گھر کہین راحت نہین پائی
فریاد بہن دھوپ مین سونلا گئی بھائی

کیا بن گئی جنگل میں امام دوسرا پر
سایہ بھی درختوں کا نہیں ظلِ ہما پر

صدقے گئی جنگل کی نہ اب دھوپ میں چلیے
منہ دھوئیے دم لیجیے پوشاک بدلیے

دن کاٹئے سایہ میں کہیں رات کو چلیے
لون چلتی ہے آفت کی پہاڑوں سے نکلیے

ناشاد بھن آپ کی غربت پہ فدا ہو
بچہ کوئی گر تونس کے مرجائے تو کیا ہو

مثال ۷۔

لڑائی کی طیاری

طبل جنگ بجنے پر شجاعوں کی کیا حالت ہوتی ہے۔

یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اُس طرف
تیروں نے رخ کیا سوے ابن شہ نجف

مشکل کشا کی فوج نے باندھی اُدھر بھی صف
سینوں کو غازیوں نے اُدھر کر دیا ہدف

تھا بسکہ شوق جنگ ہر یک رشک ماہ کو
جوش آگیا وغا کا حسینی سپاہ کو

غصے سے آفتاب ہوئے مونھوں کے رنگ
تن تن کے برچھیاں جو سنبھالیں برائے جنگ

فوجوں پہ جا پڑیں یہ دلوں کو ہوئی اُمنگ
بیچین ہو گئے فرسِ ابلق و سمند رنگ

پاس ادب سے شاہ کی، صف بڑھ کے تھم گئی
پٹری ہر اک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضہ کو چوم کے
بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے

بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے
ٹکڑے اُڑائیں گے عمر و شمر شوم کے

نامرد جو ہیں آنکھ چُراتے ہیں مرد سے

دونون کو چار کرکے پھرین گے نبرد سے

دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی — بل کھا کے زلف رخ پہ کسی کے اکڑ گئی
چتون کسی کی شور دہل سے بگڑ گئی + — منہ سرخ ہوگیا شکن ابرو پہ پڑ گئی
نکلا کوئی سمند کو زانون مین داب کے
غصے سے رہ گیا کوئی ہونٹون کو چاب کے

بڑھکر کسی نے تیر ملایا کمان سے — نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے — تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے
اک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشون سے چل کے پاٹ دو نہر فرات کو

سنتے ہی یہ کلام جوانانِ نام ور — لڑکے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھکر
کہتے تھے تیغیں لئے وہ غیرتِ قمر — یارب شکست کوفیون کو دے ہمین ظفر
سر کے نہ پیر وغا مین جو بڑھ کے قدم گڑے
جا کر درِ یزید پہ اپنا علم گڑے

مثال ۸

بیکسی اور تنہائی

حضرت پہ اُدہر ہوتی ہے اعدا کی چڑہائی — تنہا ہین نہ بیٹا نہ بھتیجا ہے نہ بھائی
سیدانیان دیتی ہین محمد کی دہائی — اعدا مین یہ غل ہے کہ کرو فتح لڑائی
ڈوبے ہوئے خون مین شہدا گرد پڑے ہین

گھوڑے پہ اکیلے شہِ ابرار کھڑے ہین

ہے تابشِ خور سے عرق افشان رخِ گلفام
لب خشک ہین پانی کا میسر نہین اک جام
لون چلتی ہے خاک اُڑتی ہے ہے ظہر کا ہنگام
تنہا یہ چلی آتی ہے اُمنڈی سپہ شام

یہ شوقِ شہادت ہے شہنشاہِ زمن کو
بوچھار سے تیرون کے بچاتے نہین تن کو

ہین آگ مین تیغون کے کہڑے پہ نہین کچھ غم
اُمت پہ نہ آنچ آئے دعا ہے یہی ہر دم
ہین گرد بیابان مین اُٹے گیسوے پُرخم
نیلے ہین لبِ لعل یہ ہے پیاس کا عالم

بو آتی ہے دریا سے برادر کے لہو کی
چھینٹین ہین قبا پر علی اکبر کے لہو کی

ذکرِ غمِ عباس بھی اصلا نہین کرتے
غیرت سے نظر جانبِ دریا نہین کرتے
خونِ علی اکبر کا بھی دعوا نہین کرتے
امت کے یہ ہین ظلم پہ شکوا نہین کرتے

پانی کے بھی طالب نہین گو تشنہ دہن ہین
کلمے ہین نصیحت کے محبت کے سخن ہین

مثال ۹-

فوج کا داخلہ اور طیاری جنگ

خیمہ مین اُترے یان تو شہِ عرش بارگاہ
آ آکے اُس طرف بھی اُترنے لگی سپاہ
کوسون علم کھلے تھے جدہر کیجیے نگاہ
یان تک کہ بند ہو گئی چارون طرف سے راہ

فوجون سے تا بہ صبح زمین رن کی بھر گئی
اک رات مین چڑھی ہوئی ندی اُتر گئی

اس کثرت سپاہ پہ ناگہ ہوئی یہ دھوم
جسکی جلو میں لاکھہ سواروں کا ہے ہجوم
آپہونچا شام سے پسر سعد نحس و شوم
اک شہر ہین یکتا زجوانان شام و روم

بس کھل گیا نہ طور صفائی کا ہوے گا
اب کل سے بند و بست لڑائی کا ہوے گا

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوے نشان
موجون کی طرح سب تھین صفین پیش و پس روان
اٹھا زمین پہ ظلم کا دریاے بیکران
لہراتے تھے ہوا سے علم متصل باوجان

ہلتا تہا دشت کین دہل اس طرح بجتے تھے
باجون کا تہا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنگی وہ رومیون کے پرے شامیون کے دل
مکار و ابل نار و دغا باز و پر دغل
خوف خدا نہ جن کو نہ اندیشۂ اجل
شکلین مہیب دیو سے قد ابرون پہ بل

بدخواہ خاندان رسالت پناہ سے تھے
ایسے جلے ہوے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تلوارین کھینچے بڑہ کے جمے دو طرف سوار
ڈنکے کی دمبدم تھی صدا آسمان کے پار
غل ہوگیا سلامی کے باجون کا ایک بار
"آگے بڑہے چلو" یہ نقیبون کی تھی پکار

گھوڑون کے گرد و پیش رئیسان شام تھے
زرین کمر جلو مین کئی سو غلام تھے

مثال ۱۰- حضرت عباسؑ نہر سے مشک بھر چکے ہین اور واپس آنا چاہتے ہین، دشمن یہ دیکھہ کر ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے ہین حضرت عباسؑ اس کشمکش مین ہین کہ آپ کو بچائین یا مشک کو سنبھالین اس وقت کے مضطربانہ حرکات کی تصویر سے

اک تشنہ کام لاکھون مین کس کس کو دے جواب
کہتا تہا ہات اُٹھنے کی مجھ مین نہین ہے تاب
شل ہو گیا تہا بازوے فرزندِ بوتراب
لڑنے مین فکر تھی کہ نہ ضایع ہو مشکِ آب
پروانہ تھی جو بازوؤن پر تیر کھاتے تھے
لیکن سپر سے مشکِ سکینہؑ بچاتے تھے

برچھی سے چھد گیا کبھی دل اور جگر کبھی
چھاتی تلے تھی مشک کبھی دوش پر کبھی
اک شیر سے ادہر کبھی جھپٹے اُدہر کبھی
سینہ کبھی تہا مشک کے اوپر سپر کبھی
رہوار پر سنبھلتے تھے جب جھوم جھوم کے
روتے تھے بازؤن کو علیؑ چوم چوم کے

تکتے تھے مسکرا کے سوے آسمان کبھی
لگتا تہا تن پہ تیر کبھی اور سنان کبھی
ہونٹون پہ پھیر لیتے تھے سوکھی زبان کبھی
جھکتے تھے خود فرس سے کبھی در نشان کبھی
گھوڑے کو جب بڑہاتے تھے رانون مین داب کے
قدمون سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے

چھینٹین لہو کی اُڑ کے جو پڑتی تھین مشک پر
یہ پاس تہا کہ تیغون سے ٹکڑے ہو میرا سر
دامن سے پونچھتے تھے علمدارِ نامور
شقّہ مگر علم کا لہو سے نہ ہووے تر
اقبال بادشاہِ زمین و زمان رہے
دنیا مین مین رہون نہ رہون یہ نشان رہے

ولہ

گر گر کبھی اُٹھے ؟ کبھی رکھا زمین پہ سر
حسرت سے کی، خیام کی جانب کبھی نظر
اُبلا کبھی لہو، تو سنبھالا کبھی جگر
کروٹ کبھی تڑپ کے ادہر لی کبھی اُدہر

اُٹھ بیٹھے جب، تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے
تیر اور تن میں گڑ گئے، جب مُنہ کے بل گرے

مثال ۱۱-

پردہ کا اہتمام

بیت الشرف خاص سے نکلے شہ ابرار
فراشوں کو عباسؑ پکارے یہ بہ تکرار

روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترت اطہار
پردے کی قناتوں سے خبردار خبردار

باہر حرم آتے ہیں رسولِ دوسرا کے
شقّہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اُتر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے

آتا ہو ادھر جو وہ اُسی جا پہ وہ ٹھہر جائے
دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے

مریم سے سوا حق نے شرف ان کو دئے ہیں
افلاک نے آنکھوں کو ملک بند کئے ہیں

آ پہونچی جو ناقہ کے قریں دختر حیدرؑ
فضہ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشۂ چادر

خود ہاتھ پکڑنے کو بڑھے سبط پیمبر
تھے پردۂ محمل کو اُٹھائے علی اکبرؑ

فرزند کمر بستہ چپ و راس کھڑے تھے
نعلین اُٹھا لینے کو عباسؑ کھڑے تھے

مثال ۱۲-

مستورات کا محمل سے اُترنا

جمّازۂ زینبؑ جو قریں ڈیوڑھی کے پہونچا
کرسی سے اُٹھے آپ شہ یثرب و بطحا

گرد آکے کیا قاسمؑ و عباسؑ نے پردا — محمل سے اُترنے جو لگی دخترِ زہرا

اک ہاتھ علی اکبرؑ ذی جاہ نے تھاما
اک ہاتھ جگر بندِ یداللہ نے تھاما

چھاتی سے سکینہ کو لگائے ہوئے اُتریں — آنسو رخِ انور پہ بہائے ہوئے اُتریں
شہزادی کو چادر میں چھپائے ہوئے اُتریں — پردا تھا مگر سر کو جھکائے ہوئے اُتریں

مثال ۱۳ - عون و محمد میدان جنگ میں لڑ رہے ہیں، سیدانیاں دروازہ پر بدحواس کھڑی ہیں حضرت زینبؑ فضہ سے پوچھتی ہیں کہ میرے بچے کیا کر رہے ہیں؟ وہ جواب دیتی ہے ۵

سیدانیاں دروازہ پہ تھیں کھولے ہوئے سر — اصغرؑ کو لئے کانپتی تھی بانوے پر
فضہ تھی پریشان، گئی سوئے خیمہ کے اندر — پردہ سے لگی، کہتی تھی یہ شاہ کی خواہر

بتلا مجھے، بچے مرے کیا کرتے ہیں دونوں
وہ کہتی تھی لاکھوں سے وغا کرتے ہیں دونوں

وہ رخ پہ نظر آتے ہیں، اُڑتے ہوئے گیسو — وہ تیغیں بجلی کی طرح گرتے ہیں ہر سو
ڈھالیں لئے وہ بھاگتے پھرتے ہیں جفاجو — وہ ابر میں چھپ چھپ کے نکل آتے ہیں مہ رو

بہتا ہے لہو چھاتیوں سے - چور ہیں دونوں
کس طرح پکاروں کہ بہت دور ہیں دونوں

مثال ۱۴ - حضرت عباسؑ نہر کے کنارے پہنچے ہیں - گھوڑا کئی دن کا پیاسا تھا - پانی دیکھ کر بیتاب ہوگیا ہے، لیکن چونکہ تمام قافلہ پیاسا ہے، حضرت عباسؑ اسکو پانی پینے سے روکتے ہیں - اس وقت گھوڑے کی حالت ۵

دو دن سے بے زبان پہ جو تھا آب و دانہ بند — دریا کو صفحا کے لگا دیکھنے سمند

ہر بار کانپتا تھا ملتا تھا بند بند	چمکارتے تھے حضرتِ عباسؑ ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شورِ آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا مُنہ سوار کا

مثال ۱۵ - حضرت امام حسین علیہ السلام کا میدان کربلا میں داخلہ، رفقا سے خطاب، اور نوجوانوں کی سیر و تفریح

اُترا یہ کہہ کے کشتیِ امت کا ناخدا	جتنے سوار تھے وہ ہوے سب پیادہ پا
حضرت نے مُسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا	دیکھو تو، کیا ترائی ہے؟ کیا نہر؟ کیا فضا

اکبر شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہ سربلند	کیوں یہ مقام ہے تمہیں شاید بہت پسند
کی مُسکرا کے، عرض کہ اے شاہِ ارجمند	بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند

ٹھیرا اب یہیں رہیں گے عنایت جو رب کی ہے
میں کیا کہوں حضور، ترائی غضب کی ہے

روتے ہوے وہاں سے بڑھے آپ چند گام	گویا زمیں کی سیر کو اُترا مہ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدرؑ کے لالہ فام	شکلیں وہ نور کی وہ تجمل وہ احتشام

زلفیں ہوا میں اُڑتی نہیں؟ ہاتوں میں ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوے ساتھ ساتھ تھے

مثال ۱۶

تمام رفقا کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ کی بیکسی، اور دشمنوں کا نرغہ

مومنو خانۂ زہرؑا پہ تباہی ہے آج	گھر پہ ساداتِ کے پانی کی مناہی ہے آج

تن تنہا خلفِ شیر الٰہی ہے آج
خلق سے سبطِ نبیؐ خلد کو راہی ہے آج

قتل کی بیکس و مظلوم کی تدبیرین ہین
اک نبیؐ زادہ ہے اور سیکڑون شمشیرین ہین

نیزے تانے ہوئے اُمڈے چلے آتے ہین سوار
ہین کماندار پرا باندھے ہوئے تیس ہزار
تیغین کھینچے ہوئے جو گرد کھڑے ہین جرار
غل ہے مہلت نہ ملے سبطِ نبیؐ کو زنہار

برق شمشیر ہر اک جا پہ چمک جاتی ہے
جسطرف دیکھتے ہین موت نظر آتی ہے

نہ ہے غمخوار نہ ہمدرد نہ یاور کوئی
نہ بھتیجا ہے نہ بیٹا نہ برادر کوئی
نہین اتنا ہے خبر پوچھے جو آکر کوئی
ایک اللہ تو ہے اور نہین سر پر کوئی

تھے جو غمخوار وہ ریتی پہ پڑے سوتے ہین
اپنی تنہائی پہ شاہ دوجہان روتے ہین

جسم پر تیغ لگاتا ہے کوئی اور کوئی تیر
خون مین سر تا بقدم تر ہین جنابِ شبیرؑ
رو کے فرماتے ہین اعدا سے کہ اے قوم شریر
کیا گنہ ہے مجھے کیون مارتے ہو بے تقصیر

یون ستاؤ نہ کہ مین مرگ پہ آمادہ ہون
رحم لازم ہے کہ سید ہون نبیؐ زادہ ہون

کوئی سنتا نہین فریاد امامِ عالی
برچھیان چلتی ہین اور ہوتے ہین ترکش خالی
ماہ زہراؑ پہ فلک نے یہ مصیبت ڈالی
خون مین تر زلفین ہین یا تنگ ہے پریشان حالی

زخم تلوارون کے خاموش کھڑے کھاتے ہین
غش مین جھکتے ہین کبھی گاہ سنبھل جاتے ہین

لاشۂ اکبرؑ و عباسؑ جو آتا ہے نظر
روکے فرماتے ہین بیٹے سے کہ ای جان پدر

تھام لیتے ہین کلیجہ کبھی اور گاہ جگر
ایسے غافل ہو کہ لیتے نہین بابا کی خبر

مرے پیارے مے جائے مرے دلبر اُٹھو
ہم پہ تنہائی ہے اُٹھو علی اکبرؑ اُٹھو

لاش عباسؑ سے کرتے ہین بصد یاس بیان
وقت امداد و اعانت ہے برادر قربان

اے مے یار وفادار مرے شیر جوان
چھوڑ کر ہمکو لعینون مین سدہارے ہو کہان

لاکھہ ملعونون نے میدان مین ہمین گھیرا ہے
تمنے بہائی سے عجب وقت مین مُنہ پھیرا ہے

کہتے تھے اہل ستم حال سُناتے ہوکے
کون ہے بیکس و مظلوم دکہاتے ہوکے

مرگئے اکبرؑ و عباسؑ بلاتے ہوکے
چونکتے ہین کہین مردے بہی جگاتے ہوکے

حلق پر خنجرِ خونخوار پھرا دیتے ہین
اب تمہین بہی اسی مقتل مین گرا دیتے ہین

روکے فرماتے ہین یہ فوج ستمگار سے شاہ
غم مین اپنون کے کیونکر نہ کرون نالۂ و آہ

ذبح ہونے کی مجھے عید ہے خالق ہے گواہ
اُن کو روؤن گا مین جبتک کہ جیون گا واللہ

بھولتا ہے کوئی اسطرح کے غمخوارون کو
یاد کرتے ہین وفادار وفادارون کو

دشت مین جلتی ہیں لوین دہوپ کی شدت ہے کمال
سُرخ ہے خون سے قبا دہوپ سے رخسار ہے لال

جیٹھہ بیساکھہ کے ایام ہین اور وقت زوال
نکلی آتی ہے زبان مُنہ سے یہی پیاس کا حال

تن جلا جاتا ہے جب گرم ہوا آتی ہے

ریت اوڑ اوڑ کے ہر اک زخم مین بھر جاتی ہے

تیر بیٹھا ہے جو اس چاند سی پیشانی پر
خون کی چادر سی ہے اک چہرۂ نورانی پر
ہے عجب بیکسی اُس فاطمہ کے جانی پر
کبھی اعدا پہ نظر ہے تو کبھی پانی پر
تیغین کھا کھا کے لبِ خشک جو کملاتے ہین
تیر اُدھر سے عوضِ جرعۂ آب آتے ہین

جون کمان کٹ کے لٹک آئے ہین ابروخمدار
ہین لہو رونے سے وہ نرگسی آنکھین گلنار
بوسے جن ہونٹون کے لیتے تھے رسولِ مختار
پیاس سے سوکھ گئے ہین وہ لبِ گوہر بار
چاند شرمندہ تھا جن پھول سے رخسارون سے
چاک ہین مثلِ کتان ظلم کی تلوارون سے

زخمی ہین ابن یداللہ کے دونون بازو
ہاتھ ہیہات کہ یکدست ہین اب بے قابو
تیغ شانے پہ کبھی لگتی ہے ساعد پہ کبھو
اونگلیان ایسی ہین زخمی کہ ٹپکتا ہے لہو
پر یہ سب ہے امتِ محبوبِ خدا کی خاطر
زخمی ہاتھون کو اُٹھائے ہین دعا کی خاطر

سخت آفت مین ہے وہ پشت و پناہ عالم
کمر پاک ہے بارِ غمِ عباس سے خم
علی اکبرؑ کی جوانی کا ہے جانکاہ الم
زانو پر مارتے ہین دستِ تاسف ہر دم
وار سے تیغون کے اعضا سے بدن کٹتے ہین
کھیت سے پر نہین شیرون کے قدم ہٹتے ہین

ساتھ اسوار کے زخمی ہے سراپا رہوار
کہین سو تیر ہین گردن سے بہی پہلو ہی پار

پال سے خون کی بوندین ہین ٹپکتی ہر بار
نہ کھڑے رہنے کی طاقت ہے نہ تاب رفتار

تیر جب لگتا ہے کچھ کہہ تو نہین سکتا ہے
پھیر کر منہ شہ والا کی طرف تکتا ہے

شاہ فرماتے ہین اے میرے رفیق وہمدم
ہے مجھے اپنے عزیزون کے برابر ترا غم
ہمسے تو چھٹتا ہے اب تجھسے جدا ہوتے ہین ہم
مر کے بھی تجھکو نہ بھولون گا مین خالق کی قسم

خلق سے سوے عدم کوچ کی تیاری ہے
آخری اب ترے آقا کی یہ اسواری ہے

دیکھ لے تیری طرح مین بھی ہون زخمی واللہ
فاقہ مجھپر بھی ہے اور تو بھی ہے بے دانہ وکاہ
ہے اگر تشنہ دہانی سے ترا حال تباہ
تین دن گذرے ہین پانی سے نہین ہون آگاہ

تو زبان خشک جو منہ پھیر کے دکھلاتا ہے
پسر ساقی کوثر کو حجاب آتا ہے

مثال ۱۷ - اس سین کو ایک دوسرے موقع پر دکھایا ہے

آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے
ظلم کی چاند پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہے
اس طرف لشکر اعدا مین صف آرائی ہے
یان نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے

برچھیان کھاتے چلے جاتے ہین تلوارون مین
مار لو پیاسے کو ہے شور ستمگارون مین

زخمی بازو ہین کمر خم ہے بدن مین نہین تاب
ڈگمگاتے ہین نکل جاتی ہے قدمون سے رکاب
پیاس کا غلبہ ہے لب خشک ہین آنکھین ہین پرآب
تیغ سے دیتے ہین ہر وار کا اعدا کو جواب

شدت ضعف مین جس جا پہ ٹھہر جاتے ہین

سیکڑون تیر ستم تن سے گذر جاتے ہین

گیسو آلودۂ خون لپٹے ہین رخسارون سے
شانے کٹ کٹ کے لٹک آئے ہین تلوارون سے
تیر پیوست ہین خون بہتا ہے سوفارون سے
لاکھ آفت مین ہے اک جان دل آزارون سے
فکر ہے سجدۂ معبود مین سر دینے کی ٭
وار سے تیغون کے فرصت نہین دم لینے کی

خون مین تر پیچ عمامے کے ہین سر زخمی ہے
ہے جبین چاند سی پُر نور مگر زخمی ہے
سینہ سب برچھیون سے تا بہ کمر زخمی ہے
تیر بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہے
ضرب شمشیر سے بیکار ہین بازو دونون
ظلم کے تیرون سے مجروح ہین پہلو دونون

برچھی آکر کوئی پہلو پہ لگا جاتا ہے
مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آجاتا ہے
بڑھتے ہین زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے
بند آنکھین ہین سر پاک جھکا جاتا ہے
گرد زہرا و علیؑ گریہ کنان پھرتے ہین
غل ہے گھوڑے سے امام دوجہان گرتے ہین

گرتے ہین قطرۂ خون زخم جبین سے پیہم
دست مجروح سے کچھ سکتے نہین تیر ستم
فکر ہے بخشش امت کی کچھ اپنا نہین غم
کرتے ہین حمد خدا خشک زبان سے ہر دم
ہے عبا تیرون سے غربال قبا گلگون ہے
ہونٹ یاقوت سے زخمی ہین دہن پُر خون ہے

زین سے ہوتا ہے جدا دوش محمدؐ کا مکین
چمن فاطمہؑ کا سرو ہے مائل بہ زمین
برچھیان گرد ہین اور بیچ مین ہے سرور دین
ہے یہ نزدیک گرے مہر نبوت کا نگین

پانون ہر بار رکابون سے نکل جاتے ہین
یا علیؑ کہتی ہے زینبؑ تو سنبھل جاتے ہین

لاکھہ شمشیر زن ہین اور ایک تن اطہر ہے
سیکڑون خنجر فولاد ہین اور اک سر ہے

ایک مظلوم ہے اور ظالمون کا لشکر ہے
نہ کوئی یار نہ ہمدم نہ کوئی یاور ہے

باگ گھوڑے کی لٹکتی ہے اُٹھا سکتے نہین
سامنے اہل حرم روتے ہین جا سکتے نہین

کوئی سید کا نہین آہ بچانے والا
پیاس مین کوئی نہین پانی پلانے والا

حربے لاکھون ہین اور اک زخم اٹھانے والا
سنبھلے کسطرح بھلا برچھیان کھانے والا

چرخ سے آگ برستی ہے زمین جلتی ہے
مارے گرمی کے زبان خشک ہے لون جلتی ہے

کہین دم لینے کو سایہ نہین ہے وقت زوال
کبھی زینبؑ کا ہے غم گاہ سکینہ کا خیال

اینٹھی جاتی ہے زبان پیاس کی شدت سے کمال
دن جو ڈھلتا ہے تو حضرت ہوئے جاتے ہین نڈھال

مثل خورشید بدن ضعف سے تھراتا ہے
نیر برج امامت پہ زوال آتا ہے

کہتے ہین ظالمون سے خشک زبان دکھلا کر
اہل کین کہتے ہین یہ تیغ ستم چمکا کر

بھر حق پانی کا اک جام پلا دو لا کر
آب شمشیر پیو برچھیون کے پھل کہا کر

یہ سخن سُنکے بھی غصہ نہین فرماتے ہین
پاس سے سوے فلک دیکھکے رہ جاتے ہین

عرض کرتے ہین یہ خالق سے کہ اے رب غفور
تو ہے عالم کہ نہین کچھہ ترے بندے کا قصور

ہاتھہ امت پہ اُٹھانا نہین مجھکو منظور	کرتے ہین یہ مجھے بیجرم و خطا تیغون سے چور

جانتے ہین کہ محمدؐ کا نواسا ہون مین
پانی دیتے نہین دو روز کا پیاسا ہون مین

واقعہ نگاری

اُردو زبان کا ایک مشہور انشا پرداز لکھتا ہے۔

"فارسی مین صدہا نظم و نثر کی کتابین ہین جن کے خیالات، باریکی اور تاریکی عبارت مین جگنو سے اُڑتے نظر آتے ہین لیکن کیا حاصل؟ اس انداز مین اصلی ماجرا ادا کرنا چاہو تو ممکن نہین، ایسی مان کا دودہ پی کر اُردو نے پرورش پائی تو اسکا کیا حال ہوگا"

فارسی کے متعلق تو یہ الزام تسلیم نہین کیا جاسکتا، لیکن کچھہ شبہہ نہین کہ اُردو مین جس چیز کی بڑی کمی ہے وہ یہی واقعہ نگاری ہے، شاعری کی جو صنفین اُردو مین آئین، وہ **قصیدہ** اور **غزل** تھی، ان دونون کو واقعہ طرازی سے کوئی نسبت نہ تھی، مثنویان جو لکھی گئین وہ مورخانہ نہین بلکہ عاشقانہ تہین، اس لئے اصلی واقعات کے اظہار کی چندان ضرورت پیش نہین آئی، اُردو زبان کی نسبت جو کم مایگی کی شکایت ہے، وہ زیادہ تر اسی لحاظ سے ہے کہ وہ ہر قسم کے واقعات، معاملات، کاروبار۔ معاشرت، کے جزئیات کے ادا کرنے پر قادر نہین، اسی بنا پر اگر اُردو نظم مین، کوئی تاریخ کی کتاب لکھنا چاہین تو نہین لکھہ سکتے،

واقعہ نگاری کی دو قسمین ہین،

(۱) واقعہ نگار کسی تاریخی واقعہ کو بےکم و کاست نظم کردے۔ اسکے لئے صرف زبان پر قدرت درکار ہے شاعری کی چندان ضرورت نہین۔

(۲) واقعہ اجمالاً معلوم ہے، لیکن واقعہ نگار، واقعہ کے تمام جزئیات اور حالات، اپنی طبیعت سے پیدا

کرتا ہے، وہ واقعہ کی نوعیت کو دیکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس قسم کے موقع پر فطرت کا اقتضا کیا ہے، ان تمام چیزون کو وہ موجود فرض کر لیتا ہی اور ان کو ادا کرتا ہے۔

اس قسم کی **واقعہ نگاری** کا کمال یہ ہے کہ جو کچھ بیان کیا جائے بالکل بیان واقعی ہو، اور تمام واقعات مین اس قسم کا تناسب، ربط، اور موزونی ہو کہ کسی واقعہ کی نسبت، شک کا احتمال بھی نہ آنے پائے۔ اس قسم کی واقعہ نگاری کے لئے صرف قدرت زبان کافی نہین، بلکہ فطرت کا بڑا نکتہ دان ہونا درکار ہے، مثلاً شاعر احباب کی جدائی کا واقعہ لکھنا چاہتا ہے تو اسکو اُن تمام جزئی کیفیتون پر نظر ہونی چاہیے جو اس حالت مین پیش آتی ہین مثلاً یہ کہ اس حالت مین ایک دوسرے کو کس حسرت آمیز نگاہ سے دیکھتا ہے؟ کس قسم کی باتین کرتا ہے؟ کن باتون سے دل کو تسلی دیتا ہے؟ رخصت کے وقت بے اختیار کیا حرکات صادر ہوتے ہین، آغاز کی کیفیت، کس طرح بتدریج ترقی کرتی جاتی ہے؟ حاضرین پر ان سے کیا اثر پڑتا ہے؟ پھر جُدائی جُدائی مین بھی فرق ہی، باپ بیٹے کی جدائی، بھائی بھائی کی جدائی، زن وشو کی جدائی- احباب کی جُدائی، ان مین سے ہر ایک کی الگ الگ خصوصیات ہین، ان مختلف، اور کثیر الانواع خصوصیات کا احاطہ کرنا، اور ان کو موثر پیرایہ مین ادا کرنا شاعرانہ واقعہ نگاری ہے،

اسی طرح لشکر کشی، معرکہ آرائی، فتح وشکست، سفر وحضر- بیماری وموت، قید وبند- دشت نوردی و بادیہ پیمائی، سیکڑون ہزارون واقعات ہین، اور ہر واقعہ کی سیکڑون جزئیات ہین، ان تمام کا احاطہ کرنا، اور اُنکو ہوبہو ادا کر سکنا، کمال شاعری ہے-

اُردو زبان مین چونکہ ایک مدت تک بیہودہ مبالغہ اور خیال بندی کی گرم بازاری رہی، اس لئے واقعات کے ادا کرنے کے لئے جو الفاظ- ترکیبین، اصطلاحات مقرر ہین، استعمال مین نہین آئین اس لئے آج نئے سرے سے ان کو استعمال کیا جائے تو یا ابتذال یعنی عامیانہ پن یا غرابت یعنی روکھا پن پیدا ہوجاتا ہے، نظیر اکبرآبادی کے کلام مین جو سوقیانہ پن ہے، اسکا یہی راز ہے- میر حسن نے اپنی مثنوی مین

اکثر واقعات کا سمان دکھانا چاہا ہے اور یہ ان کی صحیح المذاق کا نتیجہ ہے لیکن اکثر جگہہ ابتذال پیدا ہو گیا ہے،

ع کرتے کو کرتے سے بجاتی چلی، اگر واقعہ نگاری ہے، تو شعرا نے اچھا کیا کہ واقعہ نگاری سے الگ ہے

واقعہ نگاری جب کمال کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے تو اسکو مُرقّع نگاری کہتے ہین جسکو آج کل کی زبان

مین کسی چیز کا سمان دکھانا، یا سین دکھانا کہتے ہین۔

میر انیس نے، واقعہ نگاری کو جس کمال کے درجہ تک پہنچایا ہے، اُردو کیا فارسی مین بھی اسکی

نظیر بمشکل سے مل سکتی ہین، اُنکے کمال کی خصوصیات حسب ذیل ہین۔

(۱) ہر قسم کے واقعات و معاملات و حالات اس کثرت سے نظم کیے ہین کہ واقعہ نگاری کی کوئی صنف

باقی نہین رہی جو اُنکے کلام مین نہ پائی جاتی ہو۔

(۲) کوئی واقعہ جب سامنے آتا ہے تو عام نگاہین، صرف نمایان باتون پر پڑتی ہین اور اس لئے جب

لوگ اُن کو بیان کرنا چاہتے ہین، تو انھی نمایان باتون کو بیان کرتے ہین، لیکن ایک دقیق النظر اُن تمام

جزئیات پر بھی نظر ڈالتا ہے، اور اُن کو ظاہر کرتا ہے یہ جزئیات جب ادا کئے جاتے ہین تو سامعین پر اسطرح

کا اثر پڑتا ہے گویا کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی، اسکے علاوہ واقعہ کی پوری پوری تصویر کھنچنے سے دل پر

ایک خاص اثر پڑتا ہے۔ یہ جزئیات، اکثر شعرا نظر انداز کر جاتے ہین جسکی وجہ اکثر تو یہ ہوتی ہے کہ اُن پر عام نگاہین

پڑ نہین سکتین، اور زیادہ تر یہ کہ ہر شخص اُن کے ادا کرنے پر قادر نہین ہوتا، لیکن میر انیس چونکہ فطرت او معاشرت

انسانی، کے بہت بڑے راز دان ہین، اس لئے دقیق سے دقیق، اور چھوٹے سے چھوٹا نکتہ بھی اُنکی نظر

سے بچ نہین سکتا اسکے ساتھ زبان پر یہ قدرت ہے، کہ کہین اُنکو دقت پیش نہین آتی،

مثلاً ایک موقع پر گھوڑے کی تیز روی کو لکھا ہے قاعدہ ہے کہ گھوڑا جب حد سے زیادہ تیز دوڑتا ہے

تو اکثر اُسکی دونو کنوتیان کھڑی ہو کر مل جاتی ہین، اسکو بعینہ اسطرح ادا کیا ہے،

ع دونون کنوتیان بھی کھڑی ہو کے مل گئین۔

حضرت عباسؑ، جب نہر کے پاس پہنچے ہین، تو گھوڑا جو کئی دن کا پیاسا تھا، پانی دیکھکر بیتاب ہوگیا ہے لیکن حضرت عباسؑ اسکو پانی پینے سے روکتے ہین، اس موقع پر واقعہ کی اصلی صورت کھینچنے کے لئے یہ ضرور ہے کہ اس کشمکش کے موقع پر جو اضطرابی حالت پیش آسکتی تھی، وہ دکھائی جائے چنانچہ میر انیس کہتے ہین ؎

واقعہ کی جزئیات

دو دن سے بیزبان یہ جو تہا آب و دانہ بند	دریا کو ھنھنا کے لگا دیکھنے سمند
ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند	چمکارتے تھے حضرت عباسؑ ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن بہرا کے دیکھتا تھا مُنہ سوار کا

یا مثلاً حضرت امام حسینؑ کے سامنے اُن کے ترسانے کو جب عمر بن سعد نے پانی منگوا کر پیا ہے اس موقع پر کہتے ہین، ع ظالم نے ڈگڈگا کے پیا سامنے جو آب،

ڈگڈگا کے پانی پینا، ایک معمولی اور غیر مہتم بالشان واقعہ ہے لیکن ایک تشنہ لب کے ترسانے کے مضمون مین اسکا اظہار حسن بلاغت کا ایک بڑا ضروری نکتہ ہے۔

یا مثلاً ایک موقع پر گھوڑے پر سوار ہونے کی حالت کو لکھا ہے، ع وہ ہات، ہٹکے آپنے رکھا ایال پر، گھوڑے سے ذرا ہٹ کر ایال پر ہات رکھنا، اور سوار ہونا، سواری کی مخصوص حالت ہے، اس لئے واقعہ کی تصویر کھینچنے کے لئے اس حالت کا دکھانا ضرور تہا۔

یا مثلاً حضرت شہربانو جب اپنی بیٹی صغرا سے رخصت ہونے لگی ہین، تو اصغرؑ کی طرف سے جو صرف چھ مہینے کے تھے، رخصت کے معمولات ادا کرائے ہین اس موقع پر اکثر مستورات کا دستور ہے کہ بچے کا ہات اُسکی پیشانی پر رکھکر، کہتی ہین کہ دیکھو یہ تمہین سلام کرتے ہین اس حالت کو بعینہ ادا کیا ہے ؎

بانو نے کہا دست پسر ماتہے پہ رکھہ کر	لو آخری تسلیم بجا لاتے ہین اصغرؑ

یا مثلاً جوانان اہل بیت کی سیر و خوش خرامی کے موقع پر لکھتے ہین ؎

زلفین ہوا مین اڑتی تہین، ہاتہون مین ہاتہہ تھے	لڑکے کبھی، بند کھولے ہوئے ساتہہ ساتہہ تھے

یا مثلاً، جب رفقاے امام علیہ السلام صف نماز سے لڑائی کے لئے اٹھے ہین اس موقع پر لکھتے ہین ؎

طیار جان دینے پر چھوٹے بڑے ہوئے	تلوارین ٹیک ٹیک کے سب اٹھ کھڑے ہوئے

یا مثلاً حضرت عباسؑ، جب گھوڑا اڑاتے ہوئے نہر کی طرف گئے ہین، تو دریا کے نگہبانون سے جو نشیب مین تھے اسوقت آنکھ چار ہو جاتی تھی، جب گھوڑا زیادہ اونچا اڑ جاتا تھا، اس حالت کو اسطرح ادا کیا ہے ؎

برچھیون اڑتا تھا دب دب کے فرس رانون سے	آنکھ لڑ جاتی تھی دریا کے نگہبانون سے

یا مثلاً سکینہ جب قید خانہ مین دربانون سے اپنا حال کہنے گئی ہین وہان لکھا ہے، ؎

بولا نہ جب کوئی تو ہوا غم زیادہ تر	دیوار پکڑے پکڑے گئی وہ قریب در
بٹ کو ہلا ہلا کے پکاری وہ نوحہ گر	دربانون جاگتے ہو کہ سوتے ہو بے خبر

بیکس ہون، تشنہ لب ہون، فلک کی ستائی ہون
کچھ تم سے اپنا حال مین کہنے کو آئی ہون

دو حریفون کی معرکہ آرائی کو جہان مرزا دبیر وغیرہ لکھتے ہین، صرف عام طرح پر اوپری اوپری باتین لکھہ دیتے ہین یہ مطلق پتہ نہین چلتا کہ دونون نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے، لیکن میر انیس اکثر جگہہ اُن خصوصیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہین، اور یہ انکی قدرت زبان، کی سب سے بڑی دلیل ہے، مثالین رزمیہ کے عنوان مین آئینگی، اب ہم ہر قسم کی واقعہ نگاری کی چند مثالین درج کرتے ہین،

ا حضرت امام حسینؑ، کا کربلا مین داخلہ، دشمنون کی روک ٹوک، رفقاے امام کی برہمی، امام علیہ السلام کی صلح پسندی اور درگذر وغیرہ وغیرہ ؎

اُترا یہ کہکے کشتی امت کا ناخدا	جتنے سوار تھے وہ ہوے سب پیادہ پا

حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا
دیکھو تو کیا ترائی ہے کیا نہر کیا فضا
اکبرؑ شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہ سربلند
کیون یہ مقام ہے تمھین شاید بہت پسند
کی مسکرا کے عرض کہ یا شاہِ ارجمند
بس یان تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند
شیر آب یہین رہین گے عنایت جو رب کی ہے
بس کیا کہون حضور ترائی غضب کی ہے

روتے ہوئے وہان بڑہے آپ چند گام
گویا زمین کی سیر کو اترا مہ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدرؑ کے لالہ فام
شکلین وہ نور کی وہ تجمل وہ احتشام
زلفین ہوا مین اڑتی تھین ہاتھون مین ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

تکنے لگے پہاڑون کو مسلمؑ کے دونون لال
پھولون سے کھیلنے لگے زینبؑ کے نونہال
سبزے سے وان کے ابن حسنؑ خوش ہوئے کمال
کی عرض اس زمین کا ہر اک گل ہے بیمثال
اے خسرو زمین یہ جگہ ہے جلوس کی
خوشبو ہے یان کی خاک مین عطر عروس کی

صحرا سے آئے پھر سوے دریا شہ امم
الیاس شاد ہو کے پکارے بصد حشم
اچھلین در ود پڑہتی ہوئی مچھلیان بہم
بولے حباب آنکھو پہ شاہا ترے قدم
پانی مین روشنی ہوئی حسن حضور سے
لے لین بلائین پنجۂ مرجان نے دور سے

ٹھہرے کنارے نہر جوانانِ ماہرو — دھویا کسی نے رخ کسی نے کیا وضو
گھوڑے جو آئے پیاس بجھانے کنار جو — بھر لائے اشک آنکھون مین شبیرِ نیکخو +
کھینچی اک آہ سرد ترائی کو دیکھکر
ہاتھون سے دل پکڑ لیا بھائی کو دیکھکر

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسِ نامور — خیمہ کہان بپا کرین یا شاہِ بحر و بر
ایذا ہے محملون مین بہت اہلبیت پر — بچے ہین نازکی مین گلون سے زیادہ تر
کب سے عماریون کے ہین پردے چھٹے ہوئے
گرمی کے مارے دم ہین سبھون کے رکے ہوئے

کچھ سوچ کر امامِ دو عالم نے یہ کہا + — زینب جہان کہین وہین خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹے یہ سنتے ہی عباسِ باوفا — جا کر قریب محملِ زینب یہ دی صدا
حاضر ہے جان نثار امامِ غیور کا
برپا کہان ہو خیمۂ اقدس حضور کا

بولی یہ سنکے دخترِ خاتونِ روزگار — اس امر مین بھلا مجھے کیا دخل مین نثار
خشکی ہو یا ترائی چمن ہو کہ سبزہ زار — ہر جا مسافرون کا نگہبان ہے کردگار
مختارِ کائنات کے تم نورِ عین ہو
اُترو وہان جہان مرے بھائی کو چین ہو

آرام کو ترس گئے جب سے چھٹا ہے گھر — کن آفتون مین پانچ مہینے ہوئے بسر
یہ آندھیان یہ گرمی کے ایام یہ سفر — دن بھر چلے ہین دھوپ مین جاگے ہین رات بھر
گرمی سے کھیت خشک تھے جنگل اُجاڑ تھا

ایک ایک کوس راہ جبل مین پہاڑ تھا

آج اس زمین پر ہمین لایا ہے آسمان
اب دیکھیے دکھاتی ہے تقدیر کیا یہان
آقا کی خیریت کی دعا مانگو بھائی جان
یارب مسافرون کو مبارک ہو یہ مکان

دشمن بہت ہین بادشۂ خوشخصال کے
بھائی ہین نثار ذرا دیکھہ بھال کے

بھائی سے اس زمین کی سُنی ہے بہت صفت
ہے وہ امام واقفِ اسرارِ شش جہت
جو جو حسن ہین اُن سے بھی لازم ہے مصلحت
صدقے گئی حبیب سے بھی کر لو مشورت

ساحل پہ دشمنون مین کسیکا عمل نہو
بھیّا مجھے یہ ڈر ہے کہ ردّ و بدل نہو

دستِ ادب کو جوڑ کے اُس شیر نے کہا
تشویش کچھہ نہ کیجیے اے بنت مرتضا
ہرچند مصلحت مری کیا اور عقل کیا
لیکن ترائی سے کوئی بہتر نہین ہے جا

جو مہر فاطمہؑ مین ہے یہ وہ فرات ہے
گرمی مین قرب نہر کا آبِ حیات ہے

حضرت کے حکم کا مترصد ہے جان نثار
ارشاد یہ ہوا کہ دیا تم کو اختیار
آیا حضور سبطِ پیمبر وہ ذی وقار
کی عرض خیمہ نہر پہ کرتا ہے خاکسار

اُترین یہین یہ مرضی آلِ رسول ہے
بولا وہ بحرِ فیض کہ اچھا قبول ہے

یہ سُن کے خادمون کو پکارا وہ مہ جبین
فرّاش آکے جلد مصفا کرین زمین
حاضر ہون آب پاش محل دیر کا نہین
یان ہوگا خیمۂ حرم بادشاہِ دین

جلد اُن کو بھیجو لوگ ہین جو کاروبار کے
لے آؤ اشترون سے قناتین اُتار کے

بولے زہیرِ قین کہ حاضر ہین سب غلام
کُرسی منگا کے بیٹھ گئے اک طرف امام
بڑھ کر حبیب بھی ہوئے مصروفِ اہتمام
رتبے مین ہوگئی وہ زمین عرش احتشام

پرتو فگن تھا نور رسالت مآب کا
سر پر لگا تھا چتر زری آفتاب کا

تھا فکر مین خموش دو عالم کا تاجدار
ناگہ اُٹھا شمال کی جانب سے اک غبار
کھلوا رہے تھے خیمون کو عباسِ ذی وقار
رایت سیاہ و سرخ نظر آئے تین چار

مڑ کر کہا حبیب نے کچھ رنگ اور ہے
بولا کوئی یہ شام کے لشکر کا طور ہے

یہ ذکر تھا کہ بن مین سیاہی سی چھا گئی
گھوڑون کے دوڑنے سے زمین تھرتھرا گئی
ڈنکے کی دشت ظلم سے کوسون صدا گئی
جنگی سپاہ گھاٹ کے نزدیک آگئی

اک ایک پیل زور تہمتن شکوہ تھا
ابن رکاب سبز قدم سرگروہ تھا

بولے ملازمون سے یہ عباسؑ باوفا
آتے ہی سرکشی یہ طریقہ ہے کونسا؟
دریافت تو کرو کہ ارادہ ہے انکا کیا؟
کہدو کہ اہلبیت کے خیمہ کی ہے یہ جا

لازم رسول زادیون کا احترام ہے
اُترین الگ کہین یہ ادب کا مقام ہے

کرسی نشین ہے لختِ دلِ سید البشرؐ
آئینِ خسروی سے یہ واقف نہین مگر

آتی ہے اُڑکے گھوڑون کی ٹاپون سے گرد ادہر
کیا ہے جو روکتے نہین باگین یہ خیرہ سر

بھولے ہوئے ہین اسپ کہ ہم خاکسار ہین
شاید ہوا کے گھوڑون پہ ظالم سوار ہین

اُس فوج کے رئیس نے بڑھکر کیا کلام
حکمِ امیر ہے یہین اُترے سپاہ شام
چھوڑینگے ہم اُسے کہ جو راحت کا ہے مقام
دریا سے ہٹ کے آپ بپا کیجیے خیام

لشکر کشی ہے بادشہ کائنات پر
کل مورچے سپاہ کے ہونگے فرات پر

کوفے سے کل جوان ادہر آئے ہین دس ہزار
رستے مین شام کے ابھی فوجین ہین بیشمار
خالی ہین منزلین نہ بیابان نہ کوہسار
شہرون سے پرگنون سے چلے آتے ہین سوار

لاکھون ہین کوئی قبل کوئی بعد آئیگا
گیتی ہلیگی جب پسر سعد آئیگا

فوجون کا جائزہ تہا دہان ہم چلے تہے جب
گردے مین بیس کوس کے لشکر پڑا تہا سب
دستون کی روم و شام کے آمد ہی روز و شب
اس ارض پر نہو جو سمائی تو کیا عجب

کیجیے مقام گر کوئی گوشہ جدا ملے
ممکن نہین کہ نہر پہ خیمے کی جا ملے ؛

ہم گہاٹ روکنے کے لئے آئے ہین ادہر
ہے آج شب کو داخلۂ شمر کی خبر
سنتے ہی یہ ترائی مین گونجا وہ شیر نر
تیوری چڑہا کے تیغ کے قبضہ پہ کی نظر

کم تھا نہ ہمہمہ اسدِ کردگار سے
نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم شکار سے

غصے مین رکھہ کے دوش پہ شمشیر برق دم
نعرہ کیا اسد نے کہ تمسے ہٹینگے ہم
گر فوج قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم
گرتا ہے کٹ کے سر وہین جس جا جمے قدم
پھیرین جو شیر سامنے آتا نہین کوئی +
یہ آنکھہ وہ ہے جس مین سماتا نہین کوئی

تم کون ہو حسینؑ ہے مختار خشک و تر
ان کے سوا ہے کون شہنشاہِ بحر و بر
دیکھو فساد ہوگا بڑہو گے اگر ادھر
شیرون کا یان عمل ہے تمہین کیا نہین خبر
سبقت کسی پہ ہم نہین کرتے لڑائی مین
بس کہدیا کہ پاؤن نرکھنا ترائی مین

ظالم بگڑ بگڑ کے بڑہے ایک بار سب
بلوہ جو ہو گیا سمٹ آئے سوار سب
نیزے علم کیے ہوئے تھے نیزہ دار سب
باندہے تھے ایک غول ضلالت شعار سب
لیکن ملا نہ سکتے تھے آنکھہ اُس دلیر سے
ایک شور تھا کہ چھین لو دریا کو شیر سے

بگڑے ابو تمامہ و سعدِ فلک سریر
تولی زہیر قین نے شمشیر بے نظیر
جوڑا کمان مین ابن مظاہر نے ایک تیر
بولے اسد کہ زجر کے قابل ہین یہ شریر
عابس کو غیظ لشکر بدخو پہ آگیا
غصے سے بل ہلال کے ابرو پہ آگیا

اُلٹی جناب قاسمؑ ذیشان نے آستین
قبضے پہ ہاتھہ رکھکے بڑہے اکبرؑ حسین
بولے پکڑ کے نیچے زینبؑ کے مہ جبین
شیرون سے کیا ترائی کو لین گے یہ اہل کین
کیسے تو نیزہ بازون کو ہم دیکھہ بھال لین

تیوری کوئی چڑہائے تو آنکھین نکال لین

آگے تھے سب کے حضرت عباسؑ ذی حشم | بڑہ بڑہ کے روکتے تھے دلیرونکو دمبدم
تیغین جو تولتے تھے ادہر بانی ستم | کہتے تھے سر نہوگا بڑہایا اگر قدم
لرزہ تہا رعب حق سے ہراک نابکار کو
روکے تہا ایک شیر جری دس ہزار کو

بڑہتا تہا جھومتا ہوا جس دم وہ شیر نر | گرتا تہا کوئی ڈر کے ادہر اور کوئی اُدہر
تیغین جو کچھ گئین تو ہوا اور شور و شر | گھبرائے اہلبیت شہنشاہ بحر و بر
آغوش مین پھوپی کے سکینہ دہل گئی
غل پڑ گیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی

چلائی روکے زینبؑ ناشاد و نامراد | ہے ہے خبر تو لو کہ یہ کس سے ہوا فساد
غربت زدون سے کیا سبب کینہ و عناد | دیکھے کوئی کدہر ہین شہنشاہ خوش نہاد
ہمشیر کو نثار امام امم کرو
لوگو دعائین اکبرؑ مہرو پہ دم کرو

محمل سے مُنہ نکال کے فضہ نے یہ کہا | بلوہ کنار نہر ہے اے بنت مرتضیٰؑ
نیزے بڑہا بڑہا کے ہٹاتے ہین اشقیا | قبضے پہ ہاتھ رکھے ہین عباسؑ باوفا
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

زینبؑ پکارین پیٹ کے زانو بصد ملال | ہے ہے غضب ہوا اگر آیا اُنھین جلال
کہدے کوئی کہ اے اسد کبریا کے لال | غربت پہ ابن فاطمہؑ کی تم کرو خیال

قربان ہو گئی نہ لڑائی کا نام لو
مین ہاتھہ جوڑتی ہون کہ غصے کو تھام لو

یہ بات کہکے رونے لگی خواہر امام — عباسؑ اُدہر غضب مین بڑہے سوی فوج شام
کرسی سے جلد اُٹھہ کے پکارے شہِ انام — بھتیا ہمارے سر کی قسم روک لو حسام

یکسان ہے بر و بحر ہماری نگاہ مین
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ مین

آؤ تمھین قسم ہے جنابِ امیرؑ کی — بگڑو نہ سرکشی یہ سپاہِ شریر کی
ہمراہ بیٹیان ہین شہِ قلعہ گیر کی — سب سے جدا ہی چاہیئے منزل فقیر کی

کیا دشت کم ہے صابر و شاکر کے واسطے
یہ اہتمام ایک مسافر کے واسطے ؟

آقا نے دی جو اپنے سرِ پاک کی قسم — بس تھرتھرا کے رہ گیا وہ صاحبِ کرم
پر تھی شکن جبین پہ نہ ہوتا تھا غیظ کم — چپ ہو گئے قریب جب آئے شہِ اُمم

غیظ اور ادب ۔

گردن جُھکا دی تا نہ ادب مین خلل پڑے
قطرے لہو کے آنکھون سے لیکن نکل پڑے

تیغ و سپر کو پھینک کے بولا وہ نامور — کہدیجیے ان سے کاٹ کے لیجائین میرا سر
حکمِ خدا ہے حکمِ شہنشاہِ بحر و بر — اب کچھہ کہون زبان سے کیا تاب کیا جگر

مین ہون غلام آپکے ادنیٰ غلام کا
آقا مجھے خیال تھا بابا کے نام کا ۔۔

گردن مین ہاتھہ ڈال کے حضرت نے یہ کہا — کیون کانپتے ہو غیظ سے بھائی یہ کیا کیا

لو اب اُٹھا لو تیغ و سپر تم یہ ہین خدا
دریا کو تم تو لے چکے اے میرے مہ لقا
وہ شیر ہو کہ دہاک ہے ساری خدائی مین
دیکھو کوئی تمھارے سوا ہے ترائی مین

۴ حضرت عباسؑ جب میدان جنگ مین گئے ہین تو شمر نے یہ ترغیب دی کہ ناحق آپ اپنی جان کیون گنواتے ہین اُدہر سے لوٹ کر ہماری طرف آجایئے تو منصب اور جاگیر اور کیا کیا کچھ نہ ملے گا، حضرت عباسؑ نے نہایت برہم ہو کر اسکی درخواست کو رد کیا، یہ سوال و جواب ہو رہے تھے کہ دشمنون نے یہ خبر اُڑا دی کہ عباسؑ ہماری طرف آگئے، اہل بیت اور خاص کر حضرت عباسؑ کی بیوی پر اس وقت جو اثر ہوا، اور جو باتین ہوئین ان کو کس خوبی سے ادا کیا ہے ؎

وان شمر و علمدار مین ہوتی تھی یہ تقریر
خیمے کے قریب آن کے اک ظالم بے پیر
یان خیمے کی ڈیوڑہی پہ کھڑے تھے شہ دلگیر
چلایا کہ لو ٹوٹ گئے بازوے شبیر
اس فوج مین فرزند امیر نجف آیا
عباسؑ علمدار ہماری طرف آیا

اکبرؑ سے یہ بولا پسر مخبر صادق
یہ بات نہین رتبۂ عباسؑ کے لائق
کاذب ہین جفا کار ہین مفسد ہین یہ فاسق
وہ ہے مرا شیدا مرا یاور مرا عاشق
بھائی سے کنارا کبھی بھائی نہ کرے گا
عباسؑ علی مجھ سے برائی نہ کرے گا

ناموس نبی مین بھی یہ چرچا ہوا اک بار
کہنے لگی تب زوجۂ عباسؑ علمدار
زینبؑ نے کہا یہ تو نہ مانون گی مین زنہار
کیا ماجرا ہے بی بیو مجھ سے کرو اظہار

ہے دیر[۵۱] سے اک شور بپا لشکر کین مین
وارث مرا کیا قید ہوا لشکر کین مین

بولی یہ سکینہ[۵۲] کہ چچی تم سے کہون کیا
اور کہتے ہین آپسمین خوشی ہوکے یہ اعدا
روتے ہین کمر پکڑے ہوے ہاتھونسی بابا
عباسؑ ملا ہمسے شہ دین ہوئے تنہا

اس صدمے سے ننہا سا کلیجہ مرا شق ہے
مین پیاس ہی بہول ہون یہ عمو کا قلق ہے

چپکے سے سکینہ نے کہا جب یہ بصد یاس
گھبرائی ہوئی خیمے کی ڈیوڑہی کے گئی پاس
غرق عرق شرم ہوئی زوجۂ عباسؑ
پہر سوچ کے کہتی تہی کہ بیجا ہی یہ وسواس

قوت شہ والا کی اُنہین سے تو فقط ہے
عباسؑ پہرے شہ سے؟ نہ مانونگی غلط ہے

بہائی کو وہ پیارے ہین اُنہین بہائی ہے پیارا
یہ ننگ علمدار کو ہوگا نہ گوارا
عاشق کہین معشوق سے کرتے ہین کنارا
قسمت ہی اولٹ جائے تو اسکا نہین چارا

لیکن فلک اسطرح سے گرتے نہین دیکھا
بہائی کو کبھی بہائی سے پہرتے نہین دیکھا

اس سوچ مین پہرتی تہی سراسیمہ و مضطر
اسکا بہی نہ تہا ہوش کہ کب گر گئی چادر

[۵۱] یہان عجب بلاغت کا اظہار کیا ہے، حضرت عباسؑ کی بیوی لوگون سے، واقعہ کو تحقیق کرنا چاہتی ہین لیکن یہ اُن کے زبان سے نہین نکل سکتا کہ "کیا درحقیقت، عباسؑ دشمنون سے مل گئے" اس لئے انھون نے اس پیرایہ مین سوال کیا کہ کیا دشمنون نے اُنکو قید کرلیا یعنی اگر وہ دشمنون کے مجمع مین چلے بہی گئے تو قید ہوکر گئے ہونگے ورنہ یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ وہ دشمنون سے جاکر مل جائین۔ منہ

[۵۲] اس بلاغت کو دیکہو کہ اہل حرم سے کسی نے، اس جہوٹی خبر کا زبان پرلانا بہی نہ چاہا، لیکن سکینہؑ بالکل بچّی تہین، اسلئے اُنہون نے جو سنا تہا بیان کردیا

رخ زرد تہا دل کانپتا تہا سینہ کے اندر
دھڑکا تہا کہ اب کیا کہینگے آن کے سرور

یارب نہ سنون مین کہ جدا ہو گئے عباسؑ
یہ غل ہو کہ بھائی پہ فدا ہو گئے عباسؑ

آخر کہا بیٹے سے کہ واری ادھر آؤ
باندھو کمر اور جنگ کے ہتیار لگاؤ
تم شیر کے فرزند ہو میدان مین جاؤ
بیتاب ہون اے لال خبر باپ کی لاؤ

تہے پانی کو دریا کے کنارے گئے عباسؑ
دیکھو آؤ تو رٹے تہین کہ مارے گئے عباسؑ

غیرت سے موئی جاتی ہون مین بیکس و ناچار
صدقے گئی کہو مری جانب سے بتکرار
کہتے ہین عدو پھر گیا بہائی سے علمدار
کیا قہر ہے تم شمر سے کیون کرتے ہو گفتار

وہ تفرقہ انداز ہے مردود خدا ہے
شبیر کے دشمن سے علاقہ تمہین کیا ہے

۲ ابن سعد کربلا مین داخل ہوتا ہے، اور خولی سے حالات دریافت کرتا ہے، خولی ایک ایک چیز کی تفصیل بیان کرتا ہے ۵

یہ ذکر تہا کہ دور سے ظاہر ہوئے نشان
موجون کی طرح سب تہین صفین پیش و پس رواں
انداز مین پہ ظلم کا دریا ہے بیکران
لہراتے تہے ہوا سے علم مثل بادبان

ہلتا تہا دشت کین دہل اسطرح بجتے تھے
باجون کا تہا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنگی وہ رومیون کے پرے شامیون کے دل
مکار و اہل نار و دغا باز و پُر دغل
خوف خدا نہ جنکو نہ اندیشۂ اجل
شکلین مہیب دیو سے قد ابرؤون پہ بل

بدخواہ خاندان رسالت پناہ تھے
ایسے جلے ہوئے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تلوارین کھینچے بڑھ کے جمے دو طرف سوار
ڈنکے کی دمبدم تھی صدا آسمان کے پار
غل ہو گیا سلامی کے باجون کا ایک بار
آگے بڑھے چلو، یہ نقیبون کی تھی پکار

گھوڑون پہ گرد و پیش رئیسان شام تھے
زرین کمر جلو مین کئی سو غلام تھے

اُترا قریب خیمہ، فرس سے وہ خیرہ سر
پہلے تو اپنی فوج پہ ظالم نے کی نظر
سر پر لگایا دوڑ کے خادم نے چتر زر
بولا کسی سے پھر وہ سوئے نہر دیکھ کر

خیمہ ہے کس طرف کو شہ خوش خصال کا
دریا پہ تو عمل نہین زہراؑ کے لال کا

خولی نے تب کہا کہ ہماری طرف ہے نہر
فرماتے تھے یہ نہر تو ہے میری مان کا مہر
آئے تھے یان اُترنے کی خاطر امام دہر
ہمنے اُٹھا دیا اُنھین لیکن بجبر و قہر

عباسؑ مستعد تھے سبھون سے لڑائی کو
شبیرؑ پھیر لے گئے سمجھا کے بھائی کو

وہ دھوپ مین ہے خیمۂ زنگاری حسینؑ
پہرون علیؑ کی بیٹیان روتی ہین کر کے بین
راحت نہ رات کو ہے کوئی دم نہ دن کو چین
آفت مین مبتلا ہے محمدؐ کا نور عین

بچون کی مارے پیاس کے حالت عجیب ہے
خیمہ نہ سایہ مین ہے نہ دریا قریب ہے

بولا شقی کہ کتنی ہے فوج شہ اُمم
سنتے تھے وان سپاہ حسینیؑ کی دھوم ہم

اسنے کہا حسینؑ کے یاور بہت ہین کم
فاقون کے مارے دم ہین کسی کے نہین ہے دم
ایسی نہ فوج کچھ ہے نہ ایسے نشان ہین
مین نے تو خود گنا ہے بہتر جوان ہین

ہے ایک علم یہ قلتِ لشکر کا ہے نشان
یہ حال ہے لٹا ہوا جیسے ہو کاروان
اُردو مین جنس غم کے سوا جنس ہی گران
غلّہ کی یہ کمی ہے کہ ہے قحط آب و نان
اسوار بھی قلیل پیادے بھی تھوڑے ہین
کُل ستّرہ تو اونٹ ہین اور بیس گھوڑے ہین

مطبخ ہے سرد آگ کا اُسمین نہین ہے نام
بچے ہوائے گرم سے بیتاب ہین تمام
خاک آبدار خانے مین اُڑتی ہے صبح و شام
کیونکر لڑینگے بیکس و مظلوم و تشنہ کام
یان سیکڑون کمانین ہین فوجِ امیر مین
دو دو گرینگے خاک پہ ایک ایک تیر مین

یہ سب غلط سُنا تھا کہ ہے لشکرِ کثیر
کچھ نوجوان ہین طفل ہین کچھ اور کچھ ہین پیر
ہین اُن مین سات آٹھ تو لڑکے کئی صغیر
بس جا ئینگے وہ پانون سے ہنگام دار و گیر
کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھونکی طاقت دکھائینگے
ان سے تو نیچے بھی سنبھالے نہ جائین گے

کیا جانے دل مین سوچتے تھے کیا شاہِ کربلا
مقتل مین کھینچکر اُنہین لے آئی ہے قضا
لشکر تو یہ قلیل اور اِس فوج سے وغا
عمرین ہین چھوٹی چھوٹی بھلا وہ لڑینگے کیا
کچھ آزمودہ کار نہین کچھ مسن نہین
اُنکے ابھی تو گھر سے نکلنے کے دن نہین

ہمشکل مصطفےٰ کو تو اٹھارواں ہے سال
نودس برس کے ہوئینگے زینبؑ کے دونوں لال
تیرہ برس کا ہے ابھی شبیرؑ کا نونہال
ہاں اک جوان ہین حضرت عباسؑ خوشخصال
چھوٹے ہین اور سب کوئی اُن مین جوان نہین
خط اک طرف مسین بھی کسیکی عیان نہین

سُنتا ہون مین ہین دو پسرِ شاہ نامدار
زینبؑ کے دو ہین تین حسنؑ کے ہین گلعذار
بیمار اُن مین ایک ہے اور ایک شیرخوار
دس ہین عقیلؑ و مسلمؑ و حیدرؑ کے یادگار
زہراؑ کے جان و دل ہین محمدؐ کے پیارے ہین
یہ ستارہ تو چاند ہین باقی ستارے ہین

بتیس سب سوار شہ دین کے پاس ہین
آفت مین مبتلا ہین مگر باحواس ہین
اب رہگئے پیادے سو دو کم پچاس ہین
غازی ہین سرفروش ہین اور حق شناس ہین
کھانے کا ہے خیال نہ پانی کی فکر ہے
سجدے ہین اور دعائین ہین اور حق کا ذکر ہے

بولا وہ تب کہ ہونگے جوان بانکے کے ہزار
ہین تین چار کوس کے گردے مین سب سوار
خولی نے کی یہ عرض کہ ممکن نہین شمار
اک اک جوان ہے رستم میدانِ کارزار
کیا کوئی لڑسکے گا قیامت کی فوج ہے
لشکر کی ہین صفین کہ سمندر کی موج ہے

پیدل ہین اک طرف تو رسالے ہین اک طرف
جانباز ہاتھہ قبضون پہ ڈالے ہین اک طرف
خنجر ہین ایک سمت تو بھالے ہین اک طرف
اور دس ہزار برچھیون والے ہین اک طرف
سب لوگ فکر قتل شہنشاہِ دین مین ہین

کھینچے ہوئے کمانون کو سرکش کمین ہین

ہاتھون مین پہلوانون کے ہین گرزِ گاوسر
ہر جا بچھی ہوئی ہین کمندین ادھر اُدھر

ضربت سے جھکے ٹوٹتی ہے کوہ کی کمر
کالی گھٹا سی چھائی ہے ڈھالون کی نہر پر

سب لوگ جابجا پئے قتل و ستیز ہین
تیغین بھی ہین او پی ہوئی خنجر بھی تیز ہین

بھالا ہلا کے کوئی یہ کہتا ہے بار بار
کہتا ہے کس غرور سے اک شام کا سوار

نوک اسکی سینۂ علی اکبرؑ کے ہوگی پار
آلے تورن مین حضرتِ شبّرؑ کا یادگار

اب کوئی دم مین گھر کے حسنؑ کی صفائی ہے
تلوار آج زہر مین مین نے بجھائی ہے

۴ - فوج آراستہ ہو رہی ہے، اور علَم لا کر رکھا گیا ہے - عون و محمد جو امام علیہ السلام کے بھانجے اور حضرت زینبؑ کے صاحبزادے ہین، علَم کے استحقاق کے دعویدار ہین اور چاہتے ہین کہ امام علیہ السلام سے اس منصب کی درخواست کرین - اسوقت کی گفتگو، حضرت زینب کی آزردگی، اور فہمایش اور دیگر واقعات

زینبؑ کے پسر مشورہ کرتے تھے یہ باہم
تائید خدا چاہیئے گو عمر مین ہین کم

کیون بھائی علَم لینے کو ماموں سے کہین ہم؟
عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم

واقف ہین سبھی حیدرؑ و جعفرؑ کے شرف سے
حق پوچھو تو حقدار ہین ہم دونون طرف سے

دادا بھی علمدار ہے نانا بھی علمدار
کہتا تھا بڑا اعرض کا موقع نہین زنہار

ہم اپنے بزرگون کے ہین منصب کے طلبگار
ہین بادشہ کون و مکان مالک و مختار

عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہون

چپکے رہو اماں نہ کہین سُن کے خفا ہون

مطلب نہ علم سے نہ حشم سے ہمین کچھ کام
مِٹ جائین نشان بس یہی عہدہ یہی نام
یہ سر ہون نثارِ قدمِ شاہِ خوش انجام
عزت رہے بھائی یہ دعا ہے سحر و شام

آقا جسے چاہین علمِ فوجِ خدا دین
مشتاقِ اجل ہین ہمین مرنے کی رضا دین

روتی تھی جو پردے کے قرین زینبؑ دلگیر
سب اُس نے مفصل سُنی بیٹون کی تقریر
فضہؑ سے یہ کہنے لگی وہ صاحبِ توقیر
دونون کو اشارے سے بُلا لے کسی تدبیر

کچھ کہنا ہے سُن لین اُسے فرصت اُنہین گر ہو
عباسؑ نہ دیکھین نہ شہِ دین کو خبر ہو

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ خود آئے وہ نکوکار
چھوٹے سے یہ فرمانے لگین زینبؑ ناچار
کیا باتین ابھی بھائی سے تھین اے مرے دلدار
اسوقت مین ہو کون سے منصب کی طلبگار

سمجھے نہ کہ مادر عقبِ پردہ کھڑی ہے
گھر لُٹتا ہے میرا تمھین منصب کی پڑی ہے

اللہ بڑا عزم کیا باندھ کے تلوار
بچو تمھین ایسا نہ سمجھتی تھی مین زنہار
دیکھو ابھی تم دونون سے ہو جاؤن گی بیزار
کچھ کہیو نہ ماموں سے خبردار خبردار

کیا دخل تمھین امر مین سلطانِ اُمم کے
دیکھون گی نہ پھر مُنہ جو گئے پاس علم کے

کچھ اور ہی تیور ہین علم نکلا ہے جب سے
تم کون ہو جو آگے بڑھے جاتے ہو سب سے
استادہ ہو جا کر عقبِ شاہ ادب سے
عہدہ ہے یہ جس کا مجھے معلوم ہے تب سے

اس امر مین خاطر نہ کرین اور کسیکی
مین خوش ہون بجالائین وصیت کو علیؑ کی

مانا کہ پہونچتا ہے تمھین منصب جعفرؑ
چھوٹا مرا بھائی بھی ہے بیٹون کے برابر
آقا کی غلامی سے ہے عہدہ کوئی بڑھکر
عاشق کا تو عاشق ہے برادر کا برادر

بگڑون گی گلہ گر کسی اسلوب کروگے
عباسؑ سے کیا تم مجھے محجوب کروگے

زینبؑ نے عتابانہ جو کی اُن سے یہ گفتار
شاہون سے غلامون نے بھی کی ہے کبھی تکرار
یون کہنے لگے جوڑکے ہاتھون کو وہ دلدار
مالک ہین جسے چاہین علم دین شہ ابرار

رخصت کے لئے تیغ و سپر باندہے ہوئے ہین
ہم صبح سے مرنے پہ کمر باندہے ہوئے ہین

زینبؑ نے کہا لیکے بلائین کہ سدھارو
مان صدقے گئی سر قدم شاہ پہ وارو
بس اب مرا دل شاد ہوا اے مرے پیارو
ہو عید مجھے گر عمر و شمر کو مارو

یہ وقت ہے امداد امام ازلی کا
دے چھوٹے سے ہاتھون مین خدا زور علیؑ کا

۵ حضرت علی اکبرؑ میدان جنگ مین جانے کے لئے پھوپھی اور امان سے اجازت طلب کرتے ہین، اُن دونون کا اضطراب - اور سوال وجواب ۵

خیمے مین آئے روتے ہوئے اکبرؑ حزین
اِک آہ سرد بھرکے یہ بولا وہ مہ جبین
چھاتی لگایا مان نے پھوپھی نے بلائین لین
نرغے مین ظالمون کے اکیلے ہین شاہِ دین

روتے ہین غیر سیّدِ والا کے حال پر

امان مقام رحم ہے بابا کے حال پر

اعدا کا ظلم بھائی کا غم تین دن کی پیاس
بازو شکستہ ضعف بصارت ہجوم یاس
اب مین ہون اور کوئی نہین شاہ دین کے پاس
اس پر بھی اضطراب نہین کچھہ نہ ہے حواس
گھیرے ہین سب امام غریب الدیار کو
تنہا کھڑے ہین تولے ہوئے ذوالفقار کو

تنہا کہان امام کہان وہ ہجوم عام
مین یان ہون اب تو اوڑ رہی ہوگی فوج شام
فریاد ہے کوئی نہین آتا ہمارے کام
مٹتا ہے صفحۂ دو جہان سے پدر کا نام
مظلوم باپ آنکھون کے آگے ہلاک ہو
بیٹا جوان ہم سا نہ پیوند خاک ہو

تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب
اچھا مرین گے بعد شہ آسمان جناب
ہم بھی نہین اگر نہین فرزند بوتراب
ذرہ کہان غروب ہوا جب کہ آفتاب
دنیا کا نور نیر اعظم کے ساتھ ہے
اپنی تو زندگی شہ عالم کے ساتھ ہے

مجھکو تو آرزو ہے کہ سر کو فدا کرون
راہ خدا مین فوج سے تنہا وغا کرون
سر سے حقوق والد ماجد ادا کرون
مالک مرے اگر نہ رضا دین تو کیا کرون
وان اقتلوا[ل] الحسین کا اعدا مین شور ہے
پر کچھہ ہمارا پالنے والون سے زور ہے

تم دونون صاحبون سے مرے اب ہین دو سوال
اول تو یہ کہ دیجیے مجھے رخصت جدال

ل یعنی قتل کرو تم سب حسین کو ۱۲

رکھ لیجے آبروے پیمبر ذوالجلال
آ گے مرے شہید نہ ہو فاطمہ کا لال

للہ ہاتھ اٹھایئے اب نورعین سے
امان ہین عزیز نہ کیجے حسینؑ سے

ہے دوسری یہ عرض جو رخصت نہین قبول
جلدی ہو کربلا سے روانہ یہ دل ملول
تیرب سے کیا علاقہ ہے بطحا سے کیا حصول
نہ جائینگے نجف نہ سوے روضۂ رسولؐ

جنگل کی راہ لینگے گریبان کو پھاڑ کے
کافی ہین منہ چھپانے کو دامن پہاڑ کے

پوچھین جو دوستانِ مدینہ مری خبر
کہہ دیجیے نہ آئینگے اب وہ کبھی ادھر
صدقے امام دین پہ ہوے سارے نامور
کچھ اُن سے ہو سکی نہ مددگاری پسر

بستی بسا کے رن مین شہِ کربلا رہے
کنبہ سے منھ چھپا کے وہ جنگل مین جا رہے

رونے لگا یہ کہکے جو وہ چودہوین کا ماہ
بنت علیؑ کی آنکھون مین دنیا ہوئی سیاہ
بھاوج کے منہ پہ پاس سے زینبؑ نے کی نگاہ
گردن ہلا کے ماں نے بھری ایک سرد آہ

بنت علیؑ تو خاک پہ تھرا کے گر پڑی
بانوؑ پسر کے پاؤن پہ غش کھا کے گر پڑی

ماں کو اٹھا کے خاک سے رونے لگا پسر
بیٹے کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
مجھکو بھی لے لو ساتھ جو منظور ہے سفر
زینبؑ پکارین چھوڑ کے ہمکو چلے کدھر

اچھا رضا حسینؑ سے لے لو تو جائیو
کاندھا مرے جنازے کو دے لو تو جائیو

اک دن وہ تھا کہ سوتے تھے چھاتی پہ رات بھر
یاد آتی ہین وہ ھنسلیان وہ کان کے گہر
کرتہ وہ پہنے دوڑتے پھرنا اِدھر اُدھر
یا آج تیغ ہاتھ مین ہے دوش پر سپر
غازی ہو صف شکن ہو سعادت نشان ہو
کیا کام ہم سے نام خدا اب جوان ہو

دادا کا مرتبہ تمھین دے رب ذوالجلال
قابل ہے رحم کرنے کے واری ہمارا حال
قایم تمھارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال
بچپن کی دایون کا بھی رکھیے ذرا خیال
کس سے ہو پھر امید اگر تم سے یاس ہو
اب تو تمھین ہمارے بڑھاپے کی آس ہو

قوت تمھین ہو دل کی تمھین پارۂ جگر
لاشین بھی گھر مین آئین تو بیٹا نہ مین نہ سر
یہ بھی خبر نہین مجھے کب مر گئے پسر
مین کہتی تھی بچے یہ مرا غیرتِ قمر
اکبرؑ تو ہے اگر مرے پیارے نہین نہین
روشن ہے گھر مین چاند ستارے نہین نہین

باتین یہ کر کے منہ پہ لیا گوشۂ ردا
بس گر پڑا پھوپھی کے قدم پہ وہ مہ لقا
سر چوب سے پٹک کے کہا وا محمدا
کی عرض رو کے اے پھوپھی امان کرون مین کیا
مین بے وفا نہین ہون یہ روشن ہے آپ پر
نرغہ ہے فوج کا مرے مظلوم باپ پر

منہ سے ہٹایئے تو ردا بہر کردگار
چادر ہٹا کے منہ سے یہ بولی وہ دلفگار
اچھا نہ جائینگے ہوے میدان کارزار
مین کون ہون؟ صدقے جاؤن تمھین کو ہے اختیار
اصغرؑ ہو یا کہ تم ہو مجھے سب سے یاس ہے

رخصت گلا کٹانے کی لو ماں تو پاس ہے

اکبرؑ نے ماں کے چہرۂ اقدس پہ کی نظر
تم سے پھوپھی خفا ہین جھکا دو قدم پہ سر
ماں نے کیا اشارہ کہ اے غیرتِ قمر
قربان جاؤن عذر کرو ہاتھ باندھ کر

سر کی نہ کچھ خبر ہے نہ چادر کا ہوش ہے
داری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہے

جلدی سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام
بس اب زبان سے کچھ نہین کہنے کا یہ غلام
تقصیر عفو کیجیے اے خواہر امام
میری تو ماں ہین آپ مجھے کیا کسی سے کام

بندے پہ کی ہے ماں نے یہ شفقت نہ باپ نے
راتون کو جاگ کر مجھے پالا ہے آپ نے

اکبرؑ نے یہ کلام کیے جب بصد ادب
لیکر بلائین چہرے کی بولی وہ تشنہ لب
الفت کا جوش آگیا بنتِ علیؑ کو تب
کڑھتے ہو کس لیے مین تمھین روکتی ہون کب

سچ ہے جہان مین تمسا کوئی باوفا نہین
واری تمھارے سر کی قسم مین خفا نہین

کیون کانپتے ہو اشک ہین آنکھون سے کیون رواں
لو مین نے دی رضا تمھین اے میرے نوجوان
تم راست گو ہو سچ ہے تمھارا یہ سب بیان
تم جاؤ آگے صدقے گئی اور تمھاری ماں

یون تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے
کچھ ماں کا حق بھی کم نہین ہوتا ہے باپ سے

آنکھین بچھائین ماں نے جو تم گھٹنیون چلے
نازون سے منتون سے مرادون سے تم پلے
تلوون سے اسنے دیدۂ حق بین سدا ملے
صدقے ہوئی کبھی تو لگایا کبھی گلے

مادر نے اپنی عمر مصیبت مین کھوئی ہے
برسون یہ بی بی ایک ہی کروٹ سوئی ہے

بانوؑ نے ہاتھ جوڑ کے زینبؑ سے یہ کہا
اِس قافلہ مین آپ ہین اب فاطمہؑ کی جا
صدقے گئی کنیز کی خدمت کا ذکر کیا
مین نے بھی دی جو آپ نے بیٹے کو دی رضا

صدقے ہے یہ بھی صورتِ پروانہ آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہ بحر و بر
بانوؑ بھی روئی شہ کے قدم پر جھکا کے سر
لے لین بلائین بھائی کی زینبؑ نے دوڑ کر
بولی لپٹ کے بال سکینہؑ کہ اے پدر

سُنتی تھی مین کہ رن سے علمدار آتے ہین
لو اب تو گھر سے ہم پہ بھیّا بھی جاتے ہین

بانوؑ کے مُنہ کو دیکھکے حضرتؑ نے یہ کہا
وہ چپ ہوئی تو بولے بہن سے شہ ہدا
کیون سچ ہے تمنے بیٹے کو مرنے کی دی رضا
کہیے پھوپھی بھتیجون مین کیا فیصلہ ہوا

راہین سب اسکے روکنے کی بند ہو گئین
سنتا ہون مین کہ تم بھی رضامند ہو گئین

ہاتھون کو جوڑ کر علی اکبرؑ نے عرض کی
زہراؑ کی وہ بہو ہین تو یہ دخترِ علیؑ
امان نے بھی رضا ہمین دی اور پھوپھی نے بھی
آقا سوال رد نہین کرتے کبھی سخی

رویا جو مین تو مان نے گلے سے لگا لیا
مرنے کا اذن دے کے پھوپھی نے جلا لیا

مان نے کہا پسر کی فصاحت تو دیکھیے
نامِ خدا زبان کی طلاقت تو دیکھیے

زینبؑ یہ بولین ذہن کی جودت تو دیکھیے
ہر بات مین ثبوتِ رجاعت تو دیکھیے

کیا بات بھائی ان کی بھلا بول چال کی
گویا زبان ہے مصحفِ ناطق کے لال کی

رومال رکھ کے آنکھون پہ بولے امامِ دین
تم دو گی رخصت انکو مجھے یہ نہ تھا یقین
سچ ہے اجل سے کچھ کسی انسان کا بس نہین
آیا تھا اتنی عمر ہی لیکر یہ مہ جبین

بیجا ہے روکنا جو یہ طالب رضا کے ہین
اے بنتِ فاطمہؑ یہ کرشمے قضا کے ہین

۷ - عون اور محمد زخمی ہوکر قریب المرگ ہین۔ حضرت علی اکبرؑ ان کی لاش خیمے تک لیجانا چاہتے ہین، حضرت زینبؑ (عون و محمد کی مان) ان کو روکتی ہین، لاشین خیمہ مین آتی ہین۔ حضرت زینبؑ لوگون کو رونے سے منع کرتی ہین، لیکن آخر ضبط نہین ہوسکتا، اور خود بین کرتی ہین۔

گھبرا کے درِ خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری
مرنے مین نکلنے لگی جو تم جاؤ گے واری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہین پیاری
تنہا تو نہین انکی ہون عاشق کہ تمھاری

میدان کی طرف قاسمؑ سے بھی بڑھ کے گئے ہین
تلوارون مین عباسؑ دلاور بھی گھرے ہین

بیٹون سے ہوئی گر تو ہوئی آج جدائی
مرے بھی مرے دنیا مین سلامت رہین بھائی
اک دولتِ اولاد لٹائی تو لٹائی
کیا لُٹ گیا وہ کون سی ایسی تھی کمائی +

کیون روؤن مین دنیا مین جو دلبند نہین ہین
کیا اکبرؑ و اصغرؑ مرے فرزند نہین ہین

یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے
ٹکڑے کیا معصوموں کو تلواروں کے مارے
نوشاہ کی ہمشیر کے بیٹے گئے مارے
وہ لوٹتے ہیں خاک پہ دو عرش کے تارے

پامالی کو ان دونوں کے اسوار بڑھیں گے
بچوں کے سر اب کٹ کے نشانوں پہ چڑھیں گے

یہ سنتے ہی تھرانے لگے حضرت عباسؑ
سر کھولے ہوئے بیبیاں ڈیوڑھی کے جو تھیں پاس
گھبرا کے اُٹھے خاک سے شبیرؑ بصد یاس
سب نے کہا نوشہ کی بہن ہو گئی بے آس

ٹوٹا ہے فلک بنت شہنشاہ نجف پر
زینبؑ کو چلو لے کے بس اب ماتمی صف پر

ہے ہے کا جو اک شور رہا رانڈ ومین برپا
چلائی ارے چپکے رہو غل ہے یہ کیسا
زینبؑ بھی ہٹی چھوڑ کے دروازے کا پردا
بھائی ہیں سلامت مجھے کیوں دیتی ہو پرسا

ہے ہے نہ کرو صاحبو گھبرائیں گے شبیرؑ
پھر کون ہے زینبؑ کا جو مرجائینگے شبیرؑ

باتیں یہ کہیں سب سے یہ سنبھلا نہ دل زار
وان لاشوں پہ روتے ہوئے پہونچے شہ ابرار
تڑپا یہ کلیجہ کہ گری خاک پہ اک بار
مہمان کوئی ساعت کے ملے وہ جگر افگار

کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

رُخ زرد تھے اور خاک میں آلودہ تھے گیسو
تلواروں سے ٹکڑے تھے وہ بلور سے بازو
جھک آئے تھے کٹ کٹ کے منہ پہ وہ ابرو
مہتاب سی وہ چھاتیاں اور تیر سے پہلو

جھکتا تھا جگر آنکھ نہ کھل سکتی تھی غش سے

ہونٹون پہ زبانین نکل آئین تھین عطش سے

ٹکڑے ہوا سینہ مین دل سبط پیمبرؐ — سب ہے کہا اور لاشون سے لپٹے شہ صفدر
چھوٹے سے بڑے نے یہ کہا ہوش مین آکر — بالین پہ حضور آئے ہین چونکو تو برادر
مشتاق تھے تم سید ذیجاہ کو دیکھو
مرتے ہوئے دیدار شہنشاہ کو دیکھو

سنکر یہ صدا غش سے جو چونکا دل افگار — دونون نے رکھا سر قدم شاہ پہ اک بار
اکبرؑ سے یہ کی عرض کہ اے شاہ کے دلدار — دشمن ہین بہت قبلۂ عالم سے خبردار
ہم دونون غلامون کا نہ غم کھائیو بھائی
سر پیٹین جو امان انھین سمجھائیو بھائی

حضرت کے جو رونے کی صدا خیمے مین آئی — رانڈون نے اُدھر ماتمی صف گھر مین بچھائی
زینبؑ نے کہا ہائے غضب روتے ہین بھائی — فضہ یہ پکاری کہ دوہائی ہے دوہائی
نو چاک گریبان کئے آتے ہین شبیرؑ
معصومون کی لاشون کو لئے آتے ہین شبیرؑ

بیٹھی صف ماتم پہ ادھر شاہ کی خواہر — سیدانیون نے اُٹھ کے اُدھر کھول دئیے سر
لاشون کو لئے آئے جو گھر مین شہ صفدرؑ — زینبؑ کے قرین بیٹھ گئے سر کو جھکا کر
فرمایا کہ لخت جگر آئے تمھارے
لو دودھ انھین بخشو پسر آئے تمھارے

دیکھا جو لہو بچون کا چھاتی اُمنڈ آئی — پر فاطمہؑ کے صبر کی شان اُسنے دکھائی
نزدیک تھا مر جائے یداللہ کی جائی — سب سے یہ کہا نیگ لگی میری کمائی

ننھے بچے مرے قربان ہوئے احسان خدا کا
اے بی بی یہ صدقہ ہے یہ شاہِ شہدا کا

رو کر شہ والا نے کہا صدقے مین تم پر
بانو نے اشارا کیا اے سبط پیمبر
دم بھر اُنھین رو لو کہ یہ مہمان ہین خواہر
قربان گئی آپ بس اب جائیے باہر

گر ضبط اسی طرح سے فرمائین گی زینبؑ
یہ ماتم اولاد ہے مر جائین گی زینبؑ

روتے ہوئے خیمہ سے جو ڈیوڑھی پہ گئے شاہ
یہ نیند ہے کیسی کہ خبر تم کو نہین آہ
فرزندون کو چلانے لگی زینبؑ ذیجاہ
صدقے گئی جاؤ شہ کونین کے ہمراہ

زخمی ہوئے شبیرؑ تو جان اپنی مین دون گی
اچھا مین تمھین دونون سے ماں جائے کو لونگی

لو نیمچے کاندھون پہ دھرلے مرے پیارو
گو پیاسے ہو دو دن کے پہ ہمت کو نہ ہارو
تنتے ہوئے شبیرؑ کے ہمراہ سدھارو
یہ خون مین ڈوبے ہوئے کپڑے تو اُتارو

اُٹھو بیٹھو مین صدقے گئی اتنا نہین سوتے
اسطرح تو جاگے ہوئے دولھا نہین سوتے

سوتا ہے لڑائی کے دن ایسا کوئی غافل
دیکھو کہ تڑپتی ہے یہ ماں صورتِ بسمل
بچو تمھین کیا اُن کے کمین گے شہ عادل
سلجھاؤ یہ زلفین کہ اُلجھتا ہے مرا دل

کیا[۵۱] غش مین ہو یہ سونے کا نقشا نہین ہوتا
ایسا تو کوئی نیند کا ماتا نہین سوتا

۵۱ یہ اشعار جذبات کے عنوان مین بھی داخل ہو سکتے ہین۔

مثال ۱۵ - شیرین کو خبر ہوئی ہی کہ امام حسین علیہ السلام مع تمام خاندان کے اسکے گھر تشریف لاتے ہین، اور وہ مہمانی کا سامان کرتی ہے اور اپنے عزیزون کو خوشخبری دیتی ہے -

یہ کہکے اُسنے فرش کیا گھر مین سبز
مسند بچھائی بہرِ شہنشاہ بحر و بر
مومن کے دل کیطرح مصفا ہوا وہ گھر
تکیون کو صاف کرکے لگایا ادھر اُدھر

کہتی تھی میرے گھر مین ابھی سے جو نور ہے
یہ آمدِ امامِ زمن کا ظہور ہے

دالان ہے یہ شاہ کی خواہر کے واسطے
جھولے کی جا یہ ہے علی اصغرؑ کیواسطے
یہ نرم فرش ہے علی اکبرؑ کے واسطے
یہ گھر ہے شاہ دین کے برادر کے واسطے

راحت سے شہ نشین یہ امام زمن رہین
حجرہ یہ اس لیے ہے کہ دولھا دلہن رہین

کرسی کو لا کے جلد کسی جا بچھاتی تھی
سجدے مین بہرِ شکر کبھی سر جھکاتی تھی
تخفون کو کشتیون مین کبھی وہ لگاتی تھی
گھبرا کے صحن سے کبھی ڈیوڑھی پہ جاتی تھی

چہرے پہ اک خوشی تھی پہ دل بیقرار تھا
فرزندِ فاطمہؑ کا اُسے انتظار تھا

جا کر کبھی خواصون سے کرتی تھی یہ کلام
بھر بھر کے آب سرد کے رکھدو ہوا مین جام
کھانا پکاؤ جلد کہ آتے ہین اب امام
لبریز آب گرم کے کردو سبو تمام

پردیسیون کو خیر سے جب گھر مین لاؤن گی
ہاتھون سے اپنے پانون سبھون کے دھلاؤنگی

ہمسائیون سے کہتی تھی ہنس ہنس کے بارہا
اب کیجیو زیارتِ سلطانِ نامدار

ہے باغِ فاطمہؑ یہ عجب حسن کی بہار
رشکِ ریاضِ خلد ہے ایک ایک گلعذار
سب نونہال گلشنِ دین لاجواب ہین
قد سرو باغ حسن ہین رُخ آفتاب ہین

شمشادِ بوستان پیمبرؐ کو دیکھیو
سرو ریاض حضرتِ شبرؑ کو دیکھیو
کیا نوجوان ہین شہ کے برادر کو دیکھیو
سب ایک سمت تم علی اکبرؑ کو دیکھیو
ہوگا کبھی یہ حُسن ملک کا نہ حور کا
جلوہ ہے اُس جری مین محمدؐ کے نور کا

خالق رکھے اُسے صدوسی سال برقرار
نام خدا ہے شادی کے قابل وہ گلعذار
بنین فدا ہین باپ تصدق ہے مان نثار
سر پہ پھوپھی نے پیار سے گیسو رکھے ہین بجا
چہرے کے آگے نیّر تابان بھی ماند ہے
عالم کی روشنی ہے اندھیرے کا چاند ہے

اب خیریت سے گذرے گا اٹھاروان جو سال
شادی کرینگی بیٹے کی بانوے خوشخصال
زینبؑ کو اُس کے بیاہ کا ارمان ہے کمال
ہر دم یہی دعا ہے کہ دولھا بنے یہ لال
آتی ہین نسبتین حلب و شام و روم سے
شادی خدا جو چاہے تو ہوویگی دھوم سے

جب ڈھل گئی اُسے انھین باتون دوپہر
شوہر سے پھر یہ کہنے لگی وہ نکوسیر
اب تک نہ آئے گھر مین شہنشاہ بحر و بر
اُترے کہان کسی سے مفصل سُنی خبر
بستی سے ساتھ لے کے ہر اک اپنے بھائی کو
جا پیشوا ہے خلق کی تو پیشوائی کو

کہیو مری طرف سے یہ تو چوم کر قدم
کرتے ہین اغنیا غربا پر سوا کرم

لونڈی کو سرفراز کرو یا شہ امم
اب بے حضور چین نہین مجھکو ایکدم

کچھ آج ہے تپش سی دل بیقرار مین
آنکھین سپید ہوگئی ہین انتظار مین

قربان ہوگئی مرا گھر کچھ نہین ہے دور
ہم لوگ مشت خاک ہین حضرت خدا کے نور

خاصہ تناول آن کے اس جا کرین حضور
ہوگا یہ کود آپ کے آنے سے رشک طور

کہنا حضور راہ ہدایت کی شمع ہین
پردا نسے یان سحر زیارت کو جمع ہین

عرصہ ابھی ہے آپ کے آنے مین کچھ اگر
ڈیوڑھی پہ بندوبست ہے یا شاہ بحر و بر

آنے مین کیون حرم کے ہوئی دیر اسقدر
گردوارکھی ہین مینے قناتین ادھر ادھر

محمل مین گھٹتی ہونگی زہرا کی پیاریان
عباسؑ لے کے آئین زنانی سواریان

رزمیہ

رزمیہ شاعری اگرچہ واقعہ نگاری ہی کی ایک قسم ہے لیکن وسعت اور اہمیت کے لحاظ سے اسکے لیے بھی جداگانہ عنوان درکار ہے

اُردو، بلکہ عربی مین بھی رزمیہ شاعری کو چندان ترقی نہین ہوئی، عرب مین مثنوی سرے سے مفقود ہے، اور مسلسل واقعات مثنوی کے سوا، اور کسی صنف مین ادا ہی نہین ہو سکتے، شعراے جاہلیت لڑائی کے جستہ جستہ واقعات، قصاید مین ادا کر لیا کرتے تھے، لیکن اس تمام شاعری مین، کوئی مسلسل رزمیہ نظم ۵۰ شعرون کی بھی نہین مل سکتی،

فارسی مین، شاہ نامہ، اور سکندر نامہ کو الگ کر دیا جاے، تو کچھ باقی نہین رہتا لیکن ایک شاہ نامہ ہزار کتابون پر بھاری ہے اس لئے فارسی شاعری کا رتبہ اس حیثیت مین، عربی سے بڑھا رہا۔ اور اسکو خود زباندانان عرب نے تسلیم کیا چنانچہ ابن الاثیر نے مثل السایر مین صاف لکھدیا کہ عربی زبان باوجود اسقدر وسعت اور سرمایہ داری کے، شاہ نامہ کی نظیر نہین پیش کر سکتی،

اُردو مین لے دیکر، میر تقی ہوس کے چند اشعار ہین جو نوفل اور لیلیٰ کے قبیلہ کی لڑائی کے موقع پر لکھے ہین اسکا نمونہ یہ ہے ؎

شانون سے گذر کے رمح چالاک		تھے ہوش رُبائے مار ضحاک	

مرثیہ مین، میر ضمیر نے رزمیہ کی ابتدا کی، لیکن وہ بالکل نقش اولین تھا، میر انیس نے جس طرح اس صنف کو کمال کے درجہ تک پہنچایا اسکے لحاظ سے اُردو شاعری گو فارسی کے برابری کا دعویٰ نہین کر سکتی لیکن عربی سے کسی طرح پیچھے نہین،

رزمیہ شاعری کا کمال، امور ذیل پر موقوف ہے۔ سب سے پہلے لڑائی کی طیاری، معرکہ کا زور شور، تلاطم، ہنگامہ خیزی، ہل چل، شور وغل، نقارون کی گونج، ٹاپون کی آواز، ہتیارون کی جھنکار، تلوارونکی چمک دمک نیزون کی لچک، کمانون کا کڑکنا، نقیبون کا گرجنا، ان چیزون کا اس طرح بیان کیا جائے کہ آنکھون کے سامنے معرکۂ جنگ کا سمان چھا جاے، پھر بہادرون کا میدان جنگ مین جانا، مبارز طلب ہونا، باہم معرکہ آرائی کرنا، لڑائی کے داؤن پیچ دکھانا، ان سب کا بیان کیا جائے، اسکے ساتھ، اسلحہ جنگ، اور دیگر سامان جنگ کی الگ الگ تصویر کھینچی جاے، پھر فتح یا شکست کا بیان کیا جاے اور اسطرح کیا جاے کہ دل دہل جائین، یا طبیعتون پر اُداسی اور غم کا عالم چھا جاے۔

فردوسی کے ہان یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، مثلاً دو معرکہ جنگ کا سمان اسطرح کھینچتا ہے ؎

جہان لرز لرزان شد و دشت و کوہ		زمین شد ز نعلِ ستوران ستوہ گھوڑے عاجز	

برآمد ز هر سو ز لشکر خروش — همی پیل را زان بدرّید گوش
ز بس نیزه و گرز و گوپال و تیغ — تو گفتی همه ژاله بارد ز میغ
بلند آسمان چون زمین شد ز خاک — ز هر سو همی بر شده چاک چاک
درخشیدن تیغ هاے بنفش — ازان سایهٔ کاویانی درفش
تو گفتی که اندر شب تیره چهر — ستاره همی بر فشاند سپهر ق
سیه شد ز گرد سپه آفتاب — ز پیکان پولاد و پر عقاب
دل کوه گفتی بدرّد همی — زمین با سواران بپرّد همی
تو گفتی که ابرے برآمد سیاه — ببارید خون اندران رزمگاه
ز گرد سیه روشنائی نماند — ز خورشید شب را جدائی نماند
ز جوشش سواران و زخم تبر — دگر کوه خارا برآورد سر
زمین شد ز نعل ستوران ستوه — همان کوه دریا شد و دشت کوه
ز بس نعره و نالهٔ کرناے — همی آسمان اندر آمد ز جاے
سنان هاے رخشان و تیغ سران — درفشی از بر و زیر گرز گران
بجوشید دشت و بجنبید کوه — ز بانگ سواران هر دو گروه
ز آهن زمین بود و از گرز میغ — ستاره سنان بود و خورشید تیغ
زمین لاله گون شد هوا نیلگون — برآمد همی موج دریاے خون

اسکے مقابلہ مین میر انیس کا رزمیہ دیکھو -

ہنگامہ جنگ

نقارۂ وغا پہ لگی چوب یک بیک — اُٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگا فلک
شہپور کی صدا سے ہراسان ہوے ملک — قرنا پھنکی کہ گونج اُٹھا دشت دور تک

شور دُھل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مُردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

گھوڑون سے گونجتا تھا وہ سب وادیٔ نبرد
تھا چرخ چارمین پہ رُخِ آفتاب زرد
گردون مین مثل شیشۂ ساعت بھری تھی گرد
ڈر تھا گرے زمین پہ نہ مینائے لاجورد
گرمیٔ ہجوم فوج سے وہ چند ہوگئی
خاک اسقدر اُڑی کہ ہوا بند ہوگئی

کانپے طبق زمین کے، ہلا چرخ لاجورد
اُٹھہ کر زمین سے بیٹھہ گئی زلزلہ مین گرد
مانند کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد
تیغون کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے سرد
گرمی سے رن کے ہوش اُڑے وحش و طیر کے
شیر اُس طرف اُتر گئے دریا کو پیر کے

اللہ رے زلزلہ کہ لرزتے تھے دشت و در
جنّات کانپ کانپ کے کہتے تھے الحذر
جنگل مین چھپتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور
دنیا مین خاک اُڑتی ہے اب جائین ہم کدھر
اندھیر ہے، اُٹھی برکت اب جہان سے
لو مل گیا زمین کا طبق آسمان سے

تھرّا رہا تھا خوف سے مینائے لاجورد
تھا دن بھی زرد، دھوپ بھی زرد، اور زمین بھی زرد
ہلتے تھے کوہ، کانپتا تھا وادیٔ نبرد
خورشید چھپ گیا، یہ اُٹھی کربلا مین گرد
اک تیرگی غبار سے تھی چشم مہر مین
ٹاپو پڑے ہوئے تھے محیطِ سپہر مین

فوج کی طیاری اور سامان

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل
خنجر وہ جنکی آب مین تھی تلخی اجل

تھے برچھیون کی صورتِ مقراض پھل پہ پھل
وہ گرز جنکے ڈر سے گرے دیو منہ کے بھل

دو دو وہ بتر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
حلقون پہ تھے پچے ہوئے حلقے کمند کے

وہ دہوم طبل جنگ کی، وہ بوق کا خروش
تھرا ای یون زمین کہ اڑے آسمان کے ہوش

کر ہو گئے تھے شور سے کرّوبیون کے گوش
نیزے ہلا کے نکلے سواران درع پوش

ڈھالین تھین یون سرون پہ سواران شوم کے
صحرا مین جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

حد سے فزون ہے کثرتِ افواجِ نابکار
ہر سمت ہے سنان پہ سنان مثلِ کارزار

نیزہ پہ نیزہ، تیغ پہ ہے تیغ آبدار
ہر صف مین ہے سپر پہ سپر مثل لالہ زار

پیکان بہم ہین جیسے ہون گل بے کھلے ہوئے
گوشون سے ہین کمانون کے گوشے ملے ہوئے

دریا کی طرح لشکرِ کین مارتا ہے جوش
ھل من مبارز کا ہر اک صف مین ہے خروش

نیزے ہلا رہے ہین جوانان درع پوش
چلّے کھچے ہوئے ہین کمانون کے تا گوش

ہر صف مین برچھیان بھی ہزارون لچکتی ہین
نیزے تُلے ہوئے ہین، سنانین چمکتی ہین

نوکین وہ تیز ہین کہ دلون مین کھٹکتی ہین
ترکش کھلے ہوئے ہین کمانین کڑکتی ہین

سنگین دلون نے ہاتون مین تبر اُٹھائے ہین
تیغون کے ساتھ گرز گران سر اُٹھائے ہین

سپاہیون کی آمادگی جنگ

تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضہ کو چوم کے | بھالا کسی نے رکھ لیا، کاندھے پہ جھوم کے

چتون کسی کی شور وغل سے بگڑ گئی | ولہ | منہ سرخ ہو گیا، شکن ابرو پہ پڑ گئی

نکلا کوئی سمند کو زانو مین داب کے | ولہ | غصہ سے رہ گیا کوئی ہونٹون کو چاب کے

پاس ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی | ولہ | پٹری ہر اک سوار کے گھوڑے پہ جم گئی

حملہ کا زور شور اور نوجون کی ہلچل

نکلی جو رن مین تیغ حسینی غلاف سے | اڑنے لگے شرر دم خارا شگاف سے

بجلی تڑپ ہی چمک کے جو دشت مصاف سے | صاف آئی الامان کی صدا کوہ قاف سے

طبقے فلک کے صورت گہوارہ ہل گئے
دب کر پہاڑ خاک کے دامن سے مل گئے

لرزہ تھا تحت و فوق و جنوب و شمال مین | سکان غرب و شرق تھے بیم زوال مین

مضطر تھے شش جہت کے مکین ایک حال مین | غل تھا کہ گھر گئے غضب ذو الجلال مین

شہ کا غضب نمونہ قہر الہ تھا
تلوار کیا علم تھی کہ عالم تباہ تھا

جنگل مین تھی علم جو وہ تیغ شرر فشان | تھرا کے آسمان مین چھپتا تھا آسمان

غار اتر درون سے چھٹ گئے شیرون سے نیستان | برپا تھا بر و بحر مین اک شور الامان

مانند موج مچھلیون مین اضطراب تھا
زہرہ ہر ایک سنگ کا پانی مین آب تھا

اٹھا جو الحفیظ کا روحانیون مین شور | مردے دہل کے چونک پڑے سب میان گور

چلاّئے گرگ و شیر و غزالان و مار و مور | ہے بازوئے حسینؑ مین دستِ خدا کا زور

اُلٹے ہین مثل شیر خدا آستین کو
اے کردگار عرش بچالے زمین کو

تھا فوج قاہرہ مین تلاطم کہ الحذر | تھین موج کی طرح سب اُدھر کی صفین ادھر
چکر مین تھی سپاہ کہ گردش مین تھا بھنور | پانی مین تھے نہنگ، ابھرتے نہ تھے مگر

فوجین فقط نہ بھاگی تھین مُنہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا، کنارہ کو چھوڑ کے

تھا شش جہت مین غل کہ یہ ہے روز انقلاب | اُلٹے گا اس زمین کا ورق ابن بوترابؑ
اس شیر پر نہ ہوگی کوئی فوج فتحیاب | بس اب بنائے عالم امکان ہوئی خراب

حملہ غضب ہے بازوئے شاہ حجاز کا
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمین کے جہاز کا

ملتی تھی جائے امن نہ زیرِ فلک کہین | غُل تھا کہ مل نہ جائے سما سے سمک کہین
جنات بے حواس کہین تھے ملک کہین | سایہ کہین تھا، تیغ کہین تھی چمک کہین

پانی سے جل بجھا تھا کوئی کوئی نار سے
گرتی تھین تین بجلیان اک ذوالفقار سے

پریون سے قاف چھوٹ گیا، اور جنون سے گھر | شیرون سے دشت، گرگ سے بن، اژدرون سے در
شاہین و کبک چھپ گئے، اک جا ملا کے سر | اُڑ اُڑ گرے جزیرون مین جنگل کے جانور

سمٹے پہاڑ مُنہ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
سیمرغ نے گرادئے پر کانپ کانپ کے

فوجون کی ابتری اور ہل چل

گرتی تھی برق تیغ جو ہر پل ادہر اُدھر
شبدیز تھا کہ پھر رہی تھی کل ادہر اُدہر
سمٹے ہوے تھے ڈھالون کے بادل ادہر اُدہر
بھاگڑ تھی قلب فوج مین ہل چل ادہر اُدہر
ہر جا تنون کے ڈھیر سرون سے بلند تھے
بھاگین کہان، گریز کے کوچے تو بند تھے

تیغین سپر کے ساتھ کٹین، خود کے ساتھ
ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھیرا پسر کے ساتھ
سینہ کمر کے ساتھ کٹا - دل جگر کے ساتھ
اس معرکہ مین چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
بھاگے شریر خلعت و منصب کو چھوڑ کر
جانین روانہ ہوگئین قالب کو چھوڑ کر

سرہنگ شامی ٹھوکرین کھا کھا کے مر گئے
کتنے جوان سمون کے تلے آ کے مر گئے
جو بچ گئے ادہر سے اُدہر جا کے مر گئے
پس پس کے سرمہ ہوگئے ٹکرا کے مر گئے
ہل چل نے استخوان بدن چور کر دیے
بیٹون نے پائون باپ کی چھاتی پہ دھر دیے

تھا الامان کا شور پریشان تھے اہل شر
ماتھے علم گرتے تھے جھک جھک کے خاک پر
تیغون کے پیچھے ڈر کے چھپی تھی ہر اک سپر
پرچم نے بال کھولے تھے فریادیون نے سر
دانتون مین خس، ہراس سے تھے ہر جوان کے
چادر ہلا رہے تھے پھریرے نشان کے

بے رخ کمانین تیرون سے اچھلے کمان سے دور
برچھے سے پھل گرے ہوئے نیزے سنان سے دور
مرغان تیر سہمے ہوے آشیان سے دور
پیرون سے عقل دور، تہور جوان سے دور

تیغون کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالون کا ہوش تھا
نیزہ ہر اک سوار کو اک بار دوش تھا

در پے تھی سرکشون کی جو وہ تیغ جان ستان
ترکش سے تیر بھاگتے تھے، تیر سے کمان
گوشون سے تھی بلند صدا سے امان امان
گردن سے سر، رگون سے لہو اور تنون سے جان

یارا عقاب تیر کو پرواز کا نہ تھا
رن مین کہین نشان قدر انداز کا نہ تھا

ملتا نہ تھا صفون مین علم کا نشان کہین
نیزے کہین تھے، ڈانڈ کہین تھی، سنان کہین
چلّے کہین تھے، شست کہین تھی، کمان کہین
جمدھر کہین، کمند کہین، برچھیان کہین

اک اک سیاہ رو کا جگر داغ داغ تھا
جنگل تمام ڈھالون کے پھولون سے باغ تھا

وہ گھاٹ باڑہ اور وہ اسکی چمک دمک
شعلہ مین یہ چمک تھی نہ بجلی مین یہ لپک
کانپی کبھی زمین، کبھی تھرا گئے فلک
ہر ضرب مین سما سے تلاطم تھا تا سمک

کونین مین حواس بجا تھے نہ ایک کے
گاو زمین سمٹتی تھی گھٹنون کو ٹیک کے

ڈر ڈر کے پیچھے بانون سیاہ لعین ہٹی
سمٹے جبال، نہر کہین سے کہین ہٹی
یہ صف سوے یسار وہ سوے یمین ہٹی
دہشت سے آسمان ہوا اونچا، زمین ہٹی

بھاگڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑہ گیا
دریا لہو کا کشتی گردون پہ چڑہ گیا

نعرہ جدا، صداے تکبیر وہ جدا
گوشے کمان سے دور تھے، گوشون سے زہ جدا

بکتر جدا زمین پہ ٹکڑے، زرہ جدا
نیزون کو دیکھیے تو گرہ سی گرہ جدا

اللہ رے فرق گردن و سر بھی ہم نہ تھے
کشتون کا ذکر کیا ہے کہ تیغون مین دم نہ تھے

مغفر نہ سر کے پاس، نہ خنجر کمر کے پاس
قبضہ کے پاس تیغ، نہ دستہ تبر کے پاس
بیٹے کے پاس باپ، نہ بیٹا پدر کے پاس
کڑیان زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس

نیزے نہ تھے سنان پہ نہ پرچم نشان پر
پیکان نہ تیر پر تھا، نہ چلہ کمان پر

معرکہ آرائی، اور فنون جنگ کا اظہار قدیم زمانہ مین جنگ کا دستور تھا کہ عام لڑائی سے پہلے، دونون طرف سے پہلے، ایک ایک شخص میدان مین نکلکر حریف سے معرکہ آرا ہوتا تھا، اس بنا پر تمام مرثیہ گویون نے اس قسم کی معرکہ آرائیان بیان کی ہین۔ لیکن مرزا دبیر وغیرہ یہ واقعہ اسطرح لکھتے ہین کہ یہ نہین اندازہ ہوتا کہ حریفون نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے، بخلاف اسکے میر انیس اسکو اسطرح ادا کرتے ہین کہ گویا فن جنگ کا بڑا ماہر لڑائی کے تمام داؤن پیچ بتا رہا ہے چونکہ عرب مین سب سے پہلے لڑائی کی ابتدا رجز سے ہوتی تھی اس لئے پہلے ہم رجز کا انداز دکھاتے ہین۔

رجز عرب مین سب سے پہلے حریف میدان مین نکل کر رجز پڑھتا تھا یعنی اپنی شجاعت، اور دلیری کا خود اظہار کرتا تھا، اس بنا پر میر انیس نے جابجا رجز لکھا ہے لیکن چونکہ امام حسین علیہ السلام کی زبان سے پہلوانی کا اظہار، ان کے رتبہ کے شایان نہ تھا اسلئے اکثر رجزون مین پہلوانی اور بہادری کے بجائے فضیلت اور شرف کا اظہار کیا ہے مثلاً ؎

مین ہون سردارِ شباب چمنِ خلد برین
مین ہون خالق کی قسم دوشِ محمدؐ کا مکین
مین ہون انگشتر پیغمبر خاتم کا نگین
مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منور ہے زمین

ابھی نظرون سے نہان نور جو میرا ہو جائے
محفلِ عالم امکان مین اندھیرا ہو جائے

پھر یہ بیان کر کے کہ جناب رسول اللہ صلعم اور جناب امیرؑ و حمزہ سید الشہداءؑ کے تمام تبرکات مجھی کو وراثت مین ملے ہین، فرماتے ہین ؎

یہ قبا کسکی ہے بتلاؤ یہ کسکی دستار
بر مین کسکا ہے یہ چار آئینہ جوہر دار
یہ زرہ کسکی ہے پہنے ہوے جو مین سینہ فگار
کسکا رہوار ہے یہ آج مین جسپر ہون سوار

کسکا یہ خود ہے، یہ تیغ دو سر کسکی ہے
کس جری کی یہ کمان ہے، یہ سپر کسکی ہے

لیکن عام رجز کے قاعدہ کے لحاظ سے، بعض بعض جگہ شجاعت اور زور و قوت کا بھی اظہار کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہین ؎

بخشا ہے مجھکو حق نے شہ لافتی کا زور
ہے انگلیون کے بند مین خیبر کشا کا زور
اس دست مرتعش مین ہے دستِ خدا کا زور
پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا زور

اُلٹون فلک کو یون، جو ہو قصد انقلاب کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے ساغر حباب کا

آگے بڑھون جو تیر کو چلہ مین جوڑ کے
بیکار کر دون شیر کا پنجہ مروڑ کے
بھاگین خطا شعار کمانون کو چھوڑ کے
پٹکون زمین پر در خیبر کو توڑ کے

اُلٹون طبق زمین کے یون جھک کے زین سے

جس طرح جھاڑ دیتے ہین گرد آستین سے

دنیا ہو اک طرف تو لڑائی کو سر کرون | آئے غضب خدا کا اُدھر رخ جدھر کرون
بے جبرئیل کار قضا و قدر کرون | اُنگلی کے اک اشارے مین شق القمر کرون

طاقت اگر دکھاؤن رسالت مآب کی
رکھدون زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

یہ تیغ سر بہ گر کے ٹھہرتی ہے زین پر | جب ہاتھ اُٹھائے برق گری ہر زمین پر
خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر | کاٹے ہین کسکی تیغ دو پیکر نے تین پر

گھوڑے پر سوار ہونا

لو اب سوار ہوتے ہین عباس نامور | لو دامن قبا نے لیا بوسۂ کمر
لوہٹ کے ہات آپنے رکھا ایال پر | لو آفتاب خانۂ زین مین ہے جلوہ گر

برچھا لیا سمند مین زانو کو داب کے
لو دو ہلال بن گئے حلقے رکاب کے

دو حریفون کی معرکہ آرائی اور فنون جنگ

فردوسی کا یہ بڑا کمال خیال کیا جاتا ہے کہ وہ لڑائی کے تمام جزئیات داؤن پیچ، اور فنون جنگ کا نقشہ کھینچتا ہے، لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ سرسری اور معمولی باتون کے سوا، لڑائی کے ہر قسم کے تمام کرتب نہین دکھاتا، سب سے بڑا سین جو اسنے دکھایا ہے وہ رستم اور اشکبوس کا معرکہ ہے اس موقع کے اشعار یہ ہین ؎

خدنگے بر آورد پیکان چو آب | نہادہ بر وچار پر عقاب
بمالید چاچی کمان را بدست | بہ چرم گوزن اندر آمد شکست
ستون کرد چپ را و خم کرد راست | خروش از خم چرخ چاچی بخاست

چو زد تیر بر سینۂ اشکبوس
سپہر آن زمان دست اودا دبوس
چو پیکان ببوسید انگشت اوے
گذر کرد از مہرۂ پشت اوے

اِن اشعار مین تیر اندازی کا وہی معمولی طریقہ ادا کیا ہے، البتہ نہایت شاندار اور پُرزور الفاظ مین ادا کیا ہے۔ لیکن میر انیس، لڑائی کے ہر قسم کے کرتب اور ہنر اِس تفصیل سے بیان کرتے ہین کہ عرب اور فارسی مین اسکی نظیر نہین مل سکتی، ملاحظہ ہو ؎

یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزہ کو دی تکان
جھکی انی تو برق پکاری کہ الاماں
اک بندہ باندہ کر جو فرس سے کہا کہ ہان
ڈانڈ آئی ڈانڈ پر تو سنان سے رہی سنان
بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

جھنجلا کے چوب نیزہ کو لایا وہ فرق پر
قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ مارا بچا کے سر
دو انگلیون مین نیزۂ دشمن کو تھام کر
جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نا بکار کا
دو انگلیون سے کام لیا ذو الفقار کا

سنبھلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اُٹھا کے جب
قبضہ مین لی کمان کیانی بہ صد غضب
چلہ مین تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب
تیوری چڑھائی قاسم نوشاہ نے بھی تب
تیر نگاہ سے وہ خطا کار ڈر گیا
کانپے یہ دونون ہات کہ چلہ اُتر گیا

ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد
تھا حرب و ضرب مین وہ شقی بھی بلا سے بد
جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانی حسد
کہتا تھا بازوے شہ دین، یا علیؑ مدد

یون روکتے تھے ڈھال پہ تیغِ جہول کو
جسطرح روک لے کوئی کشتی زور بھول کو

لایا جو حرفِ سخت زبان پر وہ بد خصال
گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا اسد جلال

جھپٹا مثال شیر درندہ حسنؑ کا لال
اتنے بڑہے کہ لڑگئی اسکی سپر سے ڈھال

اوجھڑ لگی کہ ہوش اُڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پانون رکھدیے سر پر سمند کے

عباسؑ نامدار نے پہلو سے دی صدا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا

ہان اب نہ جانے دیجیو احسنت مرحبا
سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا

گھوڑا ابھی اسطرف کو اُدھر ہو کے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہات کہ دو ہو کے گر پڑا

ایک اور موقع ؎

نیزے ہلے وہ چل گئین چوٹین کہ الامان
چنگاریان اُڑین جو سنان سے لڑی سنان

ہر طعن قہر کی تھی قیامت کے ہر کان
دو اژدہے گتھے تھے نکالے ہوئے زبان

پہیلے شرر پرندون کی جانین ہوا ہوئین
شمعون کی تھین لوین کہ ملین اور جدا ہوئین

انکا نہ ایک وار نہ اس کے ہزار بند
کیا دنیزہ بازی مین تھا بار بار بند

بڑہ بڑہ کے کھول دیتا تھا یہ شہسوار بند
چوٹون سے نیلگون تھے جفاجو کے چار بند

خالی گئی نہ فرق کی نہ دست و پا کی چوٹ
کھلتی بھی ہے بندھی ہوئی مشکلکشا کی چوٹ

ڈوبی گرہ مین نیزۂ ظالم کی جب سنان
اللہ رے زور اُٹھہ گیا گھوڑے سے پہلوان
گھوڑا اُڑا کے ہات کو اکبرؑ نے دی تکان
دست شقی سے چھوٹ گئی ڈانڈ نا گہان
نیزہ کے ساتھہ شور اُٹھا اس گروہ سے
لو اژدہے کو لے گیا سیمرغ کوہ سے

ظالم نے ڈھال دوش سے لی اور کھچی تیغ
دو چار بار ڈوب کے نکلی سپر سے تیغ
بدلا تھا اسنے ٹھاٹ کہ چمکی ادہر سے تیغ
چلنے مین گھٹتی بڑھتی تھی کس کس ہنر سے تیغ

ولہ

چمکی سپر کے پاس، کبھی برق کی مثال
سر کو بچا کے کاٹ گئی، وہ زرہ کا جال
شانے پہ آئی سینہ پہ لی جب شقی نے ڈھال
چوٹین کڑی پڑی تھین کہ مقطع تھا بد خصال
رو کے کسے؟ جواب کسے دے؟ کدہر پھرے؟
بجلی کے ساتھہ کہان تک سپہر پھرے

چمکی جو تیغ، ڈھال وہ لایا قریب سر
مغفر سے سر مین تھی، سر و گردن سے صدر پر
اک برق سی گری کہ دو پارہ ہوئی سپر
سینہ سے جب بڑھی تو ہوا تب وہ باخبر
سب نشۂ غرور جوانی اُتر گیا
تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

ایک اور موقع سے

تولا شقی نے سنتے ہی یہ گرز گاؤ سر
آیا اُدھر سے گرز ادھر سے چلا تبر
اکبرؑ نے دوش پاک سے لی ہاتھہ مین سپر
دو ہو گیا عمود مثال خیار تر
گرز اسطرح نکل گیا پنجے سے چھوٹ کے
سمجھے یہ سب زمین پہ گرا ہاتھہ ٹوٹ کے

بھالا سنبھالا دشمنِ ایمان نے ملکے ہاتھ — نیزے کے چار پانچ نکالے سنبھلکے ہاتھ
پہلے ہی بک چکا تھا ستمگر اجل کے ہاتھ — بڑھتا نہ تھا جو پانون تو رکتا تھا چل کے ہاتھ

کم تھے نہ یہ بھی زور مین گروہ زیاد تھا
نیزے کے بند بند کا توڑ اُن کو یاد تھا

رکھکر تبر نیام سے لی تیغ شعلہ ور — تھرا کے خود امان نے صدا دی کہ الحذر
بھالے کے ہاتھ بھول گیا سب وہ خیرہ سر — یہ بھی اُدھر تھے پھرتا تھا نیزہ جدھر جدھر

جاتا کدھر یہ تیغ سے جائے امان نہ تھی
دیکھا جو غور سے تو سنان کی زبان نہ تھی

بالائے سر جو ڈانڈ کو لایا وہ خود پسند — کھوے تمام نیزۂ بیداد گر کے بند
پھینکی شقی نے فرق پہ جھنجھلا کے پھر کمند — سر کو بچا کے شیر نے تلوار کی بلند

گردش تھی ہاتھ کی نہ بڑھے کچھ نہ ہٹ گئے
حلقے کھلے تھے جو وہ اشارے مین کٹ گئے

ہٹکر خطا شعار نے جوڑا کمان مین تیر — تیر افگنی مین شہرۂ آفاق تھا شریر
سرکش خدنگ مرگ سے کیونکر ہو گوشہ گیر — چلّہ کٹا کمان کا زہے تیغ بے نظیر

قربان زور ضرب نصرت نشان کے
کھلکر قفا پہ بندھ گئے بازو کمان کے

خادم نے تیر جوڑ کے دی دوسری کمان — نیزہ اُٹھا کے شیر نے آواز دی کہ ہان
سپر ادھر اٹھی تھی کہ چمکی اُدھر سنان — بھالے کی نوک جھوک نئی تھی نئی تکان

سہما یہ دل کہ بن گئی موذی کی جان پر

ناوک زمین پہ تھا تو کمان آسمان پر

ایک اور موقع ؎

پہیم ہوئین تکان پہ نکانین جو یکد گر + کس نوک جھوک سے وہین نیزے کو پھیر کر
ظالم کبھی ادھر تھا تو حضرت کبھی اُدھر + فرزند شیر حق نے دکھایا عجب ھنر

ظالم پہ آسمان سے بلا ناگہان گری
دو تین نیزہ اُڑ کے زمین پر سنان گری

چلہ مین رکھہ کے تیر تر ہے قبلۂ اُمم + کچھہ کہہ کے گوش شہ مین چلا تیر تیز دم
اک ہات راست کر کے گیا دوسرا کو خم + آواز دی کمان نے زہے شاہ باکرم

چلہ تو شست شاہ زمن سے نکل گیا +
وان تیر دل کو توڑ کے سن سے نکل گیا

گھوڑا — **فردوسی** کے ہان گھوڑے کی تعریف مین جستہ جستہ دو چار شعر پائے جاتے ہین، لیکن متاخرین نے اس مضمون کو بہت وسعت دی، اور مبالغہ کو حد سے بڑھا دیا، سب سے پہلے **عبد الواسع جبلی** نے ایک قصیدہ کی تشبیب، گھوڑے کی مدح سے کی ؎

اے بہ بالا ہمچو آتش وے بہ پستی چو آب + گر کنی پویہ نباشد ابر با تو ہم عنان
خاک وصفی در درنگ و باد رنگے در شتاب + گر بری حملہ، نباشد برق با تو ہم رکاب

مبالغہ ملاحظہ ہو ؎

از جبل پنہان شوی در سایۂ پرّ پشہ + وز ہنر جولان کنی، در گوشۂ چشم ذباب

"ایک شعر کے بعد لکھتے ہین کہ جب تو بلندی سے پستی کی طرف آتا ہے، یا پستی سے بلندی پر چڑھتا ہے تو ؎

نسبتی داری ہمانا با قضاے آسمان	قرب تے داری ہمانا با دعاے مستجاب

عرفی نے بھی ایک قصیدہ گھوڑے کی مدح مین لکھا ہے

اے طعن فلک نوشتہ بر سُم	وے زلف صبا بریدہ از دُم
بر غنچہ سبک روی بد انسان	کش خندہ نزاید از تبسّم
تازی بہ لب فسانہ پرداز	زان گو نہ کہ نشکنی تکلّم

ایک اور قصیدہ مین لکھتا ہے

آن سبک سیر کہ گر گرم عنانش سازی	از ازل سوے ابد و ز ابد آید بہ ازل
قطرہ ہا کش دم رفتن چکد از پیشانی	شبنم آسائش نشیند گہ رجعت بہ کفل
گر سر خصم تو بندند بہ پایش دم نزع	تا قیامت بہ گلویش نرسد دست اجل

زلالی لکھتا ہے

ز جستن جستن او سایہ در دشت	چو زاغ آشیان گم کردہ می گشت

یعنی گھوڑا اسطرح جنگل مین اُڑتا پھرتا تھا کہ خود اس کا سایہ اس کو یون ڈھونڈھتا پھرتا تھا جس طرح کوا اپنے گھونسلے کو ڈھونڈھتا پھرے -

اُردو مین مرزا سودا نے کہا ہے

روبرو سے اگر آئینہ کے اس گلگون کو	پھینکدے لیکے کبھی شرق سے تو غرب تلک
اتنے عرصہ مین پھر آے تو اسے یاد کرے	عکس بھی آئینہ سے ہونے نہ پاے منفک

مرزا دبیر صاحب فرماتے ہین ع سرعت کا یہ عالم ہے کہ سن بڑھ نہین سکتا *

ان تمام اشعار کے نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ فارسی اور اُردو مین، جو کچھ گھوڑے کی مدح مین لکھا گیا، وہ صرف ناممکنات کے افسانے تھے، کسی نے یہ نہین کیا کہ گھوڑے کا اصلی خد و خال، ڈیل ڈول

چہرہ مہرہ، چل پھر، اُڑ جاؤ، کا نقشہ دکھاتا،

میر انیس صاحب بھی اگرچہ مذاق عام کی پیروی سے اکثر بہکے ہین چنانچہ فرماتے ہین

ع آنکھون مین یون پھرے کہ مژہ کو خبر نہ ہو ؎

تنگی سے آسمان کی خفا یہ سمند ہے | کیونکر اُڑے، پری ہے کہ شیشہ مین بند ہے

تاہم ان کا اصلی جوہر بھی ہر جگہ نمایان ہے، ملاحظہ ہو، ؎

باریک جلد وہ کہ نظر آئے تن کا خون | گنڈے کو دیکھ کر مہ نو ہو وے سرنگون
رفتار مین وہ سحر کہ پریون کو ہو جنون | غنچے بھی کچھ بڑے ہین کنوتی کو کیا کہون

قربان ہزار جان فرس بے نظیر پر
پیکان دو چڑھے ہوئے ہین ایک تیر پر

نازک مزاج، وخوش قد، وطناز و سربلند | وہ پیش و پس، وہ سم وہ کنوتی، وہ جوڑ بند
کوتاہ، و گرد، و صاف، کنوتی، کمر، کفل | وله | کیا خوشنما کشادگی سینہ و بغل
وہ تھوتنی، وہ ابلی ہوئی انکھڑیان، وہ ٹویاں | وله | گویا کھُلے تھے حور کے گیسو، پری کے بال
وہ جلد، وہ دماغ، وہ سینہ، وہ سم، وہ چال | وله | دم مین کبھی ہما، کبھی ضیغم، کبھی غزال

وہ قصر آسمان پہ بھی جانے مین طاق تھا
دو پر خدا اگر اسے دیتا براق تھا

وہ جست و خیز و سرعت و چالاکی سمند | سانچے مین تھے ڈھلے ہوئے سب اسکے جوڑ بند
سم قرص ماہتاب سے روشن ہزار چند | نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند

تیلی جدھر سوار نے پھیری وہ مُڑ گیا
اُترا براق بنکے پری ہو کے اُڑ گیا

جرأت مین رشک شیر، تو ہیکل مین پیل تن
بجلی کسی جگہ تو کہین ابر قطرہ زن
پوئی کے وقت کبک دری، جست مین ہرن
بن بن کے آنے جانے مین طاؤس کا چلن

سیماب تھا زمین پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

افزون ہے زلف حور سے خوشبو ایال کی
پریان خرام ناز مین شاگرد چال کی +
دیکھین تو لین بلائین سدا بال بال کی
غصہ مین جست شیر کی، شوخی غزال کی

وہ حُسن تن پہ ساز کا - جوبن یراق کا
دُلدُل کے ہات پانون تو چہرہ براق کا

غصے مین انکھڑیون کے اُبلنے کو دیکھیے
سانچے مین جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھیے
جوبن مین جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھیے
تھم کر کنوتیون کے بدلنے کو دیکھیے

وہ تھوتنی کہ غنچۂ سوسن سے تنگ تر
وہ انکھڑیان خجل ہون ہرن جسکو دیکھ کر

ع وہ شوخیان فرس کی، وہ سرعت، وہ آؤ جاؤ،

گھوڑے کے غیظ کی تصویر

مانند شیر غیظ مین آیا وہ پیل تن
ماری زمین پہ ٹاپ کہ لرزا تمام رن
آنکھین اُبل پڑین صفت آہوے ختن
غل پڑ گیا کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھا ہے رن

میخین زمین کی اسکی تکاپو سے ہل گئین
دونون کنوتیان بھی کھڑی ہو کے مل گئین

گھوڑے کی تیز روی اور چل پھر

سمٹا جما اُڑا، اِدھر آیا اُدھر گیا — چمکا بھرا، جمال دکھایا ٹھہر گیا
تیرون سے اُڑ کے برچھیون مین بے خطر گیا — برہم کیا صفون کو، پرے سے گذر گیا
گھوڑون کا تن بھی ٹاپ سے اس کے فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا

پھرتا تھا کیا، صفون مین فرس جھوم جھوم کے — سرعت بلائین لیتی تھی مُنہ چوم چوم کے
پامال تھے پرے سپہ شام و روم کے — غُل تھا یہ غول مین پسرِ سعدِ شوم کے
رخش ایسا روم و رے مین نہین، شام مین نہین
یہ شوخیان تو ابلقِ ایام مین نہین

آہو کی جست، شیر کی آمد، پری کی چال — کبک دری خجل، دلِ طاؤس پایمال
سبزہ سُبک روی مین قدم کے تلے نہال — اک دو قدم مین بھول گئے چوکڑی غزال
جو آگیا قدم کے تلے گرد برد تھا
یہ جہل پل غضب کی تھی کہ چھلاوہ بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا، کبھی رہوار بن گیا — آیا عرق تو ابرِ گہربار بن گیا
گہ قطب، گاہ گنبدِ دوار بن گیا — نقطہ کبھی بنا، کبھی پرکار بن گیا
حیران تھے اسکے گشت پہ لوگ، اُس ہجوم کے
تھوڑی سی جا مین پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

تلوار مرثیہ گویون کا سب سے بڑا موضوع شاعری یہی ہے، اور مرزا دبیر صاحب تو اس عالم مین لامکان تک پُہنچ جاتے ہین، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ سب کچھ کہتے ہین اور غور سے دیکھیے تو (تلوار کے متعلق

کچھہ نہین کہتے، چنانچہ فرماتے ہین۔

مرزا دبیر؎

مدِ نگہ چشم نیام اوج پر آیا +		اور صاف ہراک فرد بشر کو نظر آیا
خط کھینچنے کو کلک دوات ظفر آیا	ولہ	یا دوڑ کے ظلمت کے گلے سے خضر آیا
ظلمات مین یہ فتح پہ قبضہ کئے پھری	ولہ	یونس کو جیسے بطن مین ماہی لئے پھری
بسمل ہوا سرون مین سمائی چلی گئی	ولہ	بو کی طرح دماغون مین آئی چلی گئی
ذات اک طرف مٹا دیا اسنے صفات کو	ولہ	کیسی زبان، زبان مین یہ کاٹ آئی بات کو
کاف تنگاف بن کے درون جگر گئی	ولہ	مانند میم مرگ، میان کمر گئی
لفظ شکم مین دینے کو زیر و زبر گئی	ولہ	مانند پیش ہر جزو کل سے گذر گئی
تلوارون پر وہ سیف جو شعلہ فشان ہوئی	ولہ	جل بھن کے آب تیغون کی زمین دہلون ہوئی
گیا جو فوق سے تحت الثریٰ کو آب حسام فلک نے تختۂ یونان رکھا زمین کا نام	ولہ	بنا خزانۂ قارون خرابہ حمام ہوا رطوبت اطراف سے زمین کو زکام

دماغ خاک پہ نزلہ بصد وفور گرا +
کیا جو عطسہ تو قارون نکل کے دور گرا +

خود انصاف کرو، یہ تلوار کی تعریف ہے یا ہوائی طلسم ہے۔

میر انیس صاحب بھی اگرچہ سامعین کی بدمذاقی کے اثر سے کہین کہین بے راہ نکل جاتے ہین، تاہم واقعیت اور اصلیت کا جوہر ہر جگہ نمایان رہتا ہے، سب سے پہلے، دیکھو تلوار کا سراپا کس طرح کھینچتے ہین؎

پشت وہ اس کا اور وہ باریکی خمیر		کس بل مین بے مثال، اصالت مین بے نظیر
دلسوز شعلہ خو، شررانداز و جانگداز	ولہ	لشکر کش و شکست رسان و ظفر نواز

خونخوار و کج ادا و دل آزار و سرفراز | حاضر جواب، تیز طبیعت زبان دراز

تیغ اس کی ہے پسند جہان گو سبھی نہ ہو
معشوق پھر نہین کہ جو اتنی کجی نہ ہو

ذوالفقار سے تشبیہ، ۵

جوہر وہی، برش کا وہی طور، خم وہی | تیزی وہی غضب کی، وہی گھاٹ، دم وہی
چلنا اسی طرح کا، چمک دمبدم وہی | رنگت زمردی وہی، پانی مین سم وہی +

تلوار کا کاٹ اور اسکی تعریف

چمکی، گری، اُٹھی، ادھر آئی اُدھر گئی | خالی کیے پرے، تو صفین خون مین بھر گئی
کاٹے کبھی قدم، کبھی بالا سے سر گئی | ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اُتر گئی

غل تھا یہ کیا ہے یہ جو قہرِ صمد نہین
ایسا تو رودِ نیل مین بھی جزر و مد نہین

بجلی گری کہ فوج پہ تیغ دوسر گری | کٹ کر کسیکی تیغ، کسیکی سپر گری
چمکی کبھی فلک پہ، کبھی فرق پر گری | سر کاٹ کر، ادھر سے جو اُٹھی اُدھر گری

زرہین تنون مین مثلِ کفن چاک ہوگئین +
اک آن مین صفین کی صفین خاک ہوگئین

اک شور تھا کہ تیغ ہے یہ یا خدا کا قہر | بہتی ہے جسکی آگ سے کوسون لہو کی نہر
ناگن ہے یہ کہ کاٹے کی جسکی نہین ہے لہر | اُتری گلے سے، چڑھ گیا سارے بدن مین زہر

زخمون سے جسم، ڈر سے کلیجے فگار ہین +
جوہر نہین ہین تیغ مین، دندانِ مار ہین

یکتا برش مین جوہر ذاتی مین قد مین
چمکی احد مین خیبر و خندق مین بدر مین
تیزی وہی تھی سان کی اس آشوب غدر مین
بڑھ کر سپر سے سر مین گئی سر سے صدر مین
کھچتی ہوئی سپر سے نیا رنگ ڈھنگ تھا
راکب تھا نہ فرس تھا نہ زین تھا نہ تنگ تھا

غل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی، یہ گری
برچھی سے اڑ گئی وہ سنان، یہ گرہ گری
ترکش کٹا کمان کیانی سے زہ گری +
یہ سر اڑا، وہ خود اڑا، یہ زرہ گری
آتی ہے لشکرون پہ تباہی اسطرح
گرتی ہے برق قہر الٰہی اسی طرح +

سر لوٹتے تھے برچھیون والون کے ہر طرف
ٹکڑے پڑے تھے دشت مین بھالون کے ہر طرف
پامال تھے سوار رسالون کے ہر طرف
پرکالے اڑتے پھرتے تھے ڈھالون کے ہر طرف
خاطر نشان نہ تھی کسی آفت نشان کی +
انبار تھین کٹی ہوئین شاخین کمان کی

کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے
تنتی تھی بس تنون سے زمین پاٹ پاٹ کے
پانی وہ خود پیے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے
دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
کیا جانیے ملا تھا مزا کیا زبان کو +
کھا جاتی تھی ہما کی طرح استخوان کو

ہر ہات مین اڑا کے کلائی نکل گئی +
کوندی، گری - زمین مین سمائی نکل گئی
کاٹی زرہ دکھا کے صفائی نکل گئی
مچھلی تھی اک کہ دام مین آئی نکل گئی
چار آینہ کے پار تھی اس آب و تاب سے

جس طرح برق گر کے نکل جاے آب سے

کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر
پہنچوں سے ہات، شانوں سے بازو، تنوں سے سر
قبضہ سے تیغ، بر سے زرہ، ہات سے سپر
برچھی سے پھل، کمان سے زہ - زین سے تبر
ترکش کہین پڑے تھے نشان زری کہین
پیکان کہین تھی، شست کہین تھی، سری کہین

جب صف پہ وار کرتے تھے سلطان بحر و بر
چھپتی تھین بھاگی جاتی تھین، گرتے تھے خاک پر
اڑتی تھی کٹ کے صورت کاغذ ہر اک سپر
قبضوں سے تیغین جسم سے روحین تنوں سے سر
پے تھے قدم، گریز کے کوچے بھی بند تھے
شعلہ وہ تیغ تھی، سر اعدا سپند تھے

چھپتے تھے یون وہ دیکھ کے اس تیغ کی چمک
بھاگے شعاع مہر سے جسطرح شپرک
اوج سما سے زلزلہ برپا تھا تا سمک
چمکی وہ جب تو کانپ گئے چرخ پر ملک
ہر شے تھی خوف جان سے خضوع و خشوع مین
سجدے مین تھی زمین تو فلک تھا رکوع مین

جوشن کو کاٹ جاتی تھی یون آکے اوج سے
پیراک جسطرح نکل آتا ہے موج سے
چمکی جو برق سی تو نکل آئی تنگ سے
رکتی تھی نہ سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے
خالق نے منہ دیا تھا عجب آب و تاب کا
خود اسکے سامنے تھا پھپولا حباب کا

چم خم وہ تیغ کا وہ لگاوٹ وہ آب و تاب
آتش کسی جگہ کہین بجلی کہین سحاب
سیلی تھی اک پری کے شکم پر کہ اسکی تاب
تیزی زبان مین وہ کہ فرشتوں کو دے جواب

جوہر سے اُس کا جسم جو اہمہ نگار تھا
گویا گلے مین حور کے ہیرے کا ہار تھا

پیاسی بھی خون فوج کی اور آبدار بھی
بجلی بھی ابر تر بھی خزان بھی بہار بھی

غل تھا کہ ایک گھاٹ مین پانی پئے رہی
تلوار بھی چھری بھی سپر بھی کٹار بھی

پانی نے اُسکے آگ لگادی زمانے مین
اک آفت جہان تھی لگانے بجھانے مین

نیزون کے بند بند قلم برچھیان دونیم
چار آئنہ کٹے ہوئے گرز گران دونیم

مثل قلم زبان دراز سنانِ دونیم
مغفر سے تا کمر جسدِ پہلوان دونیم

سالم تھا پیشِ آئنۂ تیغ جو نہ تھا +
لشکر مین کونسا تھا وہ یکتا جو دو نہ تھا

وہ تیغ جب بڑھی صف کفار ہٹ گئی
دم بھر مین یون صفون کو اُلٹ کر پلٹ گئی +

چمکی جو برق ڈھالون کی بدلی سمٹ گئی
رن کی زمین لہو کے ڈریرون سے کٹ گئی

دریا بھی آبِ تیغ سے بے آبرو ہوا
غل تھا کہ نہر فرات کا پانی لہو ہوا

اس موقع پر شاید تمھارے ذہن مین یہ خیال آئے کہ میر انیس کی رزمیہ مین گو الفاظ کی شکوہ و شان کی کچھ انتہا نہین لیکن اصلیت اور واقعیت سے یہ مراحل دور ہے، کربلا کا واقعہ نتائج کے لحاظ سے بے شبہہ ایک اہم واقعہ ہے لیکن معرکہ آرائی کے لحاظ سے اسکی صرف یہ حیثیت ہے کہ ایک طرف سو سوا سو آدمی تشنہ لب اور بے سر و سامان تھے دوسری طرف تین چار ہزار کا مجمع تھا جو دفعۃً ٹوٹ پڑا، اور تین گھنٹے مین لڑائی کا فیصلہ ہو گیا، ایسے واقعہ کے متعلق یہ کہنا کہ زمین تھرا گئی، آسمان کانپنے لگے پہاڑ جگہ سے ہٹ گئے،

دریا اُبل پڑے، فرشتے آسمانون مین چھپتے پھرتے تھے وغیرہ وغیرہ، واقعیت سے کسقدر دور ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاعری مین اصلیت اور واقعیت کا لحاظ تاریخی حیثیت سے نہین کیا جاتا، بلکہ صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ شاعر کو ان واقعات کا یقین ہے یا نہین؟ اگر وہ ان باتون پر یقین رکھتا ہے، اُن کے اثر سے لبریز ہے، اور جس قدر اسکے دل پر اثر ہے اسی جوش کے ساتھ اُن کا اظہار بھی کرتا ہے تو اس کی شاعری بالکل اصلی ہے، فرض کرو کہ **شاہنامہ** کے تمام واقعات غلط ثابت ہوجائین تو اس سے **فردوسی** کی کمال شاعری مین کیا فرق آئے گا۔

شاعر کو قطعی یقین ہے کہ امام حسین علیہ السلام، تمام عالم کے کاروبار کے مالک ہین، جن و انس، شجر حجر، سب ان کے محکوم ہین، اُن کا غیظ مین آنا، گویا عالم کا غیظ مین آنا ہے، اس صورت مین اگر ان کی حملہ آوری سے زمین و آسمان دہل جائین، اور دنیا متزلزل ہوجائے تو استعجاب کی کیا بات ہے، یہ ضرور ہے کہ اس حالت مین بھی وہی واقعات بیان کرنے چاہئین جن سے طبیعت پر واقعی اثر ہو، صرف موہوم خیال بندی اور لفاظی نہ ہو، جیسا **مرزا دبیر صاحب** کا انداز ہے۔

یہ بات بھی بظاہر کھٹکتی ہے کہ رزم کے بیان مین عشقیہ الفاظ، استعمال کرنا، بلاغت کے خلاف ہے، اور **میر انیس** اکثر تلوار کی تعریف مین اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہین، مثلاً ؎

کس تکلف سے وہ لیلائے ظفر، راہ چلی،	گہ بڑھی، گاہ رُکی، گاہ تھمی، گاہ چلی،
کاٹھی سے اسطرح ہوئی وہ شعلہ رو جدا	جیسے کنار شوق سے ہو خوبرو جدا،
سچ اس کی ہے پسند جہان گو سبھی نہو	معشوق پھر نہین کہ جو اتنی کجی نہ ہو،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض کی بات نہین، بلکہ میر انیس کے محاسن شاعری مین داخل ہے، علامہ **ثعلبی** نے یتیمۃ الدھر مین جہان **متنبی** کے محاسن گنائے ہین وہان لکھتے ہین، ؎

منها استعمال الفاظ الغزل والنسيب في اوصاف الحرب وهو ايضاً مما لم يسبق اليه وتفرد به واظهر فيه الحذق	متنبی کے محاسن مین سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لڑائی کے بیان مین غزل کے الفاظ استعمال کرتا ہے اور یہ بھی اُس کی اُن خصوصیات مین ہے جن کی پہلی کوئی نظیر نہین ملتی، اور جنمین وہ متفرد ہے،

اس کے بعد متنبی کے بہت سے اشعار نقل کئے ہین جن مین سے ایک یہ ہے، ؎

قد صبغت خدها الدماء كما يصبغ خد الخريدة الخجل	زمین کے چہرہ کو خون نے اسطرح رنگین کر دیا ہے جسطرح شرم کی حالت مین، معشوق کے چہرہ پر سرخی آجاتی ہے،

لیکن یہ بہت نازک موقع ہو رزم مین عشقیہ الفاظ اور تشبیہات کا استعمال وہین تک جایز ہے جہان تک کلام کا اثر نہ جانے پائے، اور کلام مین ابتذال نہ آجائے، مرزا دبیر صاحب نے بھی میر انیس کی تقلید کرنی چاہی لیکن کلام کا یہ رنگ ہو گیا ؎

تلوار کی تعریف	جب خون مین بھری، فوج کے انبوہ سے نکلی		غل یہ تھا کہ وہ لال پری، کوہ سے نکلی،	

سلام

اُردو شاعری کی اصلی بنیاد غزل کی زمین پر قایم ہوئی، اور اقسام سخن مین سے اسی کو سب سے زیادہ فروغ ہوا، عام مرثیہ گویون نے اپنے مضمون کی نوعیت کے لحاظ سے مسدس کا طریقہ اختیار کیا، لیکن غزل کی لے اسقدر کانون مین رچ چکی تھی کہ ان لوگون کو بھی اُس انداز مین کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا تھا، اس بنا پر انھون نے غزل کی طرز پر سلام ایجاد کیا، سلام کی بحرین وہی غزل کی ہوتی ہین، غزل کی طرح مضمون کے لحاظ سے ہر شعر الگ الگ ہوتا ہے، سلام کی خوبی یہ ہے کہ طرز شگفتہ اور نئی بندش سادہ اور صاف، مضمون درد انگیز اور پُر تاثیر ہو، میر انیس کے سلامون مین یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، نمونہ ملاحظہ ہو ؎

صبر کرتے تھے سلامی! شہ والا کیا کیا — اہل کین دیتے تھے مظلوم کو ایذا کیا کیا

شاہ فرماتے تھے پانی نہین ملتا لیکن — سامنے آنکھوں کے لہراتا ہے دریا کیا کیا

سر شبیرؑ سے کہتے تھے یہ رو رو سجادؑ — رنج دیتے ہین مجھے راہ مین اعدا کیا کیا

ق

طوق و زنجیر سنبھالوں کہ مہار اونٹوں کی — کام اتنے ہین کرون مین تن تنہا کیا کیا

رو رو کہتی تھی یہ صغرؑا کہ کہے جا قاصد — تونے کیا کیا کہا اور شاہ نے پوچھا کیا کیا

دیکھ کر فوج حسینی کو عدو کہتے تھے — ساتھ لائے ہین جوان سیدوالا کیا کیا

خط لئے لاشۂ اکبرؑ پہ یہ کہتے تھے امام — دیکھو بیٹا! تمھین صغرؑا نے ہے لکھا کیا کیا

ایضاً

کچھ اور جز زبان نہین اہل سخن کے پاس — مجرائی کیا زبان کے سوا ہی؟ دہن کے پاس

سمجھے یہ سب کہ عونؑ و محمدؑ ہوئے شہید — روتے ہوئے حسینؑ جو آئے بہن کے پاس

چلائی بانوؑ دیکھ کے اصغرؑ کو قبر مین — مجھکو بھی گاڑ دے کوئی اس گلبدن کے پاس

صدمہ سے کانپنے لگے عابدؑ کے ہاتھ پاؤن — جس وقت بیڑیان نظر آئین رسن کے پاس

ایضاً

سلامی! آنکھ سے رہ رہ کے خون دل ٹپکتا ہے — غم سجادؑ بیکس دل مین کانٹا سا کھٹکتا ہے

دم تحریر گلریزی ہے یا سطرین ہین کاغذ پر — صریر کلک ہے یا باغ مین بلبل چہکتا ہے

پھرے تھے کربلا کی راہ سے کچھ سوچ کر حضرت — وگرنہ رہبر عالم کہین رستہ بہکتا ہے

حرم روئے کہا جب آسمان کو دیکھ کر شہؑ نے — علی اکبرؑ اذان دو صبح کا تارا چمکتا ہے

زمین کربلا پر فاطمہؑ کے پھول بکھرے ہین — شہیدون کی یہ خوشبو ہے کہ سب جنگل مہکتا ہے

تن رنجور پر ہات اپنا زینبؑ رکھ نہین سکتی — تب غم سے بدن سجادؑ کا ایسا دہکتا ہے

کہا بانوؑ نے شہ سے تیر چلتے ہین کلیجہ پر
یہ ننھے ننھے دونون ہاتھ بل کھاتے ہین سینہ پر
ق
مرا مُنہ جب یہ بچہ نرگسی آنکھون سے تکتا ہے
مسوڑے سے ہو گئے ہین نیلگون تالو لپکتا ہے

ایضاً

مجرئی اجب کہ عیان ماہ عزا ہوتا ہے
چرخ پر ماتم شاہ شہدا ہوتا ہے
پھیر دین آنکھین جو اصغر نے پکاری بانو
دوڑو واسے بی بیو! دیکھو تو یہ کیا ہوتا ہے
دیر بیٹیون کو لگی رن مین تو زینب نے کہا
لاشین آتی ہین اگر فضل خدا ہوتا ہے
کہتی تھی خلق خدا دیکھ کے عابد کو اسیر
کہین بیمار بھی رسی سے بندھا ہوتا ہے

ایضاً

سدا ہے فکر ترقی بلند بینون کو
ہم آسمان سے لائے ہین ان زمینون کو
یہ جُھریان نہین ہاتون پہ ضعف پیری نے
چُنا ہے جامۂ اصلی کی آستینون کو
لگا رہا ہون مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینون کو
بھلا تردد بیجا سے اس مین کیا حاصل
اُٹھا چکے ہین زمیندار جن زمینون کو
خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینون کو

رباعیات

صوفیانہ اور اخلاقی مضامین کے اظہار کے لئے سب سے زیادہ موزون چیز رباعی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن شعرا مثلاً خیام، سحابی، سلطان ابو سعید ابو الخیر نے ان مضامین کو اپنا موضوع شاعری قرار دیا تھا، اُنھون نے رباعی کے سوا، تمام عمر مین اور کچھ نہ لکھا،

اُردو شاعری مین چونکہ یہ مضامین بہت کم ادا کئے گئے، اس لئے رباعیان بہت کم پائی جاتی ہین،

سودا نے البتہ نہایت کثرت سے رباعیان لکھین، لیکن اکثر عشقیہ، یا خیال آفرینی کی غرض سے لکھی ہین۔ میر انیس کی رباعیون کا ایک بڑا دفتر ہے اور ہر رباعی مین کوئی نہ کوئی اخلاقی مضمون ادا کیا گیا ہے بعض ایسی بھی ہین جن مین صرف مضمون بندی، یا کوئی صنعت ہے، چنانچہ ہر قسم کے نمونے ذیل مین درج ہین۔

اب خواب سے چونک، وقت بیداری ہے مرمر کے پہنچتے ہین، مسافر وان تک	رباعی	بے زادِ سفر، کوچ کی طیاری ہے یہ قبر کی منزل بھی عجب بھاری ہے
ہموار ہے، گر تو تجکو کچھ باک نہین پاتا نہین تند خو، کدورت کے سوا	ایضاً	سرکش ہے اگر، تو عقل وادراک نہین دامن مین، ہوا کے کچھ بجز خاک نہین
راہی طرفِ عالمِ بالا ہون مین یارب ترا نام پاک جپنے کے لئے	ایضاً	دنیا سے عدم کو جانے والا ہون مین گویا اک ھڈیون کی مالا ہون مین
مرمر کے مسافر نے، بسایا ہے تجھے کیونکر نہ لپٹ کے، تجھ سے سوؤن اے قبر	ایضاً	رخ سب سے پھرا کے، منہ دکھایا ہے تجھے مین نے بھی تو جان دیکے پایا ہے تجھے
کٹ جاتے ہین، خود رنگ بدلنے والے اللہ رے سخن کی تیری تاثیر انیس	ایضاً	کب تھمتے ہین اشک جو ہین ڈھلنے والے رو دیتے ہین مثل شمع، جلنے والے
ہشیار کہ وقت سازِ برگ آیا ہے محتاج عصا ہوے تو پیری نے کہا	ایضاً	ہنگام یخ و برف و تگرگ آیا ہے چلیے اب چوبدارِ مرگ آیا ہے
نافہم سے کب دادِ سخن لیتا ہون چھپتی نہین، بوے دوستان یکرنگ	ایضاً	دشمن ہو کہ دوست، سب کی سن لیتا ہون کانٹون کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہون

رتبہ جسے دنیا ہے خدا دیتا ہے کرتے ہین تہی مغز ثنا آپ اپنی	رباعی	وہ دل مین فروتنی کو جا دیتا ہے جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے
کیا قدر زمین کی آسمان کے آگے نرمی سے مطیع سنگدل ہوتے ہین	دیگر	جھکتے ہین قوی بھی ناتوان کے آگے دندان صف بستہ ہین زبان کے آگے
جس شخص کو عقبےٰ کی طلبگاری ہے ایک آنکھ مین کسطرح سمائین دونون	دیگر	دنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے غافل! یہ خواب ہے، وہ بیداری ہے
کس دن فرسِ خامہ تگ و دو مین نہین ہرچند کہ ہون خسرو اقلیمِ سخن	دیگر	مجھ سا بھی سیہ بخت کوئی سو مین نہین پر غیر دوات، کچھ قلمرو مین نہین
جس جا ذکر حسینؑ ہو جاتا ہے آکر بزم عزاے شہ مین رونا	دیگر	رونے سے دلون کو چین ہو جاتا ہے ہر شخص پہ فرض عین ہو جاتا ہے
جو روضہ مین باریاب ہو جاتا ہے جلتا ہے جو شب کو قبرِ حیدرؑ پہ چراغ	دیگر	ہر کام مین، کامیاب ہو جاتا ہے وہ صبح کو آفتاب ہو جاتا ہے

اعتراضات

میر انیس کے کمال کا اگرچہ جس قدر مجھکو اعتراف ہے شاید ہی کسی اور کو ہوگا، تاہم میرا یہ دعویٰ نہین کہ انکا کلام فروگذاشتون اور غلطیون سے پاک ہے۔

ہمارے زمانہ مین جو سوانح عمریان لکھی گئی ہین، ان مین باوجود دعویِ آزادی کے تنقید اور جرح سے بالکل کام نہین لیا گیا، اور اس کا عذر یہ کیا جاتا ہے کہ ابھی قوم کی یہ حالت نہین کہ تصویر کے دونون رخ اسکو دکھائے جائین، لیکن عذر کرنے والے خود اپنی نسبت غلطی کر رہے ہین، جس چیز

نے ان کو اظہار حق سے روکا ہے وہ ایشیائی شخص پرستی ہے جس کا اثر رگ و پے مین سرایت کر گیا ہے۔ اور عذر کرنے والون کو خود اس کا احساس نہین ہوتا اس غلامانہ شخص پرستی سے ایک بڑا ضرر یہ ہے کہ جو لوگ، ان اکابر کی تقلید کرتے ہین ان مین ہزارون ایسے ہوتے ہین جن کو خود نیک و بد کی تمیز نہین ہوتی اس لئے وہ اچھی باتون کے ساتھ، اکابر کی غلطیون کی بھی تقلید کرنے لگتے ہین، اور سلسلہ در سلسلہ تمام قوم مین اسکا اثر پھیل جاتا ہے۔

بہرحال ہماری راے ہے کہ جس وسعت اور تفصیل کے ساتھ میر انیس کی خوبیان ظاہر کی گئی ہین، اسی طرح نہایت آزادی اور بے باکی کے ساتھ ان کی ہر قسم کی فروگذاشتین اور غلطیان بھی ظاہر کی جائین۔

ایک زمانہ ہوا عبد الغفور خان نساخ نے میر انیس کی بہت سی غلطیان ایک رسالہ مین ظاہر کی تھین، چنانچہ شروع کتاب مین اسکا ذکر گذر چکا ہے۔ پہلے ہم ان اعتراضات کو اجمالاً مع جواب کے نقل کرتے ہین۔

۱۔ میر صاحب نے جابجا۔ سینہ۔ مدینہ۔ کینہ۔ قرینہ۔ کو دانا اور بینا کا قافیہ باندھا ہے مثلاً ؎

حق نما ہے تو جہان مین ہے یہی آینہ		اسکا عاشق ہو تو ہون کور کی آنکھین بینا

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ قدما کا طریقہ تھا اور میر انیس کا ابتدائی کلام، قدما کے استعمال کے موافق ہے۔ اس جواب پر اسقدر اور اضافہ کرنا چاہیئے کہ گو متاخرین نے اسکو ترک کر دیا لیکن کلام کی وسعت کے لئے یہ سختیان اُٹھا دینی چاہئین، شاعری سے وصل اور ہجر کے سوا، اور بھی کام لینے ہین اور وہ بغیر اس کے نہین ہو سکتا کہ قافیہ مین وسعت پیدا کی جائے، ورنہ شاید یورپ کی طرح اسر سے قافیہ سے دست بردار ہونا پڑے گا۔

۲۔ جن الفاظ مین نون کا اعلان ضرور ہے میر صاحب اکثر جگہ، اعلان نہین کرتے۔ مثلاً ؎

عباس سے یہ کہنے لگے شاہ دو جہان		تم جا کے اس عرب کو بلا لاؤ بھائی جان

اس اعتراض کا بھی یہی جواب ہے

۳- جہان نون کا اعلان جایز نہین، وہان اعلان کرتے ہین، مثلاً ؎

لپٹون گلے سے مین پدر ناتوان کے		سینے سے تو سرک تو مرے بابا جان کے

اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ شعر میر صاحب کا ہے ہی نہین، الحاقی ہے- لیکن میر صاحب کے ہان کثرت سے اس کی مثالین پائی جاتی ہین، اس لئے یا تو میر صاحب کی غلطی تسلیم کرنی چاہیے یا یہ کہنا چاہیے کہ یہ بھی میر صاحب کی توسیعات شعری مین داخل ہے ؎

۴	گویا کہ تھا شبیہ الم سبز نشان		ڈوبا تھا خون سے پنجۂ پُر نور او نشان

اس شعر مین سبز کا قافیہ اور سے اور یہ بالکل غلط ہے- اسکا جواب یہ دیا ہے کہ مصرع ثانی اصل مین یون ہے- "ڈوبا تھا خون مین پنجۂ پر نور زر نشان"-

۵- اکثر جگہ شایگان قافیے ہین، چنانچہ ناسخ نے بہت سے اس قسم کے شعر نقل کئے ہین، مجیب نے ان تمام شعرون سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ یون نہین بلکہ یون ہین، مثلاً اس بند مین ؎

ناگاہ بڑھی فوج، ہوا جنگ کا سامان شہزادے پہ جب پڑنے لگا تیرون کا باران		اور گھٹنے لگی طاقت جسم شہ مردان تلوار علم کر کے کہا یا شہ مردان

شہ مردان مکرر آیا ہے، مجیب صاحب کہتے ہین کہ دوسرے مصرع مین شہ مردان کے بجاے شہ ذی شان تھا- غلط نویسون نے ذی شان کا شہ مردان بنا دیا، لیکن اس قسم کی تاویلات پر اعتبار کرنا مشکل ہے، اور اگر اسکو وسعت دی جاے تو جس لفظ پر اعتراض ہو نہایت آسانی سے دعوی کیا جا سکتا ہے کہ یون نہین، یون تھا- اس شعر مین تو سرے سے اعتراض ہی غلط ہے کیونکہ شہ مردان سے ایک جگہ امام حسینؑ، اور دوسری جگہ حضرت علیؑ مراد ہین- اس لئے قافیہ مکرر نہین ہین

جہان واقعی قافیہ شایگان ہے وہان بھی تاویل کی ضرورت نہین، جو اساتذہ کثیر الکلام ہین اور جنکو سیکڑون قسم کے مضامین ادا کرنے پڑتے ہین، وہ اس قسم کی قیدون کی پابندی نہین کرتے۔

۶۔ اکثر جگہ حروف تقطیع مین گرجاتے ہین۔ مثلاً

ع رانڈ ہوتی ہے اک رات کی بیاہی ہوئی دختر

ع یہ کہہ کے بس عورات نے عریان کئے سر

ع باہین جو گلے مین تھین تو بند دیدۂ خونبار

ان اعتراضات کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ سب کاتبون کی غلطی ہے، پہلا مصرع یون ہے

ع بیوہ ہوئی اک رات کی بیاہی ہوئی دختر، اسیطرح اور مصرعون کو بدلا ہے۔

حرفون کا تقطیع مین گرنا، اگرچہ واقعی ناگوار معلوم ہوتا ہے لیکن اساتذہ کے ہان کثرت سے اس کی مثالین پائی جاتی ہین ؎

عزت شیرازی	مرا پند خردمندان بحال خود نے آرد		باین افسانہا مجنون عشق عاقل نمیگردد	
عاقل		تا توانی تختہ بند یک مقام عاقل مباش		
علی	اے رگ جان بہار این ہمہ بیرحمی چیست		خاک از مقدم تو خون شدن عادت دارد	
غنی	تن گل عارض گل بدن گل چہرہ گل رخسار گل			
	بدہ ساقی آن آب یاقوت را		کہ سازم علاج عقل فرتوت را	

ان کے سوا اور بہت سی مثالین ہین، جنکو تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کیا گیا۔

۷۔ ناگاہ بجا فوج عدو مین طبل جنگ۔

ہو مغفرت خلیق کی یا رب ذوالکرام۔

طبل متحرک الاوسط صحیح نہین، اور ذوالکرام مہمل لفظ ہے مجیب صاحب کہتے ہین کہ اصل مین

جوان / کہ سازم جوان عقل فرتوت را

طبل کے بجائے ڈہل، اور ذوالکرام کے بجائے یاخالق الانام ہے۔

۸ - تھا زیر زرہ گاو سر اسطرح کا بکتر،

اعتراض بکتر گاو سر نہین ہوتا -

جواب - اصل مین یون تھا ع پہنے ہوے زیر زرہ اسطرح کا بکتر۔

۹ - اُترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا عالی، "کونین کا عالی" غلط ہے۔

جواب - اصل مین عالی کے بجائے والی ہے -

۱۰ - رنگ رخ کفار عرب ہوگیا فق ہے - رنگ فق سے ہوگیا محاورہ نہین،

اسکا جواب یہ دیا ہے کہ میرانیس جو کچہہ کہہ دین وہی محاورہ ہے -

۱۱ - شرمندہ زمانہ سے گئے وایل وسحبان، - وایل کوئی فصیح نہین گذرا -

جواب - اصل یون ہے - وعیل وسحبان -

ان اعتراضات کے علاوہ، نساخ نے اور بھی بہت سے اعتراض کئے ہین لیکن چونکہ وہ صحیح نہ تھے قلم انداز کئے گئے، نساخ نے بہت سے صحیح اعتراضات چھوڑ بھی دیے، اُن کی تفصیل ذیل مین ہے

بت توڑ کے کعبہ کو صفا کر دیا کس نے،	"صاف کر دیا" چاہیے۔
برخاست کی چراغون کو پروانگی ہوئی،	پروانگی غلط ہے۔
جو حرف قرآن کا ہے وہ ہے لائق تعظیم	قرآن بروزن فُعلان ہے -
ایسا بھی کوئی بیکس و بے آس نہ ہوگا	بے آس کا عطف بیکس پر جایز نہین، -
کرتے تھے طیوران ہوا کھولے ہوئے پر	طیور - خود جمع ہے، اسکی جمع الجمع، نہ صحیح ہے نہ مستعمل
جو خوبیان کہ چاہین وہ سب حصول ہین	حصول کے بجائے حاصل چاہیے -
کمتی نہین بانی کی سلامت رہین عباسؑ	کمتی انفار اور اراذل کی زبان ہے -

قتل اسکے ہات سے عمر عبد ود ہوا		والله اُس سے زور عیان لاتعد ہوا	
		عبد ود، لاتعد کا قافیہ نہین ہو سکتا ۔	

فرار بہ تشدید را چاہیئے ۔	کرار ہے وہ شخص نہ غیر فرار ہے
تغیری ۔ صحیح نہین ۔	عالم کی تغیری یہ بحالی کی ہے آمد ،
واجبات سے ، یا واجب چاہیئے ۔	مت روکنا ہے خاطر مہمان واجبات
خوش چاہیئے ۔	اس مژدہ کو سنتے ہی خوشی ہوگئی شیرین

اِس قسم کی اور بہت سی غلطیان ہین ، اور غلط نویسی کا عذر ہر جگہ کام نہین آسکتا حقیقت یہ ہے کہ میر انیس کے کلام مین اس قسم کی غلطیان ضرور موجود ہین لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جس قدر قادر الکلام اور پُرگو شعرا گذرے ہین سب کی یہی حالت ہے فردوسی سے بڑھ کر کون قادر الکلام ہوگا ، متاخرین مین قاآنی کا جواب نہین ، ان دونون کے کلام مین اس قسم کی بے اعتدالیان نہایت کثرت سے موجود ہین ۔ لوگ ، اُن شعرا کو نمونہ بناتے ہین جنکی شاعری کا دایرہ ۔ چند عشقیہ خیالات تک محدود ہے ۔ لیکن جو شخص سیکڑون قسم کے مختلف واقعات کو شعر مین ادا کرنا چاہتا ہے ان مسامحات سے کیونکر بچ سکتا ہے ۔ اس لئے قادر الکلام شعرا کو اس جرم سے بری رکھنا چاہیئے ۔

لفظی غلطیون کے سوا معنوی حیثیت سے بھی بہت سی باتین قابل اعتراض ہین جنکی تفصیل حسب ذیل ہے ،

ا ۔ اکثر جگہ مصرعون مین باہم ربط نہین ہوتا ، اور صاف نظر آتا ہے کہ دوسرا مصرعہ برجستہ نکل آیا تھا ، اسکے لئے زبردستی قافیہ اور ردیف کی رعایت سے ، اور کا مصرعہ پیوند کیا ہے مثلاً ۔

بوڑی کہین تھی ڈانڈ کہین تھی انی کہین		سر کہین ہوئے ہین تیغ سے دنی کہین	
پتلی ہے چشم مین کہ ترائی مین شیر ہے		سمجھو نہ دور آنکھ ملانے کی دیر ہے	آنکھ کی تعریف

تلوار کی تعریف

بے مثل تھی شرف مین اصالت مین نیک تھی	ملجا تھین دو زبانین جو اس کو تو ایک تھی
خواہان تھی زیب گلشن زہرا جو آب کے	شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے
ہالے تھے دو ملے ہوئے گھوڑون کی گشت سے	خاک آسمان پہ جاتی تھی اُڑ اُڑ کے دشت سے
بدھات مین شکست ظفر نیک ہات مین	ہات اُڑ کے جا پڑا کئی ہات ایک ہات مین

اس قسم کے اور سیکڑون اشعار ہین۔

(۲) اکثر جگہ لفظی رعایت کی پابندی کی وجہ سے کلام، اوچھا اور بے اثر ہو جاتا ہے مثلاً حضرت امام حسین علیہ السلام کا تمہیدی فقرہ سُن کر تمام لشکر مین جب سناٹا چھا گیا ہے تو اس موقع پر لکھتے ہین ؎

یہ صدا سنتے ہی خود رک گیا قرنا کا خروش	تھم گیا طبل وغا کی بھی وہ آواز کا جوش
ہو گیا جوڑ کے ہاتون کو جلاجل خاموش	کیا بجاتے کہ بجا تھے نہ کسی شخص کے ہوش

چھیڑنا اُن کو سرودون کا بھی ناساز ہوا
رُعب فرزند نبیؐ سرمۂ آواز ہوا

پہلے تین مصرعون مین رعب اور ہیبت کا جو اثر پیدا ہوا، "بجانا"، "سرود"، "ناساز" کی ضلع جگت نے اسکو بالکل زایل کر دیا،

یا مثلاً اس دعا مین ؎

اس باغ مین چشمے ہین ترے فیض کے جاری	بلبل کی زبان پر ہے تری شکر گذاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری	پھل ہمکو بھی مل جاے ریاضت کا ہماری

نخل، برومند، باری، پھل۔ ریاضت، کا التزام یہ اثر پیدا کرتا ہے کہ دعا مانگنے والے کا دل، خضوع خشوع سے زیادہ لفظی رعایتون مین لگا ہوا ہے،

یا مثلاً اُن اشعار مین نہایت مبتذل طریقہ سے لفظی رعایت کو صرف کیا ہے،

ع بولے نہنگ، خوب نہین یہ اگر مگر،

ع سایہ کنوئین مین اُترا تھا پانی کی چاہ سے،

ع اب ہات دستیاب نہ تھے مُنہ چھپانے کو۔

ع آدھی جو ہوگئی تھین وہ سب ذوالفقار سے۔

کونسا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے — کہین کوثر کے تو چھینٹون مین نہین آیا ہے

شجرِ قامتِ سرور پہ جو ڈالے گا نظر — سر چڑھے گا ترا برچھی پہ یہ ہے اسکا ثمر

الفت زلف سے بھی پیچ مین پڑ جائے گا
خال رخ دیکھا تو تو خال سے لگ جائیگا

بدر پیشانی سرور کا جو ہے سرِ خیال — تو اسی ماہ مین نقصان ترا ہوئیگا کمال
سب مین ہو جائیگا انگشت نما مثل ہلال — تیر و شمشیر ہے ابرو کی محبت کا وبال

عشق رخسار مین رتبہ ترا گھٹ جائے گا
مُنہ پہ کہتا ہون کہ چہرہ تیرا کٹ جائیگا

بازون پہ وہ ہین کہ ان بازون کو جو ہات لگائے — تو سر دست سرفرازی کونین کو پائے

ابن سعد عمر سے کتنے

اس قسم کی تکلف کی ہزارون مثالین ہین۔

ان تکلفات کی وجہ سے اکثر جگہ بلاغت کا سررشتہ بالکل ہات سے جاتا رہتا ہے مثلاً صغریٰ کو جب حضرت امام حسین علیہ السلام، سفر مین ساتھ نہین لے جانا چاہتے تھے اور اُن کی بیماری کا عذر کرتے ہین تو وہ کہتی ہین، کہ کیا گھر پر تنہا رہنے اور رونے پیٹنے سے مین اچھی ہو جاؤن گی اس موقعہ پر لکھتے ہین

ع غم کھانے سے آجائیگی قوت میرے تن مین؟

ان تمام اعتراضات کا صرف یہ جواب ہے کہ لفظی رعایت کی پابندی کے سوا جو لکھنو کی خمیر بنگیا

تھا، باقی عیوب، لازمۂ انسانی ہین، اور کسی بشر کا کلام اِن سے پاک نہین ہوسکتا،

سرقات

اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ میرانیس (اور مرزا دبیر) کے بہت سے اشعار پر سرقہ کا گمان ہوسکتا ہے کیونکہ وہی مضامین بعینہٖ یا بہ خفیف تغیر قدیم اساتذہ کے ہان پائے جاتے ہین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان سب پر سرقہ کا اطلاق نہین ہوسکتا اساتذہ کا قاعدہ ہے جب وہ دیکھتے ہین کہ ایک مضمون کسی متقدم شاعر نے باندھا لیکن اچھی طرح نہ بندھ سکا یا اس پر ترقی ممکن ہے تو وہ دانستہ اسی مضمون کو لیکر اسطرح ادا کرتے ہین کہ جو کسر تھی نکل جاتی ہے، اور شعر بلند رتبہ ہوجاتا ہے، فردوسی نے خیمہ کی تعریف لکھی تھی ؎

یکے خیمہ داشت افراسیاب	زمشرق بہ مغرب کشیدہ طناب

نظامی نے دیکھا کہ مبالغہ اچھا ہے لیکن کوئی ثبوت نہین، انھون نے ایک تشبیہ پیدا کر کے ثبوت دیدیا ؎

یکے خیمہ داشت چون آفتاب	زمشرق بہ مغرب کشیدہ طناب

آفتاب کی تشبیہ نے مشرق سے مغرب تک طنابون کا کھنچا ہونا ثابت کردیا کیونکہ آفتاب خیمہ سے اور اسکی کرنین طناب سے مشابہ ہین،

سعدی کا شعر تھا ؎

ترا ہر آئینہ باید بہ شہر دیگر رفت	کہ دل نماند درین شہر تا ربائی باز

شہر کے شہر کا دل چھین لینا معشوق کا کمال ہے لیکن معشوق کو یہ صلاح دینی کہ وہ کسی اور شہر کو چلا جائے لغویات ہے۔ اس لئے امیر خسرو نے اسکا چارہ کار یہ بتایا ؎

کسی نہ ماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی +	مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

سلمان ساوجی کا شعر تھا ؎

شاہد آن نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل	شاہد آن است کہ این دارد و آنے دارد

خواجہ حافظ نے اسکو مطلع کر کے بلند کر دیا ؎

شاہد آن نیست کہ موئے و میانے دارد	بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد

سلمان کے شعر مین این و آن کا جو لطف تھا، وہ اچھی طرح ادا نہ ہو سکا تھا کیونکہ آن مین نون بہ اعلان ہے اسلئے آن (جو این کا مقابل ہے) کا ایہام نہین ہوتا۔ خواجہ حافظ نے اس نقص کو یون پورا کیا ؎

این کہ می گویند آن بہتر ز حسن	یار ما این دارد و آن نیز ہم

صاف نظر آتا ہے کہ ان لوگون نے دیکھا کہ ایک عمدہ بات پیدا ہوئی تھی لیکن ناقص رہ گئی ایک چیز کو ناقص چھوڑ دینا اچھا نہ تھا، اسکو پورا کر دیا، اگر اسکا نام سرقہ ہے اور یہ معیوب ہے تو دنیا مین ہر قسم کی صنعتین جو ایجاد ہوئین وہ اُسی پہلی حالت پر قایم رہنی چاہئے تھین جھکڑے کے بجائے فٹن اور بروم طیار کرنا بھی سرقہ قرار پاتا۔

میر انیس صاحب کے ہان جو سرقے پائے جاتے ہین اکثر اسی قسم کے ہین۔

مثلاً حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب یزید کی فوج کے سامنے اتمام حجت کے طور پر جناب رسالتؐ پناہ سے اپنا تعلق ثابت کیا ہے تو یہ بھی بیان کیا ہے کہ اسوقت میرے بدن پر جو اسلحہ اور ملبوسات ہین وہ آنحضرتؐ کے ملبوسات ہین۔ اس مضمون کو میر ضمیر نے اس طرح ادا کیا تھا ؎

پہچانتے ہو کسکی ہے سر پہ ہے دستار یہ کسکی زرہ۔ کسکی سپر کسکی ہے تلوار	دیکھو تو عبا اسکی ہے کاندھے پہ نمودار مین جس پہ سوار آیا ہون کسکا ہے یہ رہوار

	باندھا ہے کمر مین جسے یہ کسکی ردا ہے کیا فاطمہ زہرا نے نہین اس کو سیا ہے؟	

یہ واقعہ مرثیہ کا ایک ضروری جزو تھا، اس لئے میرانیس صاحب اسکو بالکل چھوڑ نہین سکتے تھے لیکن دیکھو، اسی بات کو کیونکر ادا کیا ہے

یہ قبا کس کی ہے بتلاؤ یہ کسکی دستار بر مین کس کا ہے یہ چار آئینہ جوہردار		یہ زرہ کس کی ہے پہنے ہون جو مین سینہ فگار کس کا رہوار یہ ہے آج مین جسپہ ہون سوار

	کس کا یہ خود ہے یہ تیغ دو سر کسکی ہے کس جری کی یہ کمان ہے یہ سپر کسکی ہے	

میرضمیر	جب تک کہ ذوالفقار نے کاٹے نہ تین پر		ہرگز نہ دم لیا پر روح الامین پر
میرانیس	خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر		کاٹے ہین کس کی تیغ دو پیکر نے تین پر
میرضمیر	اس نیزہ سیاہ سے تھا سب کو بیم جان		تھا اژدہائے موسی عمران کی وہ زبان
میرانیس	ع گویا زبان نکالے ہوئے اژدہا چلا۔		
میرضمیر	اک نیزہ ہوا پار وہ سو سو کے جگر سے		رشتہ کا گذر ہوتا ہے جون سلک گہر سے
میرانیس	ہوتا تھا پار آکے وہ ہنگام دار و گیر		سو دل سے مثل رشتۂ تسبیح ایک تیر
میرضمیر	کونین مین پکار ہوئی الامان کی		انسان تو کیا جنون کو پڑی اپنی جان کی
میرانیس	ع چلاتی تھین پریان کہ خدا جان بچائے۔		

لیکن بہت سے اشعار ایسے بھی ہین جن مین کسی قسم کی ترقی نہین ہی بلکہ کسی فارسی شعر کو بعینہ لے لیا ہے، اس قسم کے مضامین کو حسن ظن ہو تو توارد، ورنہ سرقہ کہنا چاہیئے۔ چند مثالین نمونہ کے طور پر ذیل مین لکھی جاتی ہین ہ

میر انیس	پیچھے کبھی قافلہ سے رہتا نہ انیس		اے عمر دراز تیری کوتاہی ہے
لاحد			کوتاہیئے کہ بود زعمر دراز بود
میر انیس	عقدے سب حل ہوے مگر آہ انیس		یہ بند اجل کسی سے کھولا نہ گیا
بوعلی سینا	کردم ہمہ مشکلاتِ عالم را حل		ہر بند کشودہ شد مگر بند اجل
میر انیس	نافہ کی طرح عمر خطا مین گذری		بالون پہ سفیدی ہے، سیاہی دل مین
کاتبی	بودیم ہمچو نافہ ہمہ عمر در خطا		موے سفید بین، و درون سیاہ ما (دل)
میر انیس	ہر سمت تھی سنان پہ سنان مثل خار زار		ہر صف مین تھی سپر پہ سپر مثل لالہ زار
نظامی	سنان بر سنان رستہ چون نوک خار		سپر بر سپر بستہ چون لالہ زار
میر انیس	خود پیام زندگی لائی قضا میرے لئے		شمع کشتہ ہون، فنا مین ہے بقا میرے لئے
لاحد	چو نفی نفی اثبات است از مردن نمی ترسم		بقاے من چو شمع کشتہ باشد در فناے من

میر انیس اور مرزا دبیر کا موازنہ

اُردو علم ادب کی جو تاریخ لکھی جائیگی، اس کا سب سے عجیب تر واقعہ یہ ہوگا کہ مرزا دبیر کو ملک نے میر انیس کا مقابل بنایا، اور اس کا فیصلہ نہ ہو سکا کہ ان دونون حریفون مین ترجیح کا تاج کس کے سر پر رکھا جاے،

شاعری کس چیز کا نام ہے؟ کسی چیز کا، کسی واقعہ کا، کسی حالت کا، کسی کیفیت کا، اس طرح بیان کیا جاے کہ اسکی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جاے،

دریا کی روانی، جنگل کی ویرانی، باغ کی شادابی، سبزہ کی لہک، پھولون کی مہک، خوشبو کی لپٹ، نسیم کے جھونکے، دھوپ کی سختی، گرمی کی تپش، جاڑون کی ٹھنڈ، صبح کی شگفتگی، شام کی دلآویزی، یا

رنج وغم، غیظ وغضب، جوش ومحبت، افسوس وحسرت، عیش وطرب، استعجاب وحیرت، ان چیزون کا اسطرح بیان کرنا کہ وہی کیفیت دلون پر چھا جائے اسی کا نام شاعری ہے۔

اسکے ساتھ الفاظ مین فصاحت، سلاست، روانی، بندش مین چستی اور چستی کے ساتھ بے تکلفی دلاویزی اور برجستگی، لطیف اور نازک تشبیہات اور استعارات، اصول بلاغت کے مراعات ان تمام اوصاف مین سے کون سی چیز مرزا دبیر مین پائی جاتی ہے۔ فصاحت، ان کے کلام کو چھو بھی نہین گئی، بندش مین تعقید اور اغلاق، تشبیہات اور استعارات، اکثر دور از کار، **بلاغت** نام کو نہین، کسی چیز یا کسی کیفیت یا حالت، کی تصویر کھینچنے سے وہ بالکل عاجز ہین، خیال آفرینی اور مضمون بندی البتہ ہی لیکن اکثر جگہ اسکو سنبھال نہین سکتے، ؟

ہماری یہ غرض نہین کہ ان کے کلام مین سرے سے یہ باتین پائی ہی نہین جاتین وہ نہایت پرگو تھے ان کے اشعار کا شمار ہزارون کیا لاکھون تک ہے، اخیر اخیر مین وہ میر انیس کی تقلید بھی کرنے لگے تھے اس بنا پر ان کے کلام مین جابجا شاعری کے لوازم اور خاصے پائے جاتے ہین، لیکن گفتگو قلت اور کثرت مین ہے، میر انیس کے بہت سے اشعار مین فصاحت و بلاغت کا حصہ بہت کم ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دونون مین سے نسبتہً کس کا کلام شاعری کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ میر انیس کا عیب وہنر تم دیکھ چکے اب مرزا صاحب کے متعلق ہم ایک ایک چیز پر تفصیل لکھتے ہین۔

فصاحت۔ یہ امر بدیہی ہے کہ مرزا دبیر کے کلام مین وہ فصاحت، اور شستگی نہین جو میر انیس کے کلام مین ہے، اور اس کے مختلف اسباب ہین،۔

(۱) مرزا صاحب اکثر ثقیل اور غریب الفاظ استعمال کرتے ہین مثلاً

ع ستدعیِ شق القمر آکر ہوئے گمراہ۔

ع ہر کوہ کی آواز انا الطور انا الطور۔

ع الٰنشر کا ہنگامہ ہے اس وقت حشر مین۔

لبّیک و سعد یک تھا ورد ملک وجن۔

المنتہیٰ یہ ربط یہ ضبط اس وغا مین تھے۔

خاص الخلاصۂ بنی آدم، کمال مین۔

یا رو! اسنا مدایح نوشاہ کا بیان

رخ بیّنۂ صدق کرامات پیمبر

مستجمع جمیع فضایل، ملک سیر

مستغرق روح اُسنے کیا تب غسل و شیر

لیکر رطب دلو دم کہنے لگے شاہ

میدانی و نقیب و عصا دار و چوبدار

عرشی فلکی بڑھ کے نقیبانہ پکارے

اس قسم کے سیکڑون الفاظ ہین، ہم نے صرف دو تین مرثیون سے سرسری انتخاب کیا ہے، ورنہ سیکڑون ہزارون تک نوبت پہونچتی، یہ الفاظ، اگرچہ صحیح ہین، عربی اور فارسی مین مستعمل ہین، لیکن اُردو نظم کی سلاست اور روانی انکی متحمل نہین ہوسکتی۔

(۲) بعض الفاظ بجاے خود ایسے ثقیل اور گران نہین لیکن مرزا صاحب جن ترکیبون کے ساتھ ان کو استعمال کرتے ہین، ان سے نہایت ثقل اور بھداپن پیدا ہوجاتا ہے، یہ امر ان مثالون مین صاف واضح ہوجاتا ہے جہان ایک ہی لفظ یا الفاظ کو میر و مرزا دونون نے استعمال کیا ہے۔

هل اتیٰ - انّما - قل کفیٰ - یہ چارون لفظ حضرت علیؑ کے فضایل کی تلمیحات (الیوژن) ہین ان تلمیحات کو ایک ایک بند مین دونون نے باندھا ہے، مرزا صاحب فرماتے ہین ؎

Allusion! Illusion

اہل عطا مین تاج سر ہل اتیٰ ہین یہ
خورشیدِ انورِ فلک اِنّما ہین یہ

اغنیا زلاف زن ہین، شہ لافتا ہین یہ
کافی ہے یہ شرف کہ شہ قل کفیٰ ہین یہ

ممتاز گو خلیل رسولانِ دین مین ہین
کاشف ہے لوکشف یہ زیادہ یقین مین ہین

میر انیس کہتے ہین ؎

حق نے کیا عطا پہ عطا ہل اتیٰ کسے
کونین مین ملا شرف اِنّما کسے

حاصل ہوا ہے مرتبۂ لافتا کسے
کہتی ہے خلق، بادشہِ قل کفا کسے

دنیا مین کون منتظم کائنات ہے
کس کو کہا خدا نے کہ یہ میرا ہات ہے

مرزا صاحب کے کلام مین اس قسم کی ناموزونی نہایت کثرت سے ہے، ہم صرف چند شالون پر اکتفا کرتے ہین ؎

ع اک شخص کمر شہ کی لگا باندہنے خورسند
ع اک دلو بھرو، پانی سے اور ایک طب لو
ع نوبت زنِ شہ بام عروج فلک پیر
ع ملبوس قلمکار نہ دون ہے نہ پرانا ؎

سر کو عوض پارۂ مدحت مین دہرون گا
شرع کہن ناطقہ منسوخ کرون گا

ع یہ صورت پیغمبرِ قوسین مکان ہے ؎

ہے طلعت جلد و تفس سینہ پہ محسوس
ناگاہ کہلا دشت مین بازار زدو کشت

وہ برق شفق مین تو یہ پروانہ بہ فانوس
تیغین کھچین یکدست تُلے گرز بھی تیت

۶ نہ چشم جراحت نہ رہ قوت کو دیکھا
کہتے ہین جسے عاشق شیدا ملک وناس
خیاط عہد طفل شاہ انام تھے
اسکی ثنا مشقت مالایطاق ہے
ناما نے تو قلم کئے جبریلؑ کے سر پر ؎

	کفار بڑے طیش سے ہونٹون کو دبا کے		دانتون کے تلے بال محاسن کے دبا کے

آمد ہے امام سوم ہر دوسرا کی ؎

	اس سر پہ دہرے ہات بہ قسمیہ اجل ہے		بس ہدیۂ اللہ کے قابل یہی پھل ہے

بندش کی سستی اور ناہمواری میرانیس اور مرزا دبیر مین اصلی جو چیز مابہ الامتیاز ہے وہ الفاظ کی ترکیب، نشست اور بندش، کا فرق ہے، میرانیس کا کلام تم پڑھ چکے ہو، ان کا اصلی جوہر بندش کی چستی - ترکیب کی دلآویزی - الفاظ کا تناسب، اور برجستگی و سلاست ہے، یہ چیزین مرزا صاحب کے ہان بہت کم ہین، ایک ہی مصرع مین ایک لفظ نہایت بلند اور شاندار ہے دوسرا ابتذل اور پست ہے، بند کا ایک شعر اس زور شور کا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بادل گرجتا آرہا ہے، دوسرا بالکل پھیکا اور کم وزن ہے، دو تین بند صاف اور سلیس نکل جاتے ہین پھر تعقید اور بے ربطی شروع ہوتی ہے، اکثر جگہ، الفاظ بڑے دہوم دھام کے ہین لیکن حاصل کچھ نہین، یہ باتین اگرچہ عام طور پر اُن کے تمام مرثیون مین پائی جاتی ہین لیکن نمونہ کے طور پر ہم چند بند اُن مرثیون کے نقل کرتے ہین جو بڑے زور کے مرثیے خیال کئے جاتے ہین اور جن مین بعض میرانیس کے جواب مین لکھے گئے ہین ؎

	اے دیدۂ تنظیم جو عالم کو ہلا دے		اے طنطنۂ طبع جزو کل کو ملادے

اے معجزۂ فکر فصاحت کو جلادے
اے زمزمۂ نطق بلاغت کا صلہ دے

اے باے بیان معنی تسخیر کو حل کر
اے سین سخن، قاف سے تا قاف عمل کر

یہ مرثیہ میر انیس کے جواب میں ہے، کس زور شور کی اُٹھان ہے، کیسے پُر رُعب الفاظ ہیں لیکن معانی میں بہت کم ربط ہے، طنطنہ کو جزو کل کے ملا دینے سے کیا نسبت ہے؟۔ زمزمۂ نطق، سے بلاغت کا صلہ مانگنے کے کیا معنی؟ بیان کی بے کو تسخیر سے کیا خاص تعلق ہے؟ اسی طرح سخن کے سین کو قاف سے قاف تک عمل کرنے کے لئے کیا خصوصیت ہے۔ ہ

بولا علَم خامہ فلک پر میں گڑونگا
سکہ نے ندا دی زر انجم پہ پڑونگا
معنی نے کہا بیت میں آئینہ جڑونگا
مضمون پکارا میں کسی سے نہ لڑونگا

بندش یہ کھُلی دم میں فصاحت کا بھرونگی
چلائی طبیعت کہ میں اصلاح کرونگی

پہلے دو مصرعے کسقدر دھوم دھام کے ہیں، تیسرے میں تنزل شروع ہوا، چوتھا بالکل گر گیا کیونکہ اوپر کے مصرعوں کی مناسبت کے لحاظ سے موقع یہ تھا کہ اسمیں بھی کوئی ایجابی دعویٰ کیا جاتا۔ مضمون کا نہ لڑنا اگرچہ معنیً تعریف کی بات ہے، لیکن یہاں لڑائی سے گریز کرنے کا موقع نہیں، اخیر کا شعر اور خصوصاً اسکا دوسرا مصرع کسقدر پھس پھسا اور مبتذل ہے طبیعت کے چلانے کا یہ کیا موقع ہے اور طبیعت کے لئے چلانا کتنا ناموزون لفظ ہے ہ

میں کون ہوں صاحب علَم کلک جہانگیر
نوبت زن نُہ بام عروج فلک پیر
تاج سر لفظ و سخن و معنی و تحریر
خاک قدم محتشم و مقبل شبیر

سُنکر نہ کرے ہاں تو شکایت بھی نہیں ہے

انصاف تو کہتا ہے خداوند یون ہی ہے

پہلے تین مصرعون کا جو انداز ہے، چوتھا مصرع اس سے کسقدر بیگانہ ہے، ؎

مضمون مین نئی کرتا ہون ایجاد ہمیشہ	کہتا ہے سخن حضرت استاد ہمیشہ
کہنے مین ہے تاثیر خداداد ہمیشہ	بھولے سے بتا دون تو رہے یاد ہمیشہ

بے لطف خدا یہ ہمہ دانی نہین آتی
پر شمع صفت چرب زبانی نہین آتی

جو چیز خداداد ہے اُسکے لئے ہمیشہ کی قید حشو محض ہے، چوتھا مصرع، تیسرے مصرع سے بالکل بے تعلق ہے، استادی کا ذکر دوسرے مصرع مین ہے، اور اُس کے ساتھ اس مصرع کو ربط ہوسکتا ہے، ٹیپ کے دو مصرع بھی باہم بالکل بے تعلق ہین -

تین چار بند کے بعد فرماتے ہین ؎

مضمون تر و تازہ ہے جستی مین یگانا	ملبوس قلم کا، نہ دون ہے نہ پُرانا
اس دہیان کے آنے سے کرم شاہ کا جانا	خُدام ولا بولے کہ ہان ہات بڑہانا

لے ہدیۂ تائید قدیر ازلی لے
لے خلعت تحسین حسینؑ ابن علیؑ لے

پہلے اور دوسرے شعر کی ترکیب اور انداز مین باہم کسقدر تفاوت ہے، دوسرا شعر پہلے شعر سے بالکل الگ ہوگیا ہے، دوسرے شعر کی بندش ایسی ہے کہ مطلب بھی آسانی سے سمجھ مین نہین آتا -

اس دہیان کا مشار الیہ کون ہے ؎

حامی جو سلیمانِ دو عالم نظر آئے +	مضمون جو عنقا تھے وہ پر جوڑ کر آئے
طاؤسِ تصور کی طرح دل مین در آئے	شیشہ مین پری زاد معانی اُتر آئے

یاقوت بدخشان سے، دُر آتے ہین عدن سے
لعل اُگلون گا مین طائر سدرہ کے دہن سے

حضرت سلیمان کو عنقا سے کیا تعلق ہے، تصور کی تشبیہ طاؤس سے کس بنا پر ہے، اور پھر اس کے کیا معنی کہ عنقا سے مضمون دل مین اسطرح اتر آئے جسطرح طاؤسِ تصور دل مین اُترآتا ہے، طاؤس دل مین نہین اُترتا، اور اگر تصور کے طاؤس ہونے کی بنا پر ہے تو مضمون کا عنقا خود دل مین اُتر سکتا ہے، طاؤس کی مشابہت کی کیا ضرورت ہے، ٹیپ مین عجب بے ربطی ہے شاعر لعل اُگلے گا لیکن طائر سدرہ کے دہن سے اُگلے گا اسکے کیا معنی ؟ شاید اُگلنے کو اُگلوانے کے معنی مین لیا ہے، یا اپنے آپ کو طائر سدرہ قرار دیا ہے ہ

کب شعلۂ خس پوز کی قندیل کو پہونچے
پشہ کا نہ غل صور سرافیل کو پہونچے

اُڑ کر نہ مگس طنطنۂ فیل کو پہونچے
بلبل نہ لب ولہجۂ جبریل کو پہونچے

ارباب سخن پر جو سخن ور ہے ہمارا
القاب سخن سنج سخن ور ہے ہمارا

کسقدر بھدے الفاظ اور بھدی ترکیبین ہین۔ اسکے علاوہ بے ربطی کو دیکھو، شعلہ کا مقابلہ قندیل سے نہین بلکہ قندیل کی روشنی سے ہوسکتا ہے، پرواز کو طنطنہ سے کیا نسبت ہے؟ بلبل کو جبریل سے کیا مناسبت ہے، لقب کے بجاے القاب باندھا ہے ہ

سرکار ہے ہر مجلس شبیر ہماری
آئینۂ سکندر پہ ہے تسخیر ہماری

مضمون کی طرح بیٹھتی ہے جاگیر ہماری
ہے مہر سلیمان کی تحریر ہماری

تنہا مہ و ماہی پہ نہین سکہ پڑا ہے
سورج کا نگینہ بھی انگوٹھی پہ جڑا ہے

بیت کا درجہ مضمون سے کم ہے، کیونکہ بیت کی جو خوبی ہے مضمون ہی کی وجہ سے ہے اس بنا پر یہ تشبیہ کہ مضمون کی طرح بیت ہماری جاگیر ہے، بے معنی ہے، جب مضمون جاگیر ہو چکا تو بیت خود ہی جاگیر ہو گئی، ٹیپ کا اخیر مصرع بالکل بے معنی ہے، پہلے انگوٹھی سے کسی چیز کا استعارہ کرنا تھا پھر سورج کا نگینہ جڑنا تھا ورنہ ظاہر ہے کہ ہات میں پہننے کی انگوٹھی پر سورج کا نگینہ جڑنا کس قدر لغویات ہے، ٥

قابل مین سخن کے ہون سخن ہے مرے قابل رضوان کو جنت یہ چمن ہے مرے قابل	لیکن سخن شہرہ فگن ہے مرے قابل موتی کو صدف اور یہ عدن ہے مرے قابل

شہرہ ہے یہ تائید شہ جن و ملک سے
مضمون مرا گھر پوچھتے آتے ہین فلک سے

سخنِ شہرہ فگن نئی ترکیب ہے، ع رضوان کو جنت، یہ چمن ہے مرے قابل، ناموزون ترکیب ہے، یا تو یون ہونا چاہیے تھا کہ رضوان کو جنت چاہیے، اور مجھکو یہ چمن، یا یون کہنا تھا کہ رضوان کے قابل جنت ہے، اور میرے قابل یہ چمن، چوتھے مصرع کی ترکیب کا بھی یہی حال ہے، ٹیپ کے دونون مصرع قریباً باہم متناقض ہین، شہرہ بھی انتہا کا ہے اور مضمون کو گھر پوچھنے کی بھی ضرورت ہے، شاید یہ مراد ہو کہ صرف نام مشہور ہو چکا ہے لیکن چونکہ مضامین کو کبھی مرزا صاحب سے روشناسی نہین ہوئی اور آستانۂ مبارک تک پہونچنے کی نوبت نہین آئی اس لئے گھر کا پتہ پوچھنا پڑا ٥

ہین وقف ہمیشہ میرے الفاظ و معانی ہر بحر مین ہے بحر طبیعت کی روانی	ہان قلزم شیرین کا سبھی پیتے ہین پانی ہے زور سخن شور پہ موجون کی زبانی

قطرہ سے مگر بحث مین، مین صرف نہین ہون
دریا ہون سخن کا مین تنگ ظرف نہین ہون

غلط تیسرے مصرع کا مطلب مشکل سے سمجھ مین آسکتا ہے، مقصد یہ ہے کہ زور سخن شور پر ہے لیکن اس بات کو مین نہین کہتا بلکہ موج کی زبان کہتی ہے، بحث مین صرف ہونا کونسا محاورہ ہے، ٹیپ کے دوسرے مصرع مین "مین" کا لفظ محض فضول ہے، پہلے مصرع مین "مین" کا لفظ آچکا ہے، ۵

خامہ ہے فروتن مرا افراط ادب سے	جھک کر شرفا اور بجا لاتے ہین سب سے
نخوت کے معانی ہین الگ لفظون کے لب سے	جس طرح سے بد اصل جدا نیک نسب سے

دشمن سے بھی ہم قطع نہین کرتے حیا کو
مانند غبار اُٹھتے ہین تعظیم ہوا کو

پہلے مصرع مین انکساری اور خاکساری کے بجائے ادب کہا ہے، حالانکہ دونون مین بہت فرق ہے، تیسرے مصرع کی ترکیب اور لفظ کے لب کا استعارہ سابق ولاحق کی سادگی و صفائی سے نہایت بیگانہ ہے، ۵

شیرین سخنی کا ہنر اکبرؑ سے لیا ہے	اس ذرہ مین سید حسینؑ کی ضیا ہے

بہتر ہی افلاک سے گو خاک بسر ہون
ہان عیب بڑا یہ ہے کہ مین اہل ہنر ہون

گو خاک بسر ہون کا جواب، ہان عیب بڑا یہ ہے کسقدر بے جوڑ ہے، "مین" کا لفظ بالکل حشو ہے،

مرزا صاحب کا ایک اور نہایت مشہور مرثیہ ہے ۵

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے	رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا جگر زیر کفن کانپ رہا ہے	خود عرش خدا وند زمن کانپ رہا ہے

شمشیر بکف دیکھ کے حیدرؑ کے پسر کو
جبریلؑ لرزتے ہین سمیٹے ہوے پر کو

ہیبت سے ہین نہ قلعۂ افلاک کے در بند
وا ہے کمر چرخ سے جوزا کا کمر بند
جلاد فلک بھی نظر آتا ہے نظر بند
سیارے ہین غلطان صفت طائر پر بند

انگشت عطارد سے قلم چھوٹ پڑا ہے
خورشید کے پنجہ سے علم چھوٹ پڑا ہے

یہ دونون بند اپنے انداز مین پورے ہین، اب تیسرا بند ملاحظہ ہو ؎

خود فتنہ و شر پڑھ رہے ہین فاتحۂ خیر
جان غیر - بدن غیر - مکین غیر - مکان غیر
کہتے ہین انا العبد لرز کر صنم دیر
نیچے چرخ کا ہے چرخ نہ سیارہ کی ہی سیر

سکتہ مین فلک خوف سے مانند زمین ہے
جز بخت یزید اب کوئی گردش مین نہین ہے

انا العبد کسقدر سلاست کے خلاف ہے، یہ مصرع ع جان غیر - بدن غیر - مکین غیر - مکان غیر
اس بند مین کسقدر بیگانہ واقع ہوا ہے ؎

بیہوش ہے بجلی پہ سمند انکا ہے ہشیار
پوشیدہ ہے خورشید علم انکا نمودار
خوابیدہ ہین سب طالع عباسؑ ہے بیدار
بے نور ہے منہ چاند کا - رخ انکا ضیابار

سب جزو ہین - کل رتبہ مین کہلاتے ہین عباسؑ
کونین پیادہ ہے سوار آتے ہین عباسؑ

یہ بند اوپر کے بند سے دفعۃً اس قدر بے تعلق ہو گیا ہے کہ مطلب سمجھنا مشکل ہے، "اُن" کا مشارٌالیہ حضرت عباسؑ ہین، لیکن چونکہ حضرت عباسؑ کا ذکر صرف پہلے بندون مین آیا تھا جس سے تین بندون کا فاصلہ ہے، اس لئے ذہن اسطرف جلدی منتقل نہین ہوتا، مضمون کی بے ربطی کی یہ کیفیت ہے کہ ایک طرف تو چل چل کی وجہ سے بجلی کو بیہوش قرار دیا ہے، دوسری طرف فرماتے ہین

کہ سب خوابیدہ ہین، ٹیپ کی بندش کی سستی خود ظاہر ہے ؎

چمکا کے مہ و خور زر و نقرہ کے عصا کو
سرکاتے ہین پیر فلک پشت دوتا کو
عدل آگے بڑہا - حکم یہ دیتا ہے قضا کو
ہان باندہ لے ظلم و ستم و جور و جفا کو
گھر لوٹ لے بغض و حسد و کذب و ریا کا
سرکاٹ لے حرص و طمع و مکر و دغا کا

ان استعارات مین جو لطافت ہے وہ ظاہر ہے۔

ہم مناسب سمجھتے ہین کہ ایک مشہور اور معرکہ کے مرثیہ کے متعدد بند اس موقع پر نقل کردین جس سے مرزا صاحب کی طرز بندش کے تمام محاسن و معائب کا پورا اندازہ ہوسکے۔ یہ مرثیہ وہ ہے جس کو مرزا صاحب کے نامور معتقدین، اکثر مجالس مین بڑے فخر کے ساتھ پڑھتے ہین ؎

پرچم ہے کس علم کا شعاع آفتاب کی
پانی ہے کس پھریرے سے ہمت سحاب کی
یہ شان ہے نشانِ رسالت مآب کی
چوب علم کلید ہے جنت کے باب کی
نقشہ علم کے پنجہ مین اللہ کا ملا
بندون کو اس نشان سے نشانِ خدا ملا

صبحِ جہادِ شاہِ ثریا جناب ہے
فوجِ حسینؑ بن کے ظفر ہمرکاب ہے
مشرق سے وان علم - علم آفتاب ہے
یان نور کا نشان علم بوتراب ہے
روشن علم سے آئینہ مشرقین ہے
مشرق مین شمس، عکسِ نشانِ حسین ہے

طوبیٰ کی شاخ تیشۂ قدرت نے کی قلم
اور نورِ نخل طور بھرا اسمین یکقلم

کی صادقون کی راستی قول آمین ضم
بے پردہ ہو کے عقوبتِ پوشش علم

جب باندہ کر پھریرے کو سید ہا علم کیا
صانع نے پردہ مین ید طولیٰ علم کیا

دامن ہے کبریا کا سراپردہ جلال
پھرا ہوا ہے شیر پھریرے کا بے جدال
ماہی مراتب اس سے ہے شاہونکا پائمال
شیر فلک کو دیکھ کے ہوتا ہے لال لال

تسخیر غرب و شرق اسے کیا محال ہے
پنجہ ہے آفتاب تو ناخن ہلال ہے

نور خدا سے قالب خیر الامم بنا
وان ابر چتر فرق نبیؐ بر قدم بنا
سایہ نبیؐ کا ہو کے مجسم علم بنا
یان پوشش علم وہ سحاب کرم بنا

سب کام بند ہون جو پھریرا نہ وا رہے
سچ ہے خدا کے فیض کا چشمہ کُھلا رہے

اب رایت زبان سے بیان علم کرون
مجلس مین ذکر شقہ رحال علم کرون
اور معنی بلند کا لشکر بہم کرون
رایت مین سلک نظم کے پرچم کو ضم کرون

مشتاقون کو زیارت رایت ضرور ہے
اس رایت نبیؐ کی درایت ضرور ہے

جب شاہ انبیا کو ہوئی خواہش علم
جاری ہوا یہ حکم خداوند محترم
آئی ندا فلک سے ابھی بھیجتے ہین ہم
ہان قدسیو! علم کی درستی کرو بہم

تیار میرے دوست کی خاطر نشان کرو
یعنی علم کی فکر سے خاطر نشان کرو

تعقید مرزا صاحب، کے کلام کی ایک خصوصیت تعقید ہی ہے، وہ جہان معنی آفرینی اور دقت پسندی پر زیادہ توجہ کرتے ہین کلام مین پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے وہ نہایت دقیق اور بلند مضامین پیدا کرتے ہین لیکن مناسب الفاظات نہین آتے اس لئے مضمون ایک گورکھ دھندا ہوکر رہ جاتا ہے۔

تلوار کی تعریف۔

مدنگہ چشم نیام اوج پر آیا +	اور صاف ہراک فرد بشر کو نظر آیا
خط کھینچنے کو کلک دوات ظفر آیا	یا دوڑ کے ظلمت کی گلی سے خضر آیا

وان شور تھا پیدا مہ نو سے مہ نو ہے
یان غل تھا جدا شمع سے یہ شمع کی لو ہے

آمد کی دہوم۔

خود ابر فلک گرد سواری مین گھرے ہین	دریا مین عدو ڈوب کے دوزخ مین ترے ہین
یون کانپ کے سرداروں کے منہ رنگ سے پہرے ہین	بت حرص کے طاق دل عدا سے گرے ہین

رعشہ ہے فقط ہات نہین پانون نہین ہے
دہشت کے سبب دہوپ نہین چھانون نہین ہے

سراپا۔

معراج پیمبر کی تو روشن ہے حقیقت	یان دیکھو تہ عرش جبین چشم کی زینت
اترا ہے نبی کے لئے یہ کاسۂ نعمت	ہم صحبت وہم کاسہ ہین معبود سے حضرت

اس کاسہ مین رتبہ ہے یہ پلکون کی ثنا کا
اک ہات نبی کا ہے اور اک ہات خدا کا

اب مومنون کو عالم بالا کی خبر دون	حل عقدہ مدح سر اقدس کو بھی کر دون

گردون کو مین نسبت سر پر نور سے گردون
یہ عرش ہوا اور عرش بنے رشک سے گردون

اک قامت احمد ہے، اسی فوق جہان پر
خورشید سے اک نیزہ سوا ہو گا سنان پر

گو غنچہ ہے گوش پسر سید خوشخو
اور حلقۂ گیسو کہ ہے اک نافۂ آہو
قرب ختن زلف سے یہ نافے کی ہے بو
ہے کان کی نکہت سے رگ غنچہ ہر اک مو

نافہ کا شرف غنچہ کو کاکل نے دیا ہے
اور گوش کے نافہ کو بیان غنچہ کیا ہے

خط حسن کی خاطر ہے خزان کا خط فرمان
صرصر سے ہے، ایمن یہ چراغ رخ تابان
یان حلقۂ خط حسن کو ہے چشم نگہبان
عارض کو کیا خط نے چراغ تہ دامان

گلشن ہے غلط اور غلط ابر بہاری
رخ باغ بہاری ہے یہ خط ابر بہاری

ایک اور مرثیہ مین فرماتے ہین ؎

نام جبین ہے مشرق خورشید ہر امید
ہے صبح صادق اسکی گواہی سے روسپید
یان پھول سرو کو ملین پھل ہو نصیب بید
مہر قبول کے اثر سجدہ سے نوید

اکبر نشان سجدہ جبین پر دکھاتے ہین
یا سر نوشت نیر اکبر دکھاتے ہین

کیا شاہ بیت ابروے اکبر کی ہو ثنا
بیت القصیدہ خم ابروے مصطفےٰ
یکتا مطالعہ مین ہے یہ مطلع رسا
کیا بیت بحثی ان سے کرے ماہ نو بھلا

پیش نگہ یہ بیت ہے، اٹھارہ سال سے

آتی ہے، بوے شیر وہان ہلال سے

تشبیہات واستعارات

مرزا صاحب کے کلام کا خاص جوہر تشبیہات اور استعارات ہین، اس مین شبہہ نہین کہ وہ اپنی دقت آفرینی سے ایسے عجیب اور نادر تشبیہات اور استعارات پیدا کرتے ہین جنکی طرف کبھی کسی کا خیال منتقل نہین ہوا ہو گا، لیکن اس زور مین وہ اکثر اس قدر بلند اُڑتے ہین کہ بالکل غایب ہو جاتے ہین مثلاً

شمشیر نے جل تھل جو بھرے قاف سے تا قاف
چھپنے کیلیے خوف سے اس درجہ گھٹا قاف

پریان ہوئین مرغابیان، گرداب بنا قاف
جو بیچ مین سیمرغ کی منقار کے تھا قاف

کیا جانے کدھر لے کے خزانہ وہ بہا تھا
قارون کو عذابِ ابدی ڈھونڈ رہا تھا

تیغ عباس جو دامان زرہ مین تھی نہان
چمکا وہ ہلال ابروے یوسف کا کنوین سے

یا شبستان مین وہ خوابیدہ تھا مار دو زبان
یا برق جدا ہو گئی بادل کے دھوین سے

مدِ نگہ چشم نیام اوج پر آیا
خط کھینچنے کو کلک دواتِ ظفر آیا

اور صاف ہر اک فرد بشر کو نظر آیا
یا دور کے ظلمت کی گلی سے خضر آیا

گرمی یہ شررِ تیغ شرر دم کے جو آئے
تھی مرغ نگہ پر دو ان مین پر اس نے جلائے

جوہر نے کنوین قعر جہنم کے جھکائے
عنقا سے تصور کے کباب اسنے لگائے

ظلمات مین یہ فتح پہ قبضہ کئے پھری
چہرہ سے ہینی صفِ لشکر بھی دور کی

یونس کو جیسے بطن مین مچھلی لئے پھری
بت خانہ سے شباہت ممبر بھی دور کی

کاف شگاف بنکے درون جگر گئی
مانند سیم مرگ میان کمر گئی

لفظ شکم مین دینے کو زیر و زبر گئی | مانند پیش ہر جزو کُل سے گذر گئی
رن کی صفون کا خوف سے ستھراؤ ہو گیا | پانی ہوئے یہ زہرے کہ چھڑکاؤ ہو گیا
بینی جبین و لب سے حسین و خلیل ہے | سر پر ہے عرش زیر قدم سلسبیل ہے
بنفشین چھٹین شرر کی، سقر کانپنے لگے | شعلے زبان نکال کے خود ہانپنے لگے
نہیب تیغ سے خالی سبھون کے قالب تھے | پیالہ ہائے فلک روحون سے لبالب تھے
گیا جو وقت سے تحت الثری کو آب حسام | بنا خزانۂ قارون خرابۂ حمام
فلک نے تختۂ یونان رکھا زمین کا نام | ہوا رطوبت اطراف سے زمین کو زکام

دماغ خاک پہ نزلہ بہ صد وفور گرا
گیا جو عطسہ تو قارون نکل کے دور گرا

جوہر مین طرفہ ہیبت تیغ دلیر ہے | مچھلی کے جال مین یہ مگر کوئی شیر ہے
بادل کی طرح جوہر شمشیر جو چھائے | سایہ نے تڑپ کر دہل رعد بجائے
چار آئینہ نے اور ہی صورت دکھائی ہے | پر آئینہ نہین ہے سند ہم نے پائی ہے
زایل زرہ کی آنکھون سے جو روشنائی ہے | آنکھون نے چار چشمے کی عینک لگائی ہے
ڈر ڈر کے آب تیغ سے سب کوچ کر گئے | غصہ سے ہو کے چین جبین کچھ ٹھہر گئے
بل بن گئے وہ چین جبین، سر اتر گئے | اک وار مین فرات سے پاران کے سر گئے
پر ذوالجناح صاف دہوین سے نکل گیا | باروت تھا کہ اُڑ کے کنوین سے نکل گیا
تھا طوطی خط پشت لب لعل پر گویا | دیکھو کہ دہوان آتش یاقوت سے نکلا
تھا چاہ ذقن مین چہ نخشب کا تجلا | اس چاہ کی کشتی نے تو پانی بھی نہ مانگا

جلوے لب و دندان کے عجب پیش نظر تھے

دروازہ پہ یاقوت تھے اور گھر مین گہر تھے

حاشا نہین تجلی ماہ آسمان پر
چشم ضیا فشان سے نمود چراغ ہے
پیدا اکمر سے کنہ جناب الہ ہے
پتلی ہے کوہ طور تجلی کبریا
جب تک یہ پلکین دست نگہ مین نہ دین عصا

مچھلی اُچھالتی ہے کلاہ آسمان پر
پلکین نہ سمجھو ہالۂ دود چراغ ہے
یہ بال چشم ناف کا تار نگاہ ہے
سنتے تھے تل کی اوٹ پہاڑ اب نظر پڑا
موسیٰ کی بھی نگہ نہو اس چشم تک رسا

اک جلوہ دے یہ چشم جسے اپنے نور کا
وہ خاک کے بھی مول نہ لے سرمہ طور کا

سجنے لگا سلاح وغا بہروہ پُردغا
یا ماہ آفتاب کو گویا گہن لگا +

کی خود نے خود نمائی سے زیب سر جفا
یا وارقد پہ کفر کا بخت سپر چڑا

اسلام مین جو ڈالے ہین رخنے یزید نے
ان رخنون کو کیا زرۂ تن پلید نے

پانون مین پہنے موزہ گمراہی جہان
اور تیغ ہند ہند جگر خوارہ کی زبان

کج فہمی معاویہ کی اُس نے لی کمان
فرد سپر تھی نامۂ اعمال شامیان

چار آئینہ وہ زنگ بھرا اس پلید کا
دل شمر و شیث و ابن زیاد و یزید کا

مضمون بندی وخیال آفرینی

میرانیس اور مرزا دبیر مین اصلی مابہ الامتیاز جو چیز ہے وہ خیال بندی اور دقت پسندی ہے اور یہی چیز مرزا صاحب کے تاج کمال کا طرہ ہے اسمین کچھ شبہہ نہین کہ مرزا صاحب کی قوت متخیلہ نہایت زبردست ہے۔ وہ اس قدر دور کے استعارات اور

تشبیہات ڈھونڈھکر پیدا کرتے ہین کہ وہان تک اُن کے حریفون کا طایر وہم پرواز نہین کرسکتا۔

راست نما اور دلفریب (لیکن غلط) استدلال جو شاعری کا ایک جزو اعظم ہے انکے ہان نہایت کثرت سے پایا جاتا ہے۔ وہ قوت متخیلہ کے زور سے نئے نئے اور عجیب دعوے کرتے ہین، اور خیالی استدلال سے ثابت کرتے ہین۔ مبالغہ کے مضامین جو پہلے شعرا باندہ چکے تھے اور بظاہر نظر آتا تھا کہ اب اس کی حد ہوچکی، ان کو وہ اس قدر ترقی دیتے ہین کہ پہلے مبالغے ان کے مقابلہ مین ہیچ ہوجاتے ہین، مختصر یہ کہ خیال آفرینی، دقت پسندی۔ جدت استعارات۔ اختراع تشبیہات۔ شاعرانہ استدلال شدت مبالغہ مین ان کا جواب نہین، لیکن اس زور کو وہ سنبھال نہین سکتے، اس وجہ سے کہین خامی پیدا ہوجاتی ہے، کہین تعقید اور اغلاق ہوجاتا ہے، تشبیہات کہین چیستان بن جاتی ہین اور کہین محض فرضی خیال رہ جاتی ہین۔ تاہم اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ جہان ان کا کلام فصاحت و بلاغت کے معیار پر بھی پورا اُترجاتا ہے نہایت بلند رتبہ ہوجاتا ہے۔ اس موقع پر ہم انکے ہر قسم کے عمدہ مضمون آفرینی کی متعدد مثالین نقل کرتے ہین ؎

(صبح)

حب[1] سرنگون ہوا علم کہکشان شب
تیر شہاب سے ہوئی خالی کمان شب

خورشید کے نشان نے مٹایا نشان شب
تانی نہ پھر شعاع قمر نے سنان شب

آئی جو صبح زیور جنگی سنوار کے
شب نے زرہ ستارون کی رکھدی اُتار کے

شمشیر مشرقی جو چڑہی چرخ پر شتاب
تھا اب کہ گرم خنجر بیضا سے آفتاب

پھر تیغ مغربی نے دکھائی نہ آب و تاب
باقی رہا نہ چشمۂ نیلوفری مین آب

محتاج ماہتاب ہوا آب و تاب کا

[1] اس کے مقابلہ مین میرانیس کی صبح دیکھو۔

باغ جہان مین پھول کھلا آفتاب کا

تھی جوش خون کے عارضہ مین مبتلا شفق
کھولی شفق کی صبح تو رنگِ اُفق تھا فق

فصّاد صبح آیا لئے نشتر و طبق
گلرنگ تھا صحیفہ گردون ورق ورق

خون شفق مین سرخ قضا نے قلم کیا
اور خط و خال روز شہادت رقم کیا

ایضاً

پیدا شعاع مہر کی مقراض جب ہوئی
اور قطع زلف لیلی زہرہ لقب ہوئی

پنہان درازی پر طاؤس شب ہوئی
مجنون صفت قبائے سحر چاک شب ہوئی

فکر رفو تھی چرخ ہنرمند کے لئے
دن چار ٹکڑے ہوگیا پیوند کے لئے

یوسف غریق چاہ سیہ ناگہان ہوا
یونس دہان ماہی شب سے عیان ہوا

یعنی غروب ماہ تجلی نشان ہوا
یعنی طلوع نیر مشرق ستان ہوا

فرعون شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب
دن تھا کلیم اور ید بیضا تھا آفتاب

تھی صبح یا کہ چرخ کا جیب دریدہ تھا
خورشید تھا کہ عرش کا اشک چکیدہ تھا

یا چہرہ مسیح کا رنگ پریدہ تھا
یا فاطمہؑ کا نالہ گردون رسیدہ تھا

کہئے نہ مہر صبح کے سینہ پہ داغ تھا
امید اہل بیت کا گھر بے چراغ تھا

نکلا اُفق سے عابد روشن ضمیر صبح
محراب آسمان ہوئی جلوہ پذیر صبح

کھولا سپیدی نے جو مصلاے پیر صبح — ہر سجدہ گاہ بن گیا مہر منیر صبح

کرتی تھی شب غروب کا سجدہ ودود کو
سیارے ہفت عضو بنے تھے سجود کو

ظلمت جہان جہان تھی وہان نور ہو گیا — پھر مشک شب جہان سے کافور ہو گیا
گویا کہ زنگ آئنہ سے دور ہو گیا — باطل رسالہ شب دیجور ہو گیا

کیا پختہ روشنائی تھی قدرت کے خامے مین
مضمون تھا آفتاب کا ذرون کے نامے مین

ایضاً

گلگونہ شفق جو ملا حور صبح نے — اسپند مشک شب کو کیا نور صبح نے
گرمی دکھائی روشنی طور صبح نے — ٹھنڈے چراغ کر دیئے کافور صبح نے

لیلاے شب کی رات کو دولت جو لٹ گئی
افشان جبین سے مہر درخشان کی چھٹ گئی

پیدا ہوا سپیدۂ طلعت نشان صبح — سلطان صبح نے کیا قصد اذان صبح
باندھا عمامہ نور کا پہنا کتان صبح — چرخ چہارمین پہ گیا خطبہ خوان صبح

مُنہ سب کے سوے قبلۂ اُمید ہو گئے
سرگرم سجدہ - عیسی و خورشید ہو گئے

آیا جو تیغ روز لئے شاہ نیمروز — ماہی شکار - شیر سوار و جہان فروز
باندھے کمر مین خنجر بیضاے کینہ سوز — پھر دیو ہفت سر ہوا صید عقاب روز

مہتاب - لشکرِ شہِ خاور مین گھر گیا

صبح

اترہ شعاع کا سر انجم پہ پھر گیا

بڑھ کر نقیب نور پکارا سحر سحر — ذرّون مین نو جوہر درآیا قمر قمر
فرمان نور بدر کو پہونچا بدر بدر — لوٹا سحر نے معدن شبنم گہر گہر

برقع جو اُٹھ گیا تھا رخ آفتاب کا
پردہ تھا فاش صبح ملمع نقاب کا

شاخ نیام سے ہوا اس طرح پہل جدا — پیرون کے قد سے جیسے جوانی کا بل جدا
ہستی جدا زمین پہ تڑپی اجل جدا — خنجر جدا فلک پہ گرا اور زحل جدا

غل تھا کہ اب مصالحۂ جسم و جان نہین
لو تیغ برق دم کا قدم درمیان نہین

ڈوبی سپر مین گر کے نئی چال ڈھال سے — پا گھر کے بیچ مین - یہ بڑھی سیدھی چال سے
اُٹھ کر زرہ مین آئی شکوہ و جلال سے — اک جال مین تڑپ کے گئی ایک جال سے

گذری جو چار آئینہ سے مُنہ کو موڑ کے
غل تھا پری نکل گئی شیشہ کو توڑ کے

کاٹا پلک مین آنکھ کو پتلی مین نور کو — پائون مین کجروی کو سرون مین غرور کو
سینہ مین بغض و کینہ کو دل مین فتور کو — نیت مین معصیت کو طبیعت مین زور کو

ذات اک طرف، مٹا دیا بالکل صفات کو
کیسی زبان - زبان مین یہ کاٹ آئی بات کو

سب کے گلون سے ملتی تھی لیکن ہری کی ہوئی — جوہر یہ تھا کہ بوجھ سے خود تھی جھکی ہوئی
ظرف تنک مین تھی نہ جگہ اسکی آب کی — ولہ — بندھتی تھی اور کھلتی تھی مٹھی حباب کی

دریا سی خون تھا تیغ سبک رو کی ناو پر
پر یون روان تھی جیسے کہ کشتی بہاو پر

وله

اللہ ری آسشنا ور شمشیر آبدار
دکھلا دسئے صفائی کے سب ہات ایک بار
تیرا وہ جو سے زخم مین کہ دار - گاہ پار
جوہر کا ایک بال بھی ڈوبا نہ زینہار
اک وجد حر کو بھی یہ صفا دیکھ کر ہوا
ہات اک طرف نہ تیغ کا ناخن بھی تر ہوا

جس مورچہ مین لیلی تیغ دو سر گئی
چمکے بھلون کو سایہ سے دیوانہ کر گئی
ہر صف نے خاک اڑائی - ادہر سے ادہر گئی
پھر یہ نہا نہا کے لہو مین - نکھر گئی
عالم نہ پوچھو قطرہ فشانی کے حسن کا
جوبن ٹپک رہا تھا جوانی کے حسن کا

آگے کبھی بڑہی - کبھی پیچھے کو پھر پڑی
سر پر جو لڑکھڑائی تو شانے پہ گر پڑی

وله

اٹھی - گری - بلند ہوی - پست ہو گئی
پی پی کے میکشون کا لہو مست ہو گئی

وله

نیزے تنے تو اسنے کہا دیکھے بھالے ہین
بچتی نہ خنجرون سے کہ گودی کے پالے ہین
برسے جو تیر سمجھی کمانون کے نالے ہین
چمکے جو گرز - بولی یہ منہ کے نوالے ہین
ننگ اپنا جان کر نہ کسی سے بگڑتی تھی
ہر پھر کے آپ اپنی طبیعت سے لڑتی تھی

بیجرم معرکہ مین وہ خارا شگاف تھی
لشکر کا خون کیا تھا مگر پاک و صاف تھی

وله

قبضہ تو رہا دست جناب شہ دین مین
پھل جا کے لگا شاخ سر گاو زمین مین

وله

اس قہر مجسم پہ اجل نے جو نظر کی
مجرا تو فقط کر لیا اور پیچھے کو سرکی
غصہ سے چڑہی بھون جو ادہر تیغ دو سر کی
پھرنے لگی پتلی سپر فوج عمر کی

باقی تھا نہ دم، خوف سے تیغین یہ گھٹی تھین
تیغین نہ کہو، نبضین نیامون کی چھٹی تھین

خود رفتہ تھا ہر تیر یہ رفتار نئی تھی	ولہ	انگڑائی کا لینا بھی کمان بھول گئی تھی
تھی راست گو وہ تیغ - یہ روشن جہان پہ تھا	ولہ	جتنا لہو پیا تھا وہ جاری زبان پہ تھا
کٹتے تھے سر نہ تیغ امام عراق سے	ولہ	بت گر رہے تھے خاک پہ کعبہ کے طاق سے
سر کو نہ وصل تیغ سے اصلا دریغ تھا	ولہ	کیا سب کی سرنوشت مین مصراع تیغ تھا
رک رک کے قدم رکھتی تھی ہر سر پہ ادب سے	ولہ	جھک جھک کے مثال شرفا ملتی تھی سب سے
جوہر کے نگہبانون کو بیدار جو پایا	ولہ	زخمون نے بھی اس تیغ کا پانی نہ چرایا
ہوتی تھین صفین آب دم تیغ سے بیدم حل کرتی تھی ہر مسئلہ تیغ تشنۂ عالم	ولہ	پانی جو کھڑے ہو کے پیو ہوتا ہے سن کم ہے خون نجس، اسمین یہ آلودہ تھی ہر دم

پر اسپہ نجاست کا گمان ہو نہین سکتا
یعنی کہ نجس آبِ روان ہو نہین سکتا

اللہ رے دماغ اسکا کسی سر پہ نہ بیٹھی
سر ایک طرف گنبد مغفر پہ نہ بیٹھی
بالائے سپر پھولون کے بستر پہ نہ بیٹھی

یہ بیٹھنا کب تھا، اِدھر آئی اُدھر آئی
جس سر پہ کہا پاؤن زمین پر اُتر آئی

اسی طرح گھوڑے کی سرعت، فوج کی ہل چل، آمد کی دہوم، وغیرہ وغیرہ مضامین مین سیکڑون ہزارون نئی تشبیہین، استعارات، اور باریکیان پیدا کی ہین - ہمنے اس خیال سے صرف نمونہ پر اکتفا کیا کہ جو شخص ایک تلوار کے متعلق اسقدر بے شمار مضامین کا مینہ برسا سکتا ہے، اسکی قوت مُتخیلہ کی کیا حد ہو سکتی ہے -

بلاغت

یہ وہ چیز ہے جہاں انیس، اور دبیر کی شاعری کی سرحدین، بالکل الگ ہو جاتی ہین، مرزا صاحب کی شاعری مین، بالفرض گو اور تمام اوصاف پائے جاتے ہون، لیکن بلاغت کا تو شایہ نہین پایا جاتا۔

تم اوپر پڑھ آئے ہو کہ ہر چیز کی بلاغت الگ ہے۔مضمون کی الگ، قصّہ کی الگ، قصیدہ کی الگ، شعر کی الگ، لیکن مرزا صاحب کے کسی قسم کے کلام مین یہ وصف پایا نہین جاتا۔وہ اگر کسی واقعہ کا خاکہ تیار کرتے ہین تو اس قسم کی باتین بیان کرتے ہین جو خود شہادت دیتی ہین کہ واقعہ وجود مین نہین آسکتا تھا نوحہ وغم۔فخر و ادعا۔طنز و تشنیع۔ہجو و بدگوئی۔سوال و جواب، گلہ و شکایت، غرض کسی مضمون کو وہ مقتضائے حال کے موافق نہین لکھہ سکتے۔

ہم چند مثالین، نمونہ کے طور پر لکھتے ہین۔

مثال ۱۔ ایک مرثیہ مین حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر، حضرت شہربانو کا جو نوحہ لکھا ہے اسمین لکھتے ہین ؎

تم جانو جہان سے شہ عالی کو لے آو		اکبر سے مین گذری پیر و الی کو لے آو	

"تم جانو جہان سے" اس محاورہ کے ابتذال سے قطع نظر کرکے یہ امر کسقدر خلاف مقتضاے حال ہے کہ کوئی شریف عورت یہ کہے کہ مین اپنے بیٹے سے درگذری، میرے شوہر کو جہان سے ممکن ہو پیدا کرو۔

مثال ۲ ناگہان بالی سکینہ نے مچلکر یہ کہا		میرے کرتے کا گریبان بھی کرو چاک چچا	
خوب ملبوس یہ ہے پہنین گے ہم بھی ایسا		روٹھہ جاؤنگی نہ مانوگے جو میرا کہنا	

آپ جب خیمہ مین آئینگے تو چھپ جاؤنگی

پھر مجھے گود مین لو گے تو نہ مین آؤن گی

روے ناداں کی تقریر پہ عباسؑ کمال
بے پدر ہوگی کوئی آن مین یہ نیک خصال

اور کہا دل سے کہ اسکا بھی کرو رونہ سوال
چاک اسکا بھی گریبان کیا با حزن و ملال

پیار جو آگیا بنت شہ دین کے اوپر
بوسے دیدے کے ملی خاک جبین کے اوپر

واقعہ یہ باندہا ہے کہ حضرت عباسؑ جب میدان مین جانے لگے تو اپنے بیٹے کا گریبان چاک کردیا کہ یتیمی کی علامت ہے، یہ دیکھکر سکینہؑ (حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی) نے کہا کہ میرے کرتہ کا گریبان بھی چاک کردو، مجھکو بھی یہ وضع اچھی معلوم ہوتی ہے، حضرت عباسؑ نے اس خیال سے کہ آخر حضرت امام حسینؑ بھی کچھہ دیر مین شہید ہونگے، اور حضرت سکینہؑ بھی یتیم ہو جائینگی، اس لئے انکا گریبان بھی چاک کردیا۔ حضرت عباسؑ کو، امام علیہ السلام سے جو مشفقیہ محبت تھی اور جسکا اظہار ہر جگہ مرزا صاحب نے بھی کیا ہے اسکے لحاظ سے یہ امر نہایت خلاف عقل اور خلاف عادت ہے کہ وہ حضرت امام حسینؑ کو قبل از وقت شہید فرض کرلین، اور اس بنا پر انکے بچہ کو یتیم فرض کرکے اسکا گریبان چاک کردین ؎

مثال ۳ یہ کہتی تھی کہ آئی قرین بنت مرتضےٰؑ
زینبؑ پکاری بیٹھو ادب میرا ہو چکا

تسلیم کرکے بانو نے سر کو جھکا لیا
جسکی نہ بات پوچھی تعظیم اُس کی کیا

سب جانتے ہین بنت جناب امیرؑ ہون
گھر مین تمہارے رہتی ہون اس سے حقیر ہون

حضرت زینبؑ کو اس بات کی شکایت ہے کہ علیؑ اکبر کو شہر بانو نے میری بغیر اطلاع کے لڑائی مین جانے کی کیون اجازت دی۔ اس بنا پر وہ حضرت شہر بانو سے کہتی ہین کہ جب میری بات نہین پوچھی جاتی تو تعظیم سے کیا فائدہ۔

لیکن اس مقصد کے اظہار کے لئے مرزا صاحب نے جو طریقہ اختیار کیا، وہ کسقدر سفیہانہ و عامیانہ ہے، یہ خیال کہ چونکہ مین اپنا گھر چھوڑ کر تمہارے گھر مین رہتی ہون اسلئے تم لوگ مجھکو حقیر سمجھتے ہو، نہایت پست اور مبتذل خیال ہے جو ہرگز حضرت زینبؑ کی متانت اور وقار کے شایان نہین۔

مثال ۴: محبوب ہون خدا سے ذوی الاحترام کا ۔۔۔ نانا ہون مین حسین علیہ السلام کا

یہ شعر جناب رسولؐ خدا کی زبان سے ادا کیا ہے، لیکن مرزا صاحب کو یہ خیال نہین رہا کہ کیا آنحضرتؐ بھی امام حسین علیہ السلام کا نام علیہ السلام کہہ کر لیتے تھے، ۵

مثال ۵: یہ بات سنکے بنت علی نے گھونگٹ الٹ لیا ۔۔۔ عباسؑ کو، حسینؑ کو، اکبرؑ کو دی صدا
صدقے مین تم یہان سے سرک جاؤ اک ذرا ۔۔۔ تم سب کے آگے روتے ہوئی آئے گی حیا

ماتم کا ہے ہجوم دل پاش پاش پر
جی بھر کے روئے یہ بنے قاسمؑ کی لاش پر

سرکے وہان سے اکبرؑ و عباسؑ و شاہ دین ۔۔۔ لاشہ کے گرد پھرنے لگی وہ دلہن حزین
زینبؑ سے پوچھنے یہ لگی پھر وہ مہ جبین ۔۔۔ اب اختیار دل پہ مرے مطلقاً نہین

نوشاہ ایک رات کے جو قتل ہوتے ہین
بتلاؤ اے پھوپھی! انہین کیا کہکے روتے ہین

یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ مرزا صاحب، اور دیگر تمام مرثیہ گویون نے اہل حرم کی عادات اور مراسم ہندوستان کے شرفا کی مستورات کے مطابق فرض کئے ہین، چنانچہ عروسی۔ شادی۔ اور میت کے متعلق جس قسم کے مراسم و عادات یہان ہین وہی تمام مرثیون مین مذکور ہین۔ اس بنا پر حضرت کبریٰ کا اپنے باپ، چچا۔ اور بھائی سے یہ کہنا کہ تم لوگ، یہان سے سرک جاؤ۔ مین اپنے شوہر پر نوحہ کرنا چاہتی ہون۔ کسقدر بے حجابی اور بے شرمی ہے۔ طرہ یہ کہ یہ بھی کہتی ہین کہ تم سب کے آگے روتے ہوئے شرم آئیگی

لیکن یہ کہتے ہوئے شرم نہ آئی - مرزا صاحب نے اسی واقعہ کو ایک اور مرثیہ مین لکھا ہے اور وہان تو حد کر دی ہے، فرماتے ہین ؎

ناگاہ شہ نے لاش اُٹھائی یہ صد بکا
ہم کچھ کہین جو مانئے اے شاہ کربلا
کبریٰ نے بات باندہ کے تب شاہ سے کہا
احسان ہو گا لاش کو رکھ دیجئے ذرا

بالین پہ بیٹھین سر پہ ذرا خاک ڈال لین
ہم بھی کچھ اپنے دل کی تمنا نکال لین

میر انیس نے اسی واقعہ کو کس خوبی سے ادا کیا ہے ؎

رو کر بہن سے کہنے لگے شاہ بحر و بر
بیٹی سلٹے گی یون، ہمین اسکی نہ تھی خبر
اس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر
اب شرم کیا ہے دیکھ لے دولہ کو اک نظر

زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پدر بھی ہے
دولہا ہے نام کو بھی، چچا کا پسر بھی ہے

اس بلاغت کو دیکھو کہ چونکہ حضرت امام حسینؑ کا بھی یہ کہنا کہ اب شرم کیا ہے، دولہ کو دیکھ لے ایک گونہ رسمی حیا کے خلاف تھا اس لئے ان کی زبان سے یہ الفاظ ادا کئے کہ وہ برائے نام دولہا ہے ورنہ چچا کا بیٹا، اور بھائی ہے ؎

حضرت یہ کہہ کے ہٹ گئے با چشم اشکبار
چادر سپید اوڑہا کے دلہن کو بحال زار
بیٹھی یہ سر کہ غش ہوئی بانوے دلفگار
گودی مین لائی زینبؑ غمگین و سوگوار

چلائی مان یہ گر کے تن پاش پاش پر
قاسم بنے اُٹھو - دلہن آئی ہے لاش پر

ہے ہے بنے قاسم کا ہوا شور جو در پر
بانوؑ نے کہا لٹ گئی لوگو! امیری دختر

فرزند کے لاشہ سے پٹنے لگی مادر — سر پیٹتی دوڑی شہ مظلوم کی خواہر

پھر کون ہے بنت علیؑ جب نکل آئے
خیمہ مین دولہن رہ گئی، اور سب نکل آئے

مثال ۶ — کہا سجادؑ سے کبریٰؑ نے یہ اس دم رو رو — بھائی صاحب مرے دولہ کو بھی اب دفن کرو
تا مجاور مین بنون کھول کے اپنے سر کو — کہا کبریٰؑ سے یہ سجاد حزین نے کہ چلو

ٹکڑے لاشون کے بہم با دل غمناک کرین
قاسم ابن حسنؑ کو بھی تہ خاک کرین

ایک رات کی بیاہی ہوئی عورت کا، اپنے بھائی سے یہ کہنا کہ میرے دولہ کو بھی دفن کرو، کسقدر خلاف عادت ہے۔

مثال ۷ — حضرت سکینہؑ، کو قیدخانہ مین غش آگیا ہے، ان کی ماں حضرت شہربانو کو خیال ہوا کہ مرگئین، انہون نے نوحہ شروع کیا حضرت زینبؑ انکو سمجھاتی ہین۔ اس واقعہ کو مرزا صاحب اسطرح ادا کرتے ہین

زینبؑ نے رو کے، بانوے مغموم سے کہا — بے آس ہو نہ بھابی، یہ غش ہین یہ لقا
اور مر گئی تو خیر جو اللہ کی رضا — اب اسکے رفع غش کی یہ اسوقت ہے دوا

ہے عاشق حسینؑ یہ پیاری حسینؑ کی
اب غل کرو کہ آئی سواری حسینؑ کی

تسکین اور تسلی دینے مین یہ کہنا کہ "خیر مر گئی تو کیا کرو گی، جو اللہ کی رضا"، کس قدر ناموزون ہے اور خلاف آدمیت ہے۔

یہان ہم نے اجمالاً صرف چند مثالین لکھدین اسکے بعد متحد المضمون مرثیون کا جو عنوان ہے اس سے تفصیلاً معلوم ہوگا کہ مرزا صاحب بلاغت کی راہون سے کس قدر ناآشنا ہین۔

میر انیس اور مرزا دبیر کے متحد المضمون مرثیے

میر انیس اور مرزا دبیر کے موازنہ کا صحیح تر اور آسان طریقہ یہ ہے کہ دونوں صاحبوں کے ہم مضمون مرثیوں کا مقابلہ کیا جاے، چونکہ مرثیہ کا موضوع، صرف چند معین واقعات ہیں اسلئے اگرچہ دونوں صاحبوں کا انداز شاعری بالکل الگ الگ ہے، تاہم واقعات، اور مضامین، میں ہر جگہ اشتراک پیدا ہو جاتا ہے، اسکے ساتھ یہ بھی نظر آتا ہے کہ دونوں حریفوں نے اکثر مرثیے، اور بند، اور متفرق اشعار، ایک دوسرے کے مقابلہ میں لکھے ہیں، یہاں تک کہ بعض بعض بندوں میں مضمون، ردیف، اور قافیے تک مشترک ہیں، افسوس ہے کہ ان موقعوں پر یہ پتہ نہ چل سکا کہ ابتدا کس نے کی، اور جواب کس نے لکھا، تاہم بعض بعض قراین سے (جیسا کہ ہم دیباچہ میں لکھ آئے ہیں) ثابت ہوتا ہے کہ مرزا دبیر صاحب زیادہ تر مقابلہ کا قصد کرتے تھے، مثلاً ایک مرثیہ میں میر انیس نے فخریہ کے ساتھ زمانہ کی ناقدری کی شکایت کی تھی، اس کے ایک بند کی ٹیپ یہ ہے ؎

عالم ہے مکدر، کوئی دل صاف نہیں ہے	اس عہد میں سب کچھ ہے، پر انصاف نہیں ہے

اسی بحر میں مرزا دبیر صاحب کا بھی مرثیہ ہے، اس میں بھی فخریہ ہے، اور ایک بند کی ٹیپ یہ ہے ؎

دل صاف ہو، کس طرح کہ انصاف نہیں ہے	انصاف ہو کسطرح کہ دل صاف نہیں ہے

دونوں شعروں کو دیکھ کر، ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس نے کسکا جواب لکھا ہے،

میر انیس اکثر شعروں میں مرزا دبیر پر سرقہ اور خوشہ چینی کی چوٹ کرتے ہیں مثلاً ؎

لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار	خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

ع پیاسو! یہ سبیل ہے نذر حسین کی، ؎

ممکن نہیں زندانِ معانی سے نجات	سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

بھلا تردد بیجا سے اس ہین کیا حاصل		اُٹھا چکے ہین زمیندار جن زمینون کو	
نوا سنجیون نے تری اے انیس	و لہ	ہر اک زاغ کو خوش بیان کر دیا	

ع مضمونِ انیس کا نہ چربا اُترا،

لیکن مرزا دبیر نے میر انیس پر کہین سرقہ کی تعریض نہین کی ہے بلکہ صرف اپنی برات ظاہر کی ہے مثلاً

واللہ بری ہون سرقہ مضمون غیر سے	ہے استفادہ مجھکو احادیث و سیر سے
شکر خدا کہ سرقہ کی حد سے بعید ہون	ہر مرثیہ مین موجد طرزِ جدید ہون

بہرحال کم سے کم ہکو یہ فرض کر کے کہ دونون مین سے کوئی سرقہ کا مجرم نہین، صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ اس مضمون کو کس نے خوبی سے ادا کیا ہے، چنانچہ ہم دونون کے متحد المضمون مرثیے اور اشعار ذیل مین درج کرتے ہین

پردہ کا اہتمام

انیس	بیت الشرفِ خاص سے نکلے شہ ابرار	روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترتِ اطہار
	فراشون کو عباسؑ پکارے یہ بہ تکرار	پردہ کی قناتون سے خبردار خبردار

باہر حرم آتے ہین رسولؐ دوسرا کے
شقہ کوئی جھک جاے نہ جھونکون سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اُتر جاے	آتا ہو ادہر جو وہ اُسی جا پہ ٹھہر جاے
ناقہ پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جاے	دیتے رہو آواز جہانتک کہ نظر جاے

مریم سے سوا حق نے شرف انکو دیے ہین
افلاک پہ آنکھون کو ملک بند کیے ہین

دبیر	دربان عصا اُٹھا کے بڑھے جانب بسیار	دہنی طرف نقیب گئے باندھ کر قطار
	آآ کے در پہ لونڈیان چلائین بار بار	آے ادہر جناب نہ کوئی جاے ہوشیار

آواز غیر سُن کے وہ اندیشہ کرتی ہے
آہستہ بولو دختر زہرا اُترتی ہے

عفت کے جتنے مرتبے خیر النسائنے پائے
ہان ہان مسافرو نہ کوئی غل مچانے پائے

وہ مان کے بعد دختر مشکل کشانے پائے
ناقہ پہ بیٹھ کرنہ اِدہر کوئی آنے پائے

حسن ادب یہی ہے کہ حق کو پسند ہو
وہ بیٹھ جائے جسکا کہ قامت بلند ہو

دونون بزرگون نے عورتون کے پردہ کے اہتمام کا سمان باندہا ہے لیکن میر صاحب نے اس مضمون کو اس فصاحت و بلاغت سے ادا کیا ہے اور اس طرح واقعہ کی تصویر کھینچدی ہے کہ اسکے سامنے مرزا صاحب کے اشعار کا پیش کرنا بھی، میر صاحب کی ناقدردانی ہے، روانی، شستگی۔ خوبی محاورہ۔ چستی بندش، کے علاوہ بلاغت کے نکتون پر لحاظ کرو، میر صاحب۔ نے پردہ کے اہتمام اور لوگون کے ہٹانے اور روکنے کو حضرت عباسؑ کی طرف منسوب کیا ہے جس سے حضرت زینبؑ کی عظمت و شان کے اظہار کے علاوہ، اصلی واقعہ کی مطابقت ہوتی ہے، کیونکہ تمام معزز خاندانون مین پردہ کا اہتمام خود خاندان کے ممبر کیا کرتے ہین بخلاف اسکے مرزا صاحب نے یہ کام بالکل دربانون، نقیبون، اور لونڈیون کے سپرد کردیا ہے، جس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ یا تو گھر مین کوئی مرد تھا ہی نہین، یا تھا تو اسکو عورتون کی چندان پروا نہ تھی، پردہ کے اہتمام مین نقیبون کا کیا کام ہے، لونڈیون کے غل مچانے سے ثابت ہوتا ہے کہ ادب و شائستگی نہین پائی جاتی،

ذیل کے یہ دونون مصرعے بالکل ہم مضمون ہین لیکن دونون مین زمین و آسمان کا فرق ہے

انیس ناقہ پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے،
دبیر ناقہ پہ بیٹھ کر نہ اِدہر کوئی آنے پائے،

صغریٰ کی آزردگی

دبیر

صغرا نے کہا صاحبو کیا کرتے ہو گفتار
اک بات پکڑ لی کہ یہ بیمار ہے بیمار
شاید کہ سفر ہی میں شفا دے مجھے غفار
یاں کون خبر لے گا مری یہ در و دیوار

اتنی بھی تو طاقت نہیں جو اُٹھ کے کھڑی ہوں
اے لوگو! میں کیا آپ سے بیمار پڑی ہوں

واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام، تمام اہل حرم کو ساتھ لیے جاتے ہیں لیکن حضرت صغرؑا کو بیمار ہونے کی وجہ سے چھوڑے جاتے ہیں۔ اس پر وہ گریہ و زاری کرتی ہیں حضرت امام حسینؑ، اور گھر کی عورتیں سمجھاتی ہیں کہ تم بیمار ہو، سفر کے مصائب برداشت نہیں کر سکتی ہو صغرؑا جواب دیتی ہیں اسی مضمون کو میر انیس صاحب ادا کرتے ہیں ؎

کیا خلق میں لوگو! کوئی ہوتا نہیں بیمار
ہے کونسی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار
زندہ ہوں پہ مردہ کی طرح ہو گئی و شمار
کیوں جاگتے ہیں سب مجھے ہے کونسا آزار

حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اسکا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے مُنہ تکتی ہوں جس کا

مرزا صاحب نے بھی عمدگی سے اس واقعہ کو ادا کیا ہے لیکن میر صاحب کے طرز بیان میں جو حسرت رنج اور بیکسی ہے وہ مرزا صاحب کے ہاں نہیں، "اک بات پکڑ لی" عامیانہ اور سوقیانہ طرز گفتگو ہے، ٹیپ کے دونوں مصرعوں میں کوئی ربط نہیں، اور یہ کہنا کہ مجھکو اُٹھنے کی بھی طاقت نہیں، صغرؑا کی خواہش پر ناکامی کا اثر پیدا کرتا ہے، کیونکہ جب اُٹھنے کی طاقت نہیں تو وہ سفر کیونکر کر سکتی ہیں،

اسی بنا پر میر انیس نے جہاں یہ واقعہ باندھا ہے صغریٰؑ کی زبان سے یہ کہا ہے ؎

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت
تپ کی بھی ہے شدت میں کئی روز سے خفت

بستر سے مین خود اُٹھ کے ٹہلتی بھی ہون حضرت	پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت

حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو مرے مُنہ کا بھی مزا تلخ نہین ہے

دیکھو **حضرت صغرا** کس کس طرح سے بیماری کی تخفیف اور قریب الصحۃ ہونے کو ثابت کرتی ہین۔

اصغرؑ سے خطاب

دبیر

پردہ کو اُٹھا کر یہ کہا بانوؑ نے رو رو	صدقے گئی، فال ایسی تو مُنہ سے نہ نکالو
سب جیتے ہین بیکس نہ ابھی آپ کو سمجھو	شبّیرؑ ہو - دینا ہو - ترا کنبہ ہو - تو ہو

کب مین نے کہا یہ نہین اصغرؑ ہے تمہارا
لو شوق سے دیکھو، یہ برادر ہے تمہارا

پھر ہاتون پہ اصغرؑ کو کہا کر کے یہ زاری	لٹکا دیے ہات اُس نے ہمک کر کئی باری
مان نے کہا لو گود مین یہ آتے ہین واری	اصغرؑ کی طرف ہات اُٹھا کر وہ پکاری

پھر جیتی ملون یا نہ ملون تجھ سے بلا لون
آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگا لون

صغراؑ کا رخصت کے وقت علی اصغرؑ کو حسرت اور پیار سے دیکھنا نہایت درد انگیز سمان ہے، اور اکثر مرثیون مین یہ سمان نہایت موثر طریقہ سے دکھایا جاتا ہے، لیکن **مرزا صاحب** ایسے درد انگیز واقعہ کو بھی تاثیر کا رنگ نہ دے سکے، دیکھو میر صاحب، اسی بات کو کس لہجہ سے ادا کرتے ہین ؎

مان بولی یہ کیا کہتی ہے **صغراؑ** ترے قربان	گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جاے مری جان
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہبان	صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن

کیا بھائی جدا بہنون سے ہوتے نہین بیٹا

کنبہ کے لئے جان کو کھوتے نہیں بیٹا

مین صدقے گئی بس نہ کرو گریہ و زاری
وہ کانپتی ہاتون کو اُٹھا کر یہ پکاری

اصغرؔ مرا روتا ہے صدا سُنکے تمھاری
آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان سے گئے تم
اصغر مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہین سکتی
جو دل مین ہے لب پر وہ سخن لا نہین سکتی

تپ سے تمھین چھاتی سے بھی لپٹا نہین سکتی
رکھ لون تمھین امان کو بھی سمجھا نہین سکتی

بیکس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے
تم ہو سو تمھین طاقتِ گفتار نہین ہے

اس واقعہ کا نہایت دردانگیز پہلو صغرا کا خود اصغر سے مخاطب ہونا، اور جوش محبت مین چھہ مہینہ کے بچہ سے اپنا دردِ دل کہنا تھا، مرزا صاحب صرف یہ کہکر رہ گئے ع آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگا لون، میر صاحب نے پورا دردِ دل کہا اور کس موثر طریقہ سے کہا۔ مرزا صاحب کا یہ مصرع ع صغرا کی طرف ہاتھ اُٹھا کر وہ پکاری، میر صاحب کے اس مصرع کے جواب مین ہے ع وہ کانپتی ہاتھون کو اُٹھا کر یہ پکاری،

لیکن دونون مین کوئی نسبت نہین، میر صاحب کے ہان ہات کے ساتھ کانپنے کی قید نے کسقدر بلاغت پیدا کر دی ہے، - ذیل کے ان دونون مصرعون مین بھی زمین آسمان کا فرق ہے۔

ع آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری،

ع آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگا لون، "چھوٹا مسافر" مرزا صاحب کا ایجاد ہے

اعلیٰ و ادنیٰ کا مقابلہ

کچھ خارِ مغیلان گل تر ہو نہین جاتا
قلعی سے کچھ آئینہ قمر ہو نہین جاتا

ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہین جاتا　　مس پر جو ملمع ہو تو زر ہو نہین جاتا

جس پاس عصا ہو اُسے موسیٰؑ نہین کہتے
ہر ہات کو عاقل یدِ بیضا نہین کہتے

میر انیس کا یہ مشہور بند ہے، مرزا صاحب نے اسکے جواب مین بڑی کوشش کی مختلف بحرین اختیار کین، بہت سی نئی نئی تشبیہین ڈہونڈہین لیکن وہ بات پیدا نہوئی مرزا صاحب فرماتے ہین ؎

احکام یزید اور ہین اور اپنے امور اور　　باطل کی نمود اور ہے اور حق کا ظہور اور
نمرود کی آگ اور ہے، اور آتش طور اور　　زنبور کا غل اور ہے، الحان زبور اور

سمجھو تو سہی تم کہ بشر کیا ہے ملک کیا
بت کیا ہے، خدا کیا ہے، زمین کیا ہے، فلک کیا

سامان سے کوئی صاحب ایمان نہین ہوتا　　ہر اہل عصا موسیِ عمران نہین ہوتا
پہنے جو انگوٹھی وہ سلیمانؑ نہین ہوتا　　آئینہ گر اسکندرِ دوران نہین ہوتا

لاکھ اوج ہو پشہ کا ہما ہو نہین جاتا
بت سجدۂ کافر سے خدا ہو نہین جاتا

یہ تشبیہات کافی نہ ہوئین تو ایک اور مرثیہ مین بہت سی تشبیہین جمع کین ؎

ہر سبز پوش خضر نہین عز و جاہ مین　　سر سبز حیدری ہین جناب الٰہ مین
یوسف نہ ہوگا لاکھ گرے کوئی چاہ مین　　دن رات کا ہے فرق سفید و سیاہ مین

کوئی یتیم فاطمہؑ سا خوش گہر نہین +
ہر اک یتیم دُرِ یتیم اے عمر نہین +

چاہے زرہ بنا کے جو داؤد کا وقار　　واللہ جعل ساز ہے کیا اسکا اعتبار

ہر بخیہ گر نہ ہو کبھی ادریس نامدار	ہر ناخدا کو نوحؑ کہے گا نہ ہوشیار

کیا جاہلون کے عیش کا سامان ہوگیا
بیٹھا جو تخت پر وہ سلیمان ہوگیا

حر کا واقعہ۔ حُر پہلے یزید کی طرف تھا، لیکن خدا نے ہدایت دی، اور معرکہ جنگ شروع ہونے سے پہلے، وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی فوج مین چلا آیا، اُسکا آنا، معافی کا خواستگار ہونا، لڑنے کی اجازت طلب کرنا، زخمی ہوکر گرنا، امام علیہ السلام کا اُسکے پاس جانا، اُسکا انتقال کرنا، یہ واقعات اکثر مرثیون مین دونون نے لکھے ہین، لیکن ایک مرثیہ مین بحر اور اکثر قافیے تک مشترک ہین، ان دونون مرثیون کے مقابلہ کرنے سے، دونون حریفون کے مدارج کا پورا اندازہ ہوجاتا ہے ؎

مرزا دبیر	کتنے یہ گھوڑون پہ غازی ہوے دونون اسوار اور چلے شاہ کی جانب کو بڑھا کر رہوار	پہونچے نزدیک شہ دین تو بکارا جرار بخشدے جرم شہنشاہ نجفؑ کے دلدار

رو سے الطاف کو ہم سے نہ پھرانا آقا
نہین اس در کے سوا کوئی ٹھکانا آقا

میر انیس	ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اک بار الغیاث اے جگر و جان رسول مختار	مجرم ایسا ہون کہ عصیان کے نہین جسکے شمار عفو کر، عفو کر، اے چشمۂ فیض غفار

پار دریاے خطا سے مری کشتی ہوجاے
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہوجاے

مرزا دبیر	واسطہ احمدؐ و زہراؑ و حسنؑ کا اے شاہ نذر سر لایا ہون، مقبول ہو اے عرش پناہ	بخشد و عفو کرو، بندۂ عاصی کا گناہ اور بتاؤ مرے بیٹے کو بھی فردوس کی راہ

حُر عوض آپ کے مقتول جفا ہوئے گا

اور اکبر پہ مرا لال فدا ہوئے گا

میر انیس
کئی روزون سے تلاطم مین ہون اے شاہنشاہ
دست و پا گم ہین کچھ ایسے کہ نہین سوجھتی راہ
مدد اے نوح غریبان مرا بیڑا ہے تباہ
شور کرتا ہوں کہ بتلائے کوئی جائے پناہ

ابر رحمت کی طرف جائیہ صدا دیتے ہین
سب ترے دامن دولت کا پتہ دیتے ہین

دبیر
پیشوائی کو چلے حُر کے شہنشاہ زمن
کانپ کر پاے مبارک پہ جھکا سر افگن
ہات کھولے پسر عقدہ کشا نے فوراً
سر اُٹھا کر کیا سرور نے یہ بھائی سے سخن

گو سر حُر پہ ہے خالق کے کرم کا سایا
آن کر تم بھی کرو اسپہ علم کا سایا

انیس
استغاثہ یہ کیا حُر نے جو با دیدۂ نم
خود بڑہے ہاتون کو پھیلا کے شہنشاہ امم
جوش مین آگیا اللہ کا دریاے کرم
حُر کو یہ ہاتف غیبی نے صدا دی اُسدم

شکر کر سبط رسول الثقلین آتے ہین
اے برادر تیرے لینے کو حسینؑ آتے ہین

حُر نے دیکھا کہ چلے آتے ہین بیدل شبیرؑ
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے باتوقیر
دوڑ کر چوم لئے پاے شہ عرش سریر
مین نے بخشی مرے اللہ نے بخشی تقصیر

مین رضامند ہون کس واسطے مضطر ہے تو
مجھکو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

دبیر
حُر نے فرزند پیمبر سے یہ اسوقت کہا
آپ کی بندہ نوازی پہ فدا اے آقا
سایہ دامن رایت تو ہے ظل طوبیٰ
رُخ کیا جب سے ادہر کا یہ ہے الطاف خدا

مرحبا فاطمہ زہرا مجھے فرماتی ہین
سایہ چادر کا مرے سر پہ کئے آتی ہین

انیس

حُر پکارا "بابی انت وامی" یاشاہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن مین مل جائے راہ
قابلِ عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
سب یہ صدقہ انہین قدمون کا خدا ہے آگاہ
مہر ذرہ پہ جو ہو نیر تابان ہو جائے
آپ جس مور کو چاہین وہ سلیمان ہو جائے

دبیر

عرض کی بہر شہ والا سے بہ جوشِ رقت
عفو تقصیر ہوئی - اب ہو عنایت رخصت
کرتے ہین دشمنِ دین جنگ پہ اس دم سبقت
دیکھنے کی نہین بندے مین ذرا اب طاقت
گر رضا پائے تو سر اپنا کٹائے فدوی
زخم شمشیر و سنان سینہ پہ کھائے فدوی

انیس

لائے اس عزت و حرمت سے جو مہمان کو امامؑ
شہ نے فرمایا مناسب ہے کوئی دم آرام
بولے عباسؑ کمر کھول اب اے نیک انجام
عرض کی حُر نے کہ خلد مین کھولے گا غلام
فاتحہ پڑھ کے یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی اُمنگ
لشکر شام سے پیہم چلے آتے ہین خدنگ
ایک ہی وار مین دونون کو کرونگا چو رنگ
شاہزادون کی سپر ہون کہ عبادت ہے یہ جنگ
کہین ایسا نہو بچہ کوئی بیجان ہو جائے
سب سے پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قربان ہو جائے

دبیر

پسر حُر کے معرف علی اکبرؑ تھے کہ واہ
حُر کو دیتے تھے صدا شاہ کہ سبحان اللہ

	دونون تسلیم کنان صرف وغا تھے نزی جاہ	مژدهٔ گلشن جنت انھین پہونچا ناگاہ	

دونون یک مرتبہ بیزار ہوے جینے سے
نیزۂ ظلم وستم پار ہوئے سینے سے

انیس	بڑھ کے فرماتے تھے عباسؑ نہے عزت وجاہ کہتے تھے ابن حسن واہ حُر غازی واہ	بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبر شاہ شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے سبحان اللہ

اپنی جانبازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

دبیر	اس گھڑی فاطمہ کے لال سے حُر نے یہ کہا شیر حق میرے سرہانے ہین کھڑے ای مولا	آپ کے صدقہ سے یہ رتبہ ہوا خادم کا جام کوثر لیے کہتے ہین بصد لطف وعطا

لے اسے پی کہ بہت تشنہ دہن ہے اے حُر
جلد آ دیکھ یہ جنت کا چمن ہے اے حُر

	ان سے مین عرض یہ کرتا ہون کہ ای شاہ زمان صبح سے جھولے مین بیہوش ہے اصغر نادان	پسر فاطمہ پیاسا ہے مجھے پیاس کہان تشنہ لب ہے کئی دن سے علی اکبر سا جوان

پیاسا ہون، اسے بھی پانی نہ پیون گا مولا
جام کوثر نہ بن آقا کے پیون گا مولا

انیس	نیم وا چشم سے حُر نے رخ مولا دیکھا مسکرا کر طرف عالم بالا دیکھا	زیر سر زانوے شبیر کا تکیا دیکھا شہ نے فرمایا کہ اے حُر بری کیا دیکھا

عرض کی حسن رخ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

مجھکو لینے چلے آتے ہین فرشتے یاشاہ | ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
خلد سے شیر خدا نکلے ہین اللہ اللہ | لو برآمد ہوے شبر بھی پدر کے ہمراہ

سنگئے سر احمد مختار کی پیاری آئی
دیکھیے آپ کے نانا کی سواری آئی

دبیر

مڑکے عباس دلاور کو پکارے سرور | روک لو تم کہ سکینہ چلی آتی ہے ادہر
گئے عباس ادہر یان ہوا برپا محشر | حر بھی فرزند بھی حر کا ہوا گویا رو کر

غش پہ غش تشنہ دہانی کے سبب آتے ہین
الفراق اب چمن خلد کو ہم جاتے ہین

انیس

قبلہ رو کیجیے لاشہ مرا اے قبلۂ دین | پڑھیے یسین کہ اب ہے یہ دم باز پسین
کوچ نزدیک ہے اے بادشہ عرش نشین | لیجیے تن سے نکلتی ہے مری جان حزین

بات بھی اب تو زبان سے نہین کیجاتی ہے
کچھ اڑھا دیجیے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہکے یہ گود مین شبیر کے لی انگڑائی | آیا ماتھے پہ عرق - چہرہ پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا ہمین چھوڑ چلے کیون بھائی | چل بسے حر جری پھر نہ کچھ آواز آئی

طائر روح نے پرواز کی طوبا کی طرف
تیلیان رہ گئین پھر کر شہ والا کی طرف

میر انیس کے اشعار مین بلاغت کی جو باریکیان اور دقائق ہین، ان سے ہم اس موقع پر بحث نہین کرتے، یہان صرف یہ دکھانا ہے کہ حسن بندش سے کلام مین کس قدر صفائی - برجستگی اور زور پیدا ہوجاتا ہے -

قیدخانہ کے واقعات

قیدخانہ کا حال، اور ہند کے آنے کا واقعہ دونون نے لکھا ہے۔ اور ایک بحر مین لکھا ہے۔ میرانیس کا مطلع ہے **مصرع** جب قیدیون کو خانہ زندان مین شب ہوئی۔
اور مرزا صاحب کا مطلع ہے **مصرع** جب قیدیون کو راہ مین ماہ صفر ہوا۔
میرانیس نے تفصیلی حالات نہایت موثر پیرایہ مین لکھے ہین۔ مرزا صاحب کے ہان صرف ۳۶ بند ہین۔ لیکن بعض مضامین مشترک ہین۔ وہ ملاحظہ ہون ؎

دبیر
راوی نے حال خانہ زندان ہے یون لکھا
آئی جو شب اسیرون کو صدمہ بڑا ہوا
وحشت مین مثل قبر، اور آفت مین کربلا
نہ فرش تھا نہ سایہ تھا۔ نہ پانی نہ غذا
شمعون کی روشنی نہ چراغون کی روشنی
بس ہاتھ حسین کے داغون کی روشنی

انیس
کیجیے شکستگی خرابہ کا کیا بیان
وحشت کا گھر ہراس کی جا خوف کا مکان
ثابت نہ جس مین سقف نہ در اور نہ سائبان
وہ شب کہ الحذر، وہ اندھیرا کہ الامان
ظلمت سراے گور تھی۔ زندان کا گھر نہ تھا
حجرے یہ تنگ تھے کہ ہوا کا گذر نہ تھا

دبیر
ناگاہ مشعلون کی ہوئی روشنی نمود
زینب کے دل پہ صدمہ ہون سے ہوا فزود
اور غل ہوا کہ ہند کا زندان مین ہے ورود
غربت سے کانپنے لگی وہ خاصہ ودود
سر زانوون کے بیچ مین شرما کے دھر لیا
اور بیڑیون کو خاک مین پوشیدہ کر لیا

بچون سے پھر یہ بولی وہ آفت کی مبتلا
ناگاہ آئی قیدیون مین ہند باوفا
اب نام لیجیو نہ مرا تم پہ مین فدا
زنجیر پہنے دیکھ کے عابد کو دی ندا

بیداد اہل ظلم سے یارب دہائی ہے
اس ناتوان کو آہ یہ بیڑی پنہائی ہے

انیس

نکلی محل سرا سے یہ کہکر وہ خوش سیر
تھین ساتھ ساتھ چند خواصین بھی نوحہ گر
پہنچی جناب حضرت زینبؑ کو یہ خبر
رنگ اُڑ گیا یہ کہنے لگی سر کو پیٹ کر
اپنا نہین خیال، بزرگون کا پاس ہے
ہے ہے، کہان چھپون وہ مری روشناس ہے

ہے شرم کی جگہ کہ مین ہون خواہر امام
غمگین وسوگوار و پریشان و تشنہ کام
ہم ہین فقیر، ہم مین امیرون کا کیا ہے کام
لوگو بتا نہ دیجیو کہین اسکو میرا نام
پوچھے جو وہ کسی سے کہ زینب کدھر گئی
کہدیجیو کہ بھائی کے ہمراہ مر گئی

دبیر

زینبؑ کو بھی سکوت کا یارا نہ پھر رہا
بولے نہ ان سے پوچھ یہ زینبؑ کا ماجرا
کیا جانیے کہ بعد حسین اسپہ کیا ہوا
قدمون پہ ہند گر پڑی پہچان کر صدا
رو کر کہا قسم مجھے رب قدیر کی
زینبؑ تمہین ہو بیٹی جناب امیرؑ کی

انیس

یہ سُن کے ہند رونے لگی تب بہ اشک و آہ
پھر مڑ کے روئے حضرت زینب پہ کی نگاہ
مُنہ سے ہٹائے بال تو حالت ہوئی تباہ
بیساختہ کہا کہ زہے قدرت اله
ہرگز غلط نہین جو مجھے اشتباہ ہے
زینبؑ تمہین ہو خالق اکبر گواہ ہے

میرانیس اور مرزا دبیر کے موازنہ مین، عموماً میرانیس کی ترجیح ثابت ہوگی لیکن ہر قطعہ مین مستثنی ہوتا ہے

بعض موقعون پر مرزا دبیر صاحب نے جس بلاغت سے مضمون کو ادا کیا ہے میر انیس سے نہین ہو سکا چنانچہ ذیل کی مثال سے اسکی تصدیق ہوگی۔

حضرت علی اصغرؑ کے لئے پانی مانگنا

واقعات کربلا مین یہ واقعہ نہایت دردانگیز ہے کہ تمام اعزہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ علیہ السلام، اپنے ششماہہ بچے (علی اصغرؑ) کو دشمنون کے سامنے لیجا کر اس بات کے ملتجی ہوے کہ یہ بچہ پیاس سے مرتا ہے، اس کے گلے مین پانی کی ایک بوند ٹپکا دو، اس واقعہ کو میر ضمیر سے لیکر آج تک نئے نئے موثر پیرایون مین ادا کیا جاتا ہے، میر انیس صاحب نے مختلف مرثیون مین یہ واقعہ لکھا ہے، اور ہر جگہ نیا پہلو اختیار کیا ہے، ایک مرثیہ مین جو سب سے بہتر ہے فرماتے ہین ؎

بولے دکھا کے بچے کو شاہ فلک سریر
پانی ملا ہے کل سے نہ ممکن ہوا ہے شیر
مرتا ہے پیاس سے یہ مرا کودک صغیر
للہ اس غریب پہ کر رحم اے امیر

مہمان ہے کوئی آن کا ہونٹون پہ جان ہے
اسکا قصور کیا ہے کہ یہ بے زبان ہے

برپا ہے اہل بیت محمدؐ مین شور و شین
آنکھین پھرا سے دیتا ہے اب تو یہ نور عین
در پر پھوپھی بلکتی ہے مان کر رہی ہے بین
لایا ہے اس عطش مین ترے پاس اب حسینؑ

تجکو قسم ہے روح رسالت مآب کی
ٹپکا دے اسکے حلق مین اک بوند آب کی

لیکن مرزا دبیر صاحب نے اس واقعہ کے بیان مین جو بلاغت صرف کی ہے اور جو درد انگیز سمان دکھایا ہے کسی سے آج تک نہ ہو سکا، فرماتے ہین ؎

دبیر

ہر اک قدم پہ سوچتے تھے سبط مصطفےٰ
لے تو چلا ہون فوج عمر سے کہون گا کیا

نہ مانگنا ہی آتا ہے مجھکو نہ التجا
منت بھی کر کرونگا تو کیا دینگے وہ بھلا
پانی کے واسطے نہ سنینگے عدو مری
پیاسے کی جان جائیگی اور آبرو مری

پہونچے قریب فوج تو گھبرا کے رہ گئے
چاہا کریں سوال یہ شرما کے رہ گئے
غیرت سے رنگ فق ہوا تھرا کے رہ گئے
چادر پسر کے چہرے سے سرکا کے رہ گئے
آنکھیں جھکا کے بولے کہ یہ ہمکو لائے ہیں
اصغر تمہارے پاس غرض لیکے آئے ہیں

گر میں بہ قول عمر و شمر ہوں گناہگار
یہ تو نہیں کسیکے بھی آگے قصوروار
شش ماہہ بے زبان نبی زادہ شیرخوار
ہفتے سے سب کے ساتھ یہ پیاسا ہے بیقرار
سن ہے جو کم تو پیاس کا صدمہ زیادہ ہے
مظلوم خود ہے اور مظلوم زادہ ہے

یہ کون بے زبان ہے تمہیں کچھ خیال ہے
دُرِّ نجف ہے بانو بیکس کا لال ہے
لو ہاں تو تمہیں قسم ذو الجلال ہے
یثرب کے شاہزادے کا پہلا سوال ہے
پوتا علی کا تم سے طلبگار آب ہے
دیدو کہ اسمیں ناموری ہے ثواب ہے

پھر ہونٹ بے زبان کے چومے جھکا کے سر
رو کر کہا جو کہنا تھا وہ کہہ چکا پدر
باقی رہی نہ بات کوئی اے مرے پسر
سوکھی زبان تم بھی دکھا دو نکال کر
پھیری زبان لبوں پہ جو اس نورعین نے
تھرا کے آسمان کو دیکھا حسین نے

اسلوب بیان کی بلاغت کو دیکھو، امام علیہ السلام، اصغرؑ کو لیکر پانی مانگنے کو نکلے تو سہی لیکن غیرت کے اقتضا سے ہر قدم پر ٹھہر جاتے ہین کہ سوال کیونکر کرون، اور کرون بھی تو نتیجہ کیا ہوگا، پھر فوج کے قریب پہونچکر سوال کرتے ہوئے شرمانا، تھرا کے رہ جانا، اور سب سے بڑھ کر بچہ کے چہرہ سے چادر سرکا کے رہ جانا کسقدر قیامت انگیز سمان ہے، پھر سوال بھی کرتے ہین تو علی اصغر پر رکھکر کہ اصغر تمہارے پاس غرض لیکے آئے ہین واجب الرحم ہونے کی وجہین کسقدر لاجواب ہین، اور سب ایک ہی مصرع مین ادا ہوگئی ہین یعنی ششش ماہہ ہے، بے زبان ہے، نبی زادہ ہے، شیرخوار ہے، ان سب پر قیامت یہ کہ جب سب کچھہ کہہ چکے تو بچہ کی زبان حال سے بھی کہلوایا اور بچہ نے کہہ بھی دیا، کیونکہ بچہ پیاس کی شدت سے ہونٹون پر زبان پھیرا کرتا تھا، اب بھی اُس نے ایسا ہی کیا تو یہ زبان حال سے کہتا تھا۔

متحد المضمون اشعار

اس قسم کے اشعار بعض تو بالکل ہم مضمون ہین، بعض اس قسم کے ہین کہ ایک نے ایک خیال کو ادا کیا تھا، دوسرے نے اسکو ترقی دینا چاہا۔ بعض ایسے ہین کہ صرف اصل واقعہ مشترک ہے اور دونون کی طرز ادا الگ الگ ہے، چنانچہ ہم ہر قسم کی متعدد مثالین نقل کرتے ہین ؎

دبیر	مثل تنور گرم تھا پانی مین ہر حباب		ہوتی تھین سیخ موج پہ مرغابیان کباب
انیس	پانی تھا آگ گرمی، روز حساب تھی		ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

یہ مضمون دونون کے ہان مشترک ہے کہ گرمی کی شدت یہ تھی کہ موج سیخ بن گئی تھی اور جب کوئی جانور اُس کے پاس جاتا تھا تو جلکر کباب ہوجاتا تھا، بندش اور الفاظ کی نشست مین جو فرق ہے وہ خود ظاہر ہے لیکن معنوی حیثیت سے بھی میر انیس کا شعر بڑھا ہوا ہے۔

میر انیس صاحب کے ہان گرمی کا مبالغہ جو شعر کی جان ہے، زیادہ پایا جاتا ہے، یعنی یہ کہ مچھلی سیخ موج تک آنے کے ساتھہ فوراً کباب ہوجاتی تھی، مرزا صاحب کے ہان یہ بات نہین پائی جاتی وہ کہتے ہین

کہ سوج کی سیخ پر مرغابیون کا کباب لگایا جاتا تھا، اس سے فوراً کباب ہوجانے کا خیال نہین پیدا ہوتا ۵

دبیر	جا ہون تو بیٹھے بیٹھے اک انگلی سے زین پر		گردون کی ڈھال چیر کے رکھدون زمین پر	
انیس	طاقت اگر دکھاؤن رسالتمآب کی +		رکھدون زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی	

مرزا صاحب کے شعر کا پہلا مصرع نہایت بدترکیب ہے، اس کے علاوہ ایک انگلی سے چیرنا نہین ہوتا بلکہ کھونچا دینا ہوتا ہے - ڈھال کی تشبیہ آفتاب سے بہ نسبت آسمان کے زیادہ موزون ہے ۵

دبیر	دہشت سے جوان بھاگتے تھے تیر کی مانند		تھا نیزون کو رعشہ قدم پیر کی مانند	

انیس چلنے مین نیزے کانپتے تھے شل پا پیر

میر صاحب کا مصرع زیادہ فصیح اور صاف ہے، ان الفاظ سے "کانپتے تھے" جو تصویر خیال مین کھنچ جاتی ہے، وہ رعشہ کے لفظ سے پیدا نہین ہوتی، سب سے بڑھ کر یہ کہ جب تک چلنے کی قید نہ مذکور ہو، پوری تشبیہ نہین ہوتی - کیونکہ بوڑھے آدمی کے پاؤن چلنے ہی کی حالت مین کانپتے ہین، اس کے ساتھ چونکہ چلنے کا اطلاق پاؤن اور نیزہ دونون پر ہوتا ہے اس لئے یہ لفظ اس موقع پر نہایت موزون ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ نیزہ چلانے کی حالت مین نیزہ کو لچک ہوتی ہے اس لئے اسکو کانپنے سے تعبیر کر سکتے ہین، اور اس لحاظ سے یہ کہنا کہ نیزہ چلنے کی حالت مین خوف سے کانپتا تھا نہایت لطیف حسن التعلیل ہے، بخلاف اسکے مرزا صاحب نے چونکہ نیزہ کی جنبش اور حرکت کا ذکر نہین کیا اس لئے رعشہ کا کوئی ثبوت نہین ہوتا -

دبیر چلاتے ہاتھ مل کے جلاجل کہ الامان -

انیس ہوگیا جوڑ کے ہاتون کو جلاجل خاموش -

جلاجل کے دونون حصے جو بجانے مین مل جاتے ہین، اسکی تعبیر دونون بزرگون نے دو طرح پر کی ہے مرزا صاحب کہتے ہین کہ جلاجل چلا کر الامان کہتا تھا اور ہاتھ ملتا تھا لیکن چلانے کو ہاتھ ملنے

سے ہے کوئی تعلق نہین، اس لئے گو تشبیہ صحیح ہے لیکن ہات ملنے کی کوئی توجیہ نہین ہوسکتی، میر صاحب کہتے ہین کہ حضرت امام حسینؑ کا رعب اسقدر غالب ہوا کہ جلاجل ہات جوڑ کے چپ ہوگیا، رعب اور خوف کی حالت مین ہات جوڑنا اکثر ہوتا ہے، اور چونکہ جلاجل کے دونون حصے جب مل جاتے ہین تو پھر جب تک جدا نہ ہون، آواز نہین دے سکتے، اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ ہات جوڑ کر چپ ہوگیا ہ

دبیر	یون جسم رعشہ دار سے جانین ہوئین روان		جیسے مکان سے زلزلہ مین صاحب مکان	
انیس	یون روح کے طائر تن دم سر چھوڑ کے بھاگے		جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے	

اصل مضمون یہ ہے کہ روحین جسم سے اس طرح بھاگ گئین جسطرح بھونچال مین کوئی گھر چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے لیکن بندش کی صفائی اور برجستگی نے میر انیس صاحب کے مضمون کو کہان سے کہان پہونچا دیا ہے اس کے علاوہ، صاحب مکان کی تخصیص بالکل بیکار ہے، زلزلہ جب آتا ہے تو صاحب مکان کی کوئی تخصیص نہین، ہر شخص مکان چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے، جسم رعشہ دار کی ترکیب نامانوس ہے اور اس قید سے یہ مفہوم ہوتا ہے، کہ صرف ان لوگون کی روحین نکلین جنکے جسم رعشہ دار تھے - میر صاحب کا پہلا مصرع بھی کچھ اچھا نہین، سر کا لفظ بالکل حشو بلکہ موقع کے لحاظ سے غلط ہے، روح سر مین نہین رہتی اور نہ سر سے اسکو کوئی خصوصیت ہے ہ

دبیر	وہ رخش پہ یا دیو تھا اسوار پری پر		غل رن مین اٹھا کوہ چڑہا کبک دری پر	

کسقدر بیہودہ تشبیہ ہے، دشمن کو کوہ اور گھوڑے کو کبک دری کہنا مضائقہ نہین لیکن کوہ کا کبک دری پر چڑہنا کسقدر مہمل ہے، میر انیس صاحب نے بھی یہی مضمون یعنی دشمن کا گھوڑے پر سوار ہونا متعدد موقعون پہ باندہا ہے اور کس خوبی سے باندہا ہے -

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا -

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا -

دبیر	رن مین جو گھرا ابر غلیظ اہل ستم کا	بجلی سا کڑکنے لگا کڑکیٹ عمر کا
ایضاً	گرد عباس کے کثرت تھی ستمگارونکی	مینہ تو تیرون کا تھا اور برق تھی تلوارونکی

پہلے شعر کا یہ مطلب ہے کہ دشمن جو اہل ستم تھے، اُن کے صفون کا دل ابر غلیظ تھا، اور اس ابر مین کڑکیٹ کا کڑکنا بجلی کا کام دیتا تھا، دوسرے شعر کا مطلب ظاہر ہے، اسی مضمون کو میر انیس صاحب نے باندھا ہے ؎

اک گھٹا چھاگئی ڈھالون سے ستمگارونکی	برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

مرزا صاحب کا پہلا شعر تو بالکل بھدّا اور بد ترکیب ہے، دوسرا اور صاف ہے لیکن میر انیس صاحب کے شعر سے اسکو بھی کچھ نسبت نہین ہے، صفائی اور برجستگی کے علاوہ "چمکنے لگی" کے جملہ فعلیہ نے جو حالت پیدا کی وہ "برق" تھی سے کہان پیدا ہوسکتی ہے ؎

انیس	عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہین ہے	اس عہد مین سب کچھ ہے پر انصاف نہین ہے
دبیر	دل صاف ہو کسطرح کہ انصاف نہین ہے	انصاف ہو کسطرح کہ دل صاف نہین ہے

انصاف سے دیکھو مرزا صاحب نے میر صاحب ہی کے لفظون کو الٹ پلٹ کیا ہے لیکن کس بُری طرح سے کہ محض لفظی گورکھ دہندا رہ گیا ہے -

دبیر کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع و سجود مین -

انیس سایل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز مین -

دونون مصرعون کی شستگی برجستگی اور صفائی مین جو فرق ہے، وہ ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے ؎

دبیر	کس آب و تاب سے یہ سر فوج پر گئی	پانی کا گھونٹ بنکے گلے سے اُتر گئی
انیس	سب نشۂ غرور جوانی اُتر گیا	تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

ان دونون شعرون کا فرق بھی ظاہر ہے -

دبیر	یون متصل رسن سے بندھے تھے وہ دل فگار	رشتہ مین جیسے دانۂ تسبیح آبدار	

اہل حرم جو ایک ہی رسی مین قید کئے گئے انکو تسبیح کے دانہ اور رشتۂ تسبیح سے تشبیہ دی ہے اور یہ تشبیہ بجاے خود بُری نہین، لیکن میر صاحب کی تشبیہ دیکھو ؎

گردنین بارہ اسیرون کی ہین اور ایک رسن	جس طرح رشتۂ گلدستہ مین گلہاے چمن	

تشبیہ کی لطافت اور نزاکت کے علاوہ، اصل تشبیہ مین کسقدر فرق ہے، تسبیح کے دانے رشتہ مین بندھے نہین ہوتے بلکہ پروے ہوتے ہین، بخلاف اسکے گلدستہ مین پھول رشتہ سے بندھے ہوتے ہین بندش کی صفائی کا جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، اسکے علاوہ مرزا صاحب کے ہان آبدار کا لفظ محض فضول اور بیکار ہے ؎

دبیر	بے جرم معرکہ مین وہ خار انشگاف تھی	لشکر کا خون کیا تھا مگر پاک صاف تھی	

مرزا صاحب نے اس مضمون کو نہایت خوبی اور صفائی سے ادا کیا ہے، میر انیس صاحب نے اس مضمون کو کئی کئی طرح سے پلٹا لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ بات نصیب نہوئی، میر صاحب کہتے ہین ؎

انیس ان سب کے بعد مُنہ کو جو دیکھا تو صاف تھا۔

ایضاً جو چاہے دیکھ لے مرا مُنہ پاک صاف ہے ؎

"	دم مین نہ وہ غرور، نہ وہ خود سری رہی	مجرم وہی رہا، یہ خطا سے بری رہی،
مرزا دبیر	روکش، خدا کی فوج سے چھوٹے بڑے ہوئے	سجادہ سے امام زمن اُٹھ کھڑے ہوئے
میر انیس	طیار جان و سینے پہ چھوٹے بڑے ہوئے	تلوارین ٹیک ٹیک کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے
دبیر	روشن پدر کا زور ہے دنیا و دین پر +	ششدر رہے، جبرئیل کٹے جگر تین پر
انیس	خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر،	کاٹے ہین کسکی تیغ دو پیکر نے تین پر

دبیر	بندھتی تھی، اور کھلتی تھی مٹھی حباب کی،	انیس کھلتی تہین اور جھپکتی تہین آنکھین حباب کی،

تمت

تصانیف شبلی نعمانی

نام کتاب	مضمون	قیمت	کہاں سے مل سکتی ہے
موازنہ انیس و دبیر	میر انیس کی شاعری پر ریویو اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ	۱ے	
سوانح مولانا روم	مولانا روم کی سوانح عمری اور مثنوی شریف پر مفصل تقریظ	۳ ر ۱۲ و ۱۴ ر و ۱۰ ر بہ اختلاف مدارج	دفتر ندوۃ العلما لکھنؤ
الکلام	عقاید اسلام کا ثبوت	۱۲ ر	″
سفرنامہ روم	ٹرکی و مصر و شام کا سفرنامہ		″
رسایل شبلی	۱۲ تاریخی مضامین کا مجموعہ	عہ ر	″
سیرۃ النعمان	امام ابوحنیفہؒ کی سوانح عمری اور فقہ حنفی پر ریویو	۵ ر	″
المامون	مامون الرشید کی سوانح عمری ..	عہ ر	ڈیوٹی شاپ علی گڈھ کالج
الغزالی	امام غزالی کی سوانح عمری		سہ بارہ زیر طبع ہے، دوسرا اڈیشن کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد سے مل سکتا ہے
علم الکلام	علم کلام کی مفصل تاریخ		دوبارہ زیر طبع ہے،
الفاروق	حضرت عمرؓ کی سوانح عمری		دوبارہ زیر طبع ہے،

شبلی
ندوہ - لکھنؤ